Regd. No. L. 1872 March 1945 Established 190

THE ISMAT DELHI

رسالہ عصمت دہلی

سینتیسواں سال	مارچ ۱۹۴۵ء	جلد ۷۴ نمبر ۳

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی (مع محصول ڈاک) پانچ روپیہ۔ بذریعہ وی پی سوا پانچ روپیہ۔ ممالک غیر سے دس شلنگ
اُمرا سے دس روپیہ۔ روسا سے پچیس روپیہ۔ والیان ریاست سے سو روپیہ

(باہتمام رازق الخیری ایڈیٹر، پرنٹر و پبلشر محبوب المطابع دہلی میں چھپکر دفتر عصمت کوچہ چیلان دریا گنج دہلی سے شائع ہوا)

مضمون نگاری کے قواعد

مضمون نگاروں کو عصمت کے لئے مضامین بھیجنے سے پہلے ان باتوں کا ضرور خیال رکھنا چاہئے۔ تاکہ ان کا وقت اور محنت بیکار نہ جائے (۱) مضامین کاغذ کے ایک رخ پر روشن سیاہی سے نظر ثانی، مناسب ترمیم۔ اصلاح و اضافہ کے لئے ایک ایک سطر چھوڑ کر خوشخط لکھنے چاہئیں (۲) ایڈیٹر کے نام کے خط میں مضمون نگار کا صحیح نام اور پورا پتہ درج ہونا اشد ضروری ہے (۳) طویل مضامین کے لئے تین تین چار چار ماہ بھی ممکن ہے جگہ نہ مل سکے لیکن چھوٹے مضامین جلد درج رسالہ ہو سکتے ہیں اس لئے مضمون نگار جہاں تک ممکن ہو مضمون مختصر لکھیں اور کم از کم الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کریں (۴) مضمون کسی کتاب یا رسالہ سے نقل ہو یا ترجمہ یا اخذ ہو تو مصنف کا نام اور کتاب یا رسالہ کا حوالہ ضرور دیا جائے (۵) عصمت کے لئے وہ مضامین ارسال کئے جائیں جو صرف عصمت کے لئے لکھے جائیں۔ وہ مضمون ہرگز نہ بھیجا جائے۔ جو کسی اور پرچہ کو بھیجا جا چکا ہو (۶) مضامین کے لئے پرانے پامال عنوانات جن پر بار بار عصمت میں مضامین شائع ہو چکے ہیں منتخب نہ کرنے چاہئیں نئے نئے موضوعوں پر چھوٹے چھوٹے مضامین جو اسلوب بیان، ندرت خیال وغیرہ کے اعتبار سے دلچسپ سمجھے جا سکتے ہیں خوشی کے ساتھ شائع کئے جاتے ہیں۔ (۷) مضامین میں تہذیب و سنجیدگی کا پورا خیال رکھنا چاہئے۔ جو مضامین ذاتیات سے آلودہ ہوتے ہیں یا جن سے کسی فرقہ یا کسی شخص کی دل آزاری ہو سکتی ہے مسترد کر دیئے جاتے ہیں (۸) مضامین کی زبان سلیس اور عام فہم ہونی چاہئے۔ رنگین بے معنی عبارت ہمیں ناپسند ہے۔ فارسی، عربی، انگریزی، ہندی، الفاظ ٹھونسنے سے مضمون بھدا ہو جاتا ہے (۹) جو مضامین عصمت میں شائع ہوتے ہیں ان کا دائمی حق اشاعت بحق عصمت محفوظ ہوتا ہے (۱۰) دو آنے کا ٹکٹ آنے پر ناقابل اشاعت مضمون واپس کیا جا سکتا ہے (۱۱) عصمت سال کے بہترین مضامین پر جولائی میں کئی سو روپیہ کے انعامات مضمون نگار خواتین میں تقسیم کرتا ہے۔ کم استطاعت مضمون نگار عورتوں کو معاوضہ بھی دیتا ہے۔ غیر مسلم خواتین کے مضامین خوشی سے شائع کئے جاتے ہیں۔

جو خواتین و حضرات ان قواعد کی پابندی نہیں کرتے ان کے مضامین ناقابل اشاعت ہوتے ہیں۔

ایڈیٹر

عصمتی بہنیں

ان قواعد کی ضرور پابندی کریں ورنہ ہم ان کی شکایت کے ذمہ دار نہ ہوں گے

(۱) عصمت ہمیشہ پابندی وقت سے ۳۰ تاریخ کو شائع ہو کر دوسری تیسری تاریخ تک ہندوستان کے تمام خریداروں کو پہنچ جاتا ہے۔ اشاعت میں خدا کے فضل سے کبھی دیر نہیں ہوتی لیکن اگر ڈاک خانہ کی غلطی سے وقت مقررہ پر پرچہ نہ ملے تو ۵ تاریخ کے بعد کارڈ لکھ کر نمبر خریداری کے حوالہ سے دوبارہ پرچہ منگا لیں اب چونکہ رسالہ صرف ضرورت کے مطابق چھاپا جاتا ہے اس لئے اگر **پرچہ نہ ملنے کی فوراً اطلاع نہ دی گئی تو پھر بغیر قیمت پرچہ نہ مل سکے گا۔** (۲) اگر ایک مقام سے دوسرے مقام کا تبادلہ ہو جائے تو خریداری نمبر کے حوالہ سے فوراً دفتر کو تبدیلی پتہ کی اطلاع دے دیجئے۔ کئی کئی ماہ بعد پتہ بدلوانا دفتر کو سخت نقصان پہنچاتا ہے کیونکہ صحیح پتہ نہ ہونے کی وجہ سے پرچہ تلف ہو جاتا ہے اور خریدار بہن کو شکایت رہتی ہے کہ دفتر سے نہیں بھیجا گیا۔ حالانکہ تمام خریداروں کو ۳۰ تاریخ کو رسالہ بھیج دیا جاتا ہے۔ **لہٰذا پتہ تبدیل ہوتے ہی دفتر کو فوراً اطلاع دے دیں** (۳) جب ہمیں خط لکھیں خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ ورنہ تعمیل میں کئی دن لگ جائیں گے اگر آپ کو خریداری نمبر یاد نہ ہو یا آپ نے نوٹ نہ کیا ہو تو جوابی پوسٹ کارڈ بھیج کر دفتر سے معلوم کیجئے۔ کیونکہ بغیر خریداری نمبر لکھے آپ کے خط کی تعمیل فوراً نہ ہو سکے گی۔ (۴) جواب طلب امر کے لئے جوابی پوسٹ کارڈ یا تین پیسے کا ٹکٹ بھیجئے (۵) منی آرڈر کی کوپن پر خریداری نمبر اور پتہ ضرور درج فرمائیے (۶) خریداروں کے چندہ کی میعاد یا اختتام سال کی اطلاع ایک ماہ پہلے دے دی جاتی ہے اگر کسی بہن کو خریدار رہنا نہیں ہے تو دفتر کو مطلع کر دیں۔ اور اگر پرچہ بدستور جاری رکھنا ہے۔ پانچ روپیہ منی آرڈر کے ذریعہ آئندہ سال کا چندہ بھیج دیں۔ انکاری اطلاع یا چندہ نہ آنے پر وی پی بھیجا جاتا ہے۔ وی پی واپس آنے پر نام [illegible] رجسٹروں سے خارج کر دیا جاتا ہے۔

مینیجر

ہدیۂ نعت

ازل میں تھا جو نہاں خانۂ شبِ دیجور
نہ شمس تھا نہ قمر تھا نہ یہ ستارے تھے
نہ تھا فلک، نہ زمیں تھی، نہ تھے ملک نہ بشر
نہ تھی زمیں گل و سبزہ کی یہ نیرنگی
نہ تھے ریاضِ فلک میں یہ غنچہ ہائے نجوم
زمیں تھی نہ زماں اور مکیں تھے نہ مکاں
نہ تھا سبب نہ مسبب، نہ علت و معلول
وہ ذاتِ پاک تھی اور ایک ہُو کا عالم تھا
ہوئی مشیتِ حق کو جو یک بیک تحریک
محال کر دیا اس نے جو پہلے ممکن تھا
بنائی ایسی عناصر کی چار دیواری
کئے پھر ایسے قوانین منضبط سب کے
وہ ربط و ضبط کواکب کی گردشوں میں کیا
بنائے ارض و فلک اور جنت و دوزخ
کروروں قسم کی مخلوق ہو گئی پیدا
بدن کا سلسلہ پھر روح سے قائم
فلک سجا دیئے خورشید و ماہ و انجم سے
ملک فلک پہ تھے اور روئے ارض پر آدم
مگر تھا سب پہ شرف نوحِ پاک آدم کو
ملائکہ سے جو افضل ہے ہاں وہی آدم
وہ شاہکار جسے کہئے دستِ قدرت کا
یہی ہے اس کی فضیلت کی اک دلیلِ مبین
سنبھل کہ اب ذرا خامہ! یہ کس کا نام آیا!
ہے تجھے حصر کب اُس کی صفات کا ممکن؟
خدا ہی خود ہے ثنا خواں صفات کا جس کی
مگر ہے فرضِ اہم تیرا یہ بھی ذکرِ پاک
زہے نصیب ترے ارضِ طیبہ پُر نور
وہ جس کی ذات کا اول سے تا ابد ہے ظہور
وہ جس کے دادا و نانا ہیں ہوئے خلیل و ذبیح
اس کے پردے میں تھی کائنات کل مستور
ہوا تھا چرخ پہ یہ اور نہ کہکشاں کا ظہور
نہ تھا بلندی و پستی کا امتیاز و شعور
نہ تھا یہ شورِ عنادل، نہ نغمہ ہائے طیور
نہ شاخِ چرخ پہ پرویں کے خوشۂ انگور
نہ بُعد و قرب، نہ یہ اندازۂ سنین و شہور
نہ کوئی ربط میان موثر و متاثر
کہ اب ہے جس کے تصور سے عقل بھی معذور
تو کی بباعثِ عالم کی ابتدا و ظہور
خلا سے ہو گیا فطرت کو انتہائے نفور
نہ جس حریم میں ہر شے کو کر دیا محصور
کہ اس سے باہر [illegible] نہیں مقدور
کہ ہے صعود و ہبوط اس سے اور قیام و مرور
یا بلندی و پستی میں امتیاز و شعور
کہ ہے شمار و حصار اس کا ماورائے شعور
کہ ہے اسی کے کرشمے سے سب جہاں معمور
زمیں پہ کر دیئے قائم دیار و دشت و بحور
انہیں کے [illegible] جہاں میں شعلۂ نشور
کہ تھا وہ حاصلِ تکوینِ عالمِ معمور
جو ہے غرضِ مخصوص بارگہِ شعور
وہ جس کو رب کی خلافت کا مل گیا منشور
کہ اس میں ذاتِ محمد کا ہو چکا ہے ظہور
نہ کر وہ بات جو ہو حدِ احترام سے دور
تو اس سے [illegible] برآ ہو سکے نہیں مقدور
وہاں ہے حوصلۂ انساں کا بھی عقل سے دور
نہ ہونا چاہیئے اس کی ادائیگی میں قصور
کہ تیرا فخر تھا پابوسیٔ قدومِ حضور
وہ جس نے دہر کی ظلمت کو کر دیا کافور
وہ جس کی بعثت اسود کتب میں تھی مسطور
وہ تھا جو عالمِ امکاں میں برزخِ اکبر
قدم کے وصف تھے جس کے حدوث میں معمور
وہ جو بنا تھا خلائق کے واسطے رحمت
دکھائی راہِ ہدایت انہیں جو تھے مقہور
وہ جس پہ حاضر و غائب تھے منکشف سب راز
شہود و غیب میں کچھ فرق تھا نہ جس کے حضور
وہ جس کا قول تھا ایک ایک قولِ حق گویا
عمل کا تھا جس کا ہر اک دہر کے لئے دستور
وہ جس نے کفر و معاصی کا کر کے استیصال
بتایا سب کو تمہارا ہے ایک ربِ غفور
وہ جس نے شیر و شکر کر دیا قبائل کو
مٹایا کین و نفاق و جدل، فساد و فتور
وہ جس کا درس اخوت تھا ابتدائی سبق
وہ جس کا عدل و مساوات اولیں دستور
وہ جس کا دامنِ رحمت تھا عام سب کے لئے
وہ جس کے سایہ میں یکساں تھا عکسِ ظلمت و نور
وہ بوسہ گاہِ ملک جس کا آستانہ تھا
وہ جس کے در پہ جبیں سا تھے قیصر و فغفور
وہ جس کی آنکھ میں تھی بیوہ و یتیم کی جا
لبوں میں جس کے ودیعت تھی صحبتِ رنجور
وہ جس پہ ثبت تھی اکملت لکم دینکم کی مہر
جہاں میں لایا تھا آخر پیام ربِ غفور
وہ جس نے امتیوں کے لئے بنی جنت
وہ جس کو سونپ دیا حق نے نظمِ حور و قصور
ضعیف و بے بس و بیکس کا جو سہارا تھا
تھا مفلسوں کا جو ماوا، غریب کا مقدور
سنایا دہر کو جس نے پیامِ آزادی
دکھائی کفر کی ظلمت میں جس نے شمعِ نور
جو کہ جہاں کا ناجی بنے گا حشر کے دن
بصیر کو بھی نہ چھوڑے گا ایسی طرح مجبور

بصیر صدیقی بدایونی

نذرِ سلام

ظاہر ہوا افق پر جب دم وہ ماہ ہستی
حسنِ عمل سے بدلے اندازِ چیرہ دستی
آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں

آیا قدم پہ جھکنے اقبالِ بت پرستی
ہم اوج ہے فلک سے بختِ زمیں کی پستی
دربارِ مصطفےٰ میں نذرِ سلام بھیجیں

جس کے فراق میں تھی کعبہ کی سوگواری
روح الامیں کی آئی آواز پیاری پیاری
آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں

گھر آمنہ کے چمکا وہ نورِ ذاتِ باری
بطحا میں آرہی ہے محبوب کی سواری
دربارِ مصطفےٰ میں نذرِ سلام بھیجیں

صحنِ چمن میں گونجے عشرت کے شادیانے
قدرت لگی لٹانے عرفان کے خزانے
آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں

شاخوں نے مل کے گائے توحید کے ترانے
گلشن میں جب گلوں سے جا کر کہا صبا نے
دربارِ مصطفےٰ میں نذرِ سلام بھیجیں

مخلوق میں خدا کی غمخوار بن کے آئے
صانع ازل کے رنگیں شاہکار بن کے آئے
آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں

باطل کے آگے حق کا کردار بن کے آئے
نبیوں کے قافلے کے سالار بن کے آئے
دربارِ مصطفےٰ میں نذرِ سلام بھیجیں

وہ نورِ حق ہوا جب دنیا میں جلوہ آرا
جامہ ہوا عرب کی نخوت کا پارا پارا
آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں

اوجِ فلک پہ چمکا مزدور کا ستارا
چوگانِ زندگی میں ایماں سے کفر ہارا
دربارِ مصطفےٰ میں نذرِ سلام بھیجیں

جب تاج سر پہ چمکا دنیائے سروری کا
لہرا فضا میں جھنڈا یکس کی افسری کا
آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں

پستی نے ہنس کے دیکھا منہ چرخِ چنبری کا
پرچم گرا زمیں پر اصنامِ آذری کا
دربارِ مصطفےٰ میں نذرِ سلام بھیجیں

باطل پہ جس نے حق کا سکہ بٹھا کے چھوڑا
بنیاد کو خودی کی جس نے ہلا کے چھوڑا
آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں

رنگِ دوئی کا نقشہ یکسر مٹا کے چھوڑا
بیت الصنم کو جس نے کعبہ بنا کے چھوڑا
دربارِ مصطفےٰ میں نذرِ سلام بھیجیں

ٹھوکر لگا کے حق نے باطل کے قصر ڈھائے
دنیا کے سرکشوں نے فرقِ ادب جھکائے
آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں

تکبیر کی صدا نے دشت و جبل ہلائے
کھینچے بہ دست بستہ پیشِ جناب آئے
دربارِ مصطفےٰ میں نذرِ سلام بھیجیں

حسنِ عمل کے گل اور گلدستۂ صداقت
اشکوں کے موتیوں کی لڑیاں بہ پیشِ عقیدت
ہو دل کا آبگینہ بھر از مئے محبت
دیکھ یہ نذر سوئے کاشانۂ رسالت
آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں
دربارِ مصطفےٰ میں نذرِ سلام بھیجیں

اے تاجدارِ اُمت نذرِ سلام لیجئے
اے شہریارِ ملت نذرِ سلام لیجئے
اے ماہِ اوجِ رفعت نذرِ سلام لیجئے
اے آفتابِ عظمت نذرِ سلام لیجئے

اللہ اور فرشتے تم پر سلام بھیجیں
پھر کیوں نہ اُمتی بھی مل کر سلام بھیجیں

بیگم ڈاکٹر رفعت حسین صدیقی

نعت

ہنسی لیکے آئے خوشی لیکے آئے
محمد نئی زندگی لیکے آئے

تھی تاریکیٔ کفر و افزوں جہاں میں
وہ قرآن کی روشنی لیکے آئے

وہ اک مردِ مومن کی خاطر جہاں میں
زمانے کی شاہنشہی لیکے آئے

زمانے پہ کالی گھٹا چھا رہی تھی
وہ اک مستقل چاندنی لیکے آئے

زمانے میں ہے کامیاب آج بھی وہ
وہ تہذیب ایسی نئی لیکے آئے

گرائے درِ خاکِ طیبہ کی خاطر
دو عالم کی وہ سروری لیکے آئے

وقار اک جہاں کے غلاموں کی خاطر
پیامِ رہائی نبی لیکے آئے

احمد وقار واثقی مہوکینٹ

حضور اکرمؐ کی تکالیف کا ایک دَور

(از حضرت علامہ راشد الخیری رحمۃ)

جب قریش اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ آمنہ کے لال کے اُس نورانی چہرہ کو جس کو شب و روز اینٹوں اور پتھروں سے خون میں نہلاتے تھے آج دُنیا سے قطعاً نیست و نابود کر دیں تو ابو طالب نے ہاشمیوں کو جمع کر کے بآوازِ بلند کہا:-

"بھائیو تم کو معلوم ہے کہ ظالم قریش محمدؐ کے خون کے پیاسے ہیں۔ اُنھوں نے عبد اللہ کے یتیم پر جو جو ظلم توڑ رکھے ہیں سرزمینِ عرب اُس کو فراموش نہیں کر سکتی۔ ہم گنتی میں چند ہیں اور اُن کی جماعت کثیر۔ ایسا نہ ہو کہ بھائی کی روح سے مجھ کو ندامت حاصل ہو۔ بہتر ہو گا کہ آؤ ہم سب اُس میدان میں قیام کریں جو مکہ کی مشرقی سرحد پر واقع ہے اور چٹانوں اور دیواروں نے اُس کو شہر سے بھی علیحدہ کر دیا ہے۔"

ہاشمیوں نے اس تقریر پر گردنیں جھکا دیں اور مسلمانوں کا یہ چھوٹا سا قافلہ شعب میں رہنے سہنے لگا۔

(۱)

ہجرت کا پہلا سال ہے۔ ہلالِ محرم برآمد ہوئے تھوڑی دیر گذری ہو گی کہ قریش کا ایک زبردست گروہ، ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے شعب میں دیوانہ وار اس غرض سے داخل ہوا کہ حضور اکرم کا سرِ مبارک تن سے جُدا کر دے اور للکار کر کہا:-

"ابو طالب اگر اپنی اور اپنے ساتھیوں کی خیر چاہتے ہو تو اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالہ کر دو۔ تاکہ ہم تمہاری آنکھوں کے سامنے اُس کی گردن اُڑا کر اپنا جی ٹھنڈا کر لیں۔ ورنہ یاد رکھنا شعب کی تمام سرزمین خون میں نہائے گی"۔

ابو طالب یہ گفتگو سُن کر سناٹے میں رہ گئے۔ یتیم بھتیجے کی طرف مُڑ کر دیکھا تو مبارک ہونٹوں پر ہنسی کھیل رہی تھی۔ دفعتاً اس پاک زبان سے یہ الفاظ نکلے:-

"میرا خالقِ حقیقی میرا مددگار ہے۔ جب تک اُس کا حکم نہ ہو گا تم لوگ میرا کچھ نہیں کر سکتے۔"

اس کے بعد آپ نے حسرت آمیز نظروں سے چچا کی طرف دیکھا کہ اُن کی کیا رائے ہے۔ ابو طالب نے اُس وقت بھتیجے کی صورت پر نظر ڈالی اور یہ دیکھ کر کہ بِن باپ کے بچے کا والی وارث اس وقت خدا کے سوائے کوئی نہیں ہے اُن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے فرطِ محبت میں بھتیجے کو گلے سے لپٹا لیا اور کہا:-

"جب تک دَم میں دَم ہے تم لوگ کچھ نہیں کر سکتے۔"

قریش اُس وقت تو اپنا سا مُنہ لے کر چلے آئے مگر ایک عہدنامہ مکمل کیا گیا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ جب تک اہلِ شعب محمدؐ کو قتل کے لئے ہمارے سپرد نہ کر دیں اُس وقت تک اُن سے ملنا جُلنا، بات چیت، خرید و فروخت سب موقوف۔ اس عہدنامہ کی ایک نقل درِ کعبہ پر لٹکا دی گئی۔ اور دوسری ابو جہل کے ہاں رکھی گئی۔

شعب سے جو شخص نکلتا قریش اُس کو مارتے اور گالیاں دیتے۔ بازار سے کوئی چیز اُن کو مول نہ ملتی نتیجہ یہ ہوا کہ روحانی و جسمانی تکالیف کے علاوہ یہ لوگ اناج کے دو دو دانوں کو محتاج ہو گئے۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ حضور اکرم پر متواتر پانچ وقت کا فاقہ گذر چکا تھا۔ پیٹ سے ایک پتھر باندھے ہوئے

آپ خدا کے حضور میں کچھ عرض کر رہے تھے کہ آپؐ کو دو
بچوں کے رونے کی آواز آئی جو بھوک سے بلبلا رہے تھے۔
دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ تین وقت سے اِن بچوں کے
پیٹ میں اُڑ کر کھیل تک نہیں گئی۔ (روحی فداہ یا رسول اللہؐ)
آنکھ سے زار و قطار آنسو بہنے لگے۔ باوجود دشمنوں کی حراست
کے آپؐ شعب سے باہر تشریف لائے۔ کھجور کے درخت کے نیچے
اُسی اندھیرے گھُپ میں کچھ کھجوریں توڑیں اور شعب کی طرف
چلے۔ گروہِ قریش میں سے ایک شخص کھڑا ہوا یہ واقعہ دیکھ رہا تھا
وہ بھی پیچھے پیچھے چلا اور شعب میں داخل ہوا۔ ننگی تلوار اُس کے
ہاتھ میں تھی۔ قریب تھا کہ وہ اپنا وار کرے مگر یہ دیکھ کر کہ آپ
نے معصوم بچوں کو جو بھوک کے تڑپ رہے تھے کھجوریں کھلائیں
اُس کا دل پسیج گیا۔ بیتابانہ بغل گیر ہوا اور یہ دیکھ کر کہ شکم
مبارک سے پتھر بندھا ہوا ہے۔ اُس نے ایک چیخ ماری اور
یہ کہہ کر گر پڑا۔ "بیشک تو خدا کا سچا رسول ہے"۔

اہلِ شعب کی یہ حالت پورے تین سال تک رہی اور بالآخر
وہ وقت آیا کہ پیغمبرِ اسلام کو جو تھوڑا بہت سہارا چچا کی طرف
سے تھا وہ بھی جاتا رہا۔ ابوطالب جیسا چچا جس نے باوجود کلمہ
نہ پڑھنے کے بھتیجے پر آنچ نہ آنے دی بسترِ موت پر پڑا ہوا ہے۔
حضورِ اکرم سرہانے کھڑے ہیں۔ اور ابوطالب کی روح عالمِ بالا کو
پرواز کر رہی ہے۔

چچا کی موت ایسی نہ تھی کہ رسالت مآبؐ اُس کو بھول جاتے
قریش اب طرح طرح کے ظلم کرنے لگے۔ اور اُسی سال ایک دن ایسا
آیا کہ جب تجّاری اور غلہ بردار بھی پیغمبرِ اسلام کی زیارت کو کوسوں
کی مسافت طے کر کے آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ آدمیوں کا غول چلا
آرہا ہے۔ اور سب کے آگے ایک شخص ہے جس کا چہرہ لہولہان
ہے اور چاروں طرف سے اُس پر پتھر پڑ رہے ہیں مگر وہ یہی
کہہ رہا ہے کہ الٰہی ان کو نیک توفیق دے۔ جب بھی اس ظلم کی تاب
نہ لا سکے تو ایک دوکاندار سے پُوچھا کہ "یہ کون شخص ہے جس پر
یہ ظلم و ستم ٹوٹ رہے ہیں" دوکاندار نے جواب دیا "ھٰذَا مُحَمَّدٌ"

(یہ محمد عبد المطلب کا پوتا ہے)

ابوطالب کے بعد قریش کے مظالم روز بروز زیادہ ہوتے
گئے۔ مگر خدیجۃ الکبریٰ کی تسکین تھوڑی بہت کام آجاتی تھی۔
پھر بھی مصائب کی یہ انتہا تھی کہ متواتر فاقے گذرتے۔ بازار میں
تشریف لے جاتے تو چاروں طرف سے پتھر برستے۔ اور کوئی اتنا نہ پوچھتا
کہ ان ظلموں کا کیا انجام ہوگا۔

خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔ خدیجہ یعنی وہ بی بی جو عورتوں
میں سب سے پہلے ایمان لائیں اور آخر عمر کا تمام حصہ خدمت
رسولؐ میں بسر کر دیا۔ اپنے پاک شوہر کی ان تکلیفوں سے اکتا گئیں
ایک دن جبکہ آپ گھر میں تشریف لائے تمام روئے مبارک
مٹی میں لت پت تھا۔ بی بی خدیجہ نے منہ ہاتھ دُھلایا اور کہا کہ:

"یا رسول اللہ اب مجھ سے آپ کی تکلیفیں نہیں دیکھی جاتیں
مظالم کی حد ہوگئی۔ ایک تنِ واحد کے برخلاف تمام دنیا کمربستہ ہے
اے خدا کے سچے رسولؐ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں دعا کیجئے۔
خدا مجھ کو دُنیا سے اُٹھائے۔ اور آپ اپنے ہاتھ سے مجھ کو پیوندِ
زمین کر دیں" خدیجہ کی یہ دعا مقبول ہوئی وہ اپنے سچے اور
پاک شوہر کی تکالیف سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ بسترِ مرگ پر پڑ گئیں
رسالت مآبؐ صلعم کے واسطے یہ بڑا نازک وقت تھا۔ خدیجہ جیسی بیوی کی
مفارقت جس نے اپنا تمام مال متاع آپ پر قربان کر دیا اور تمام عمر آپ
کی خدمت گذاری میں بسر کی معمولی بات نہ تھی۔ خدیجہ کا مرض روز بروز
ترقی کرتا گیا اور خود حضورِ اکرمؐ کو اُن کی صحت سے مایوسی ہوگئی، تو
آپ کے قلبِ مبارک کی عجیب کیفیت تھی۔

عبادتِ الٰہی کے ساتھ دُنیاوی تعلقات کا ہجوم اُسی پاک
ذات کے تحمّل کا کام تھا۔ مرض الموت میں اکثر آپ پاس بیٹھے رہتے
اور ہاتھ کو بوسہ دیتے مصیبت کا یہ پہاڑ شعب کی پہاڑیوں سے
شروع ہوا۔ اور ابوطالب اور خدیجہ کی موت پر ختم ہوا۔

یثرب میں آرام کرنے والے جسدِ خاکی! اُمت تیری زندگی
کے ہر واقعہ پر قربان ہو، ہماری لاج رکھ اور ہم میں اتفاق دے۔

کتر بیونت

مہنگائی کے اس سخت دور میں جب ہر چیز کی قیمت چوگنی پچگنی ہو رہی ہے۔ بےچارے غریب تو کس گنتی میں ہیں اچھے اچھے رئیسوں کے چھکے چھوٹ گئے ہیں۔ کھانے پینے کی اشیا تقریباً چوگنی اور اس سے بھی کچھ زیادہ قیمت پر مل رہی ہیں۔ سونے کا بھاؤ تقریباً تین گنا زیادہ ہے لیکن کپڑا؟ الٰہی توبہ اس پر تو وہ آگ پڑی ہے کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ بزاز کی دوکان پر پہنچ کر کپڑا پسند کرنے کے بعد جب قیمت آٹھ دس آنے گز کی بجائے دس گیارہ روپیہ گز معلوم ہوتی ہے تو بس دل یہی چاہتا ہے کہ خوب دل بھر کے روؤ اور بادیدۂ تر ٹھنڈی سانسیں بھرتے دونوں ہاتھوں سے دل تھامے اپنے گھر واپس آجاؤ یا پھر آستینیں چڑھا کر بزاز کی وہ مرمت بناؤ کہ وہ کپڑا فروخت کرنے سے آئندہ کے لئے توبہ کرے۔

خیر یہ تو تھیں جذباتی باتیں۔ سوچنا یہ چاہیئے کہ کس کس طریقہ سے ہم سلیقہ شعاری کے ساتھ اپنے بعض اخراجات کا تدارک کر سکتے ہیں۔ سب سے پہلے ہے پیٹ کا سوال؟ تو اس دوزخ کو ہر طرح بھرنا ہی پڑتا ہے۔ خواہ گرانی ہو یا ارزانی۔ یہ تو کوئی بھی نہیں کر سکتا کہ بجائے دو کے ایک ہی روٹی کھالے اور باقی آدھے پیٹ کو گرم گرم آنسو پی کر بھرے۔ پیٹ بھرنے کے بعد تن ڈھانکنا ضروری بلکہ لازمی ہے۔ اگر بابا آدم کا زمانہ ہوتا تو پتے لپیٹ لئے جاتے لیکن اس ترقی اور تہذیب کے زمانہ میں اگر پتے لپیٹ لئے جائیں تو شاید دنیا میں وہ دور بھی آجائے گا جب من و سلویٰ اترتا تھا۔

ہاں تو بحث یہ تھی کہ اب تن کیسے ڈھانکا جائے اور اس سلسلہ میں کس کس طرح کفایت اور سلیقہ شعاری سے کام لیا جا سکتا ہے اگر آپ پسند کریں تو آپ کو نئے نہیں بلکہ اپنے پرانے کپڑوں سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے۔ آجکل ساڑھی کا بہت رواج ہے اور عام طور پر سوتی ساڑھیاں جن پر مختلف قسم کے نہایت مضبوط بوڈر بنے ہوتے ہیں۔ استعمال کی جاتی ہیں۔ جب اس قسم کی ساڑھیاں پھٹ جاتی ہیں تو اُن کے بوڈروں کو علیحدہ کر کے تھوڑی محنت کے بعد بہت سی چیزیں تیار کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً بوڈر کی ان پٹیوں کو مشین سے جوڑ جوڑ کر بچوں کی فراکیں، زنانے جمپر میز پوش تکیہ کے غلاف۔ دسترخوان، کرسی کے گدوں کے غلاف صوفوں کے کور کشتی پوش اور بہت سی چیزیں بن سکتی ہیں۔ میز پوش کشتی پوش اور تکیہ کے غلافوں میں ایسا کریں کہ ایک پٹی ساڑھی کے رنگین بوڈر کی اور دوسری پٹی اتنی ہی چوڑی نئے لٹھے کی برابر برابر ترتیب سے لگائیں تو ایک اچھا ڈزائن بھی ہو جائے گا۔ اور مضبوط بھی اتنا کہ لٹھا پھٹ جائے لیکن بوڈر ٹس سے مس نہ ہو۔ مردانے کوٹ اور اچکنوں کو جو پہننے کے قابل نہ رہی ہوں بچوں کی فراکیں بن سکتی ہیں۔ اونی کوٹ یا اچکن کو اگر پلٹ لیا جائے تو بچوں کے کوٹ تیار ہوں اور بالکل نئے معلوم ہوں قمیص اکثر کہنی کے اوپر سے پھٹتی ہیں اگر یہ پہننے میں نہ لائی جائیں تو ان کے پچھلے اور کچھ اگلے حصہ کے ٹکڑوں کو ملا کر بچوں کے لئے چھوٹی چھوٹی فراکیں تیار ہو سکتی ہیں جن میں اوپر کی باڈی قمیص کے سامنے کے حصہ سے اور نیچے کا حصہ قمیص کے پچھلے حصہ سے کتر کے بنالیں۔ مردانے پیجامے جو گھٹنوں پر سے پھٹ جائیں اُن کا اوپر کا حصہ علیحدہ کر کے بچوں کے پیجامے تکیوں کے غلاف وغیرہ آسانی سے بنائے جا سکتے ہیں۔ پتلونیں جو اوپر کے حصہ پر سے خراب ہو جائیں اُن میں بچوں کی پتلونیں اور نیکر بہت مضبوط اور اچھے نکل سکتے ہیں۔ پلنگ کی چادریں اکثر بیچ میں سے پھٹ جاتی ہیں، ایسی چادروں کے بیچ میں سے کمزور اور پھٹا ہوا کپڑا پھاڑ کر الگ کردیں اور پھر دونوں ٹکڑوں کو جوڑ کر چھوٹی چارپائی کی چادر، میز پوش کے بڑے دسترخوان تکیہ کے غلاف وغیرہ بخوبی بن سکتے ہیں۔ بہرحال اگر ہماری بہنیں پرانے کپڑوں پر تھوڑی بہت محنت کر کے دوسرے چھوٹے کپڑے بنالیا کریں تو اس میں کفایت کی ایک بڑی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔

آمنہ نازلی

مقام دوست

فضائے نیلگوں میں آسماں کی
تبسم پاشیوں میں کہکشاں کی
تموّج میں شفق کی سرخیوں کے
ترانوں میں ہوا کی شوخیوں کے
اُفق کے پار چھپتی روشنی میں
زمیں پر رقص پیرا چاندنی میں
تخیل آفریں رنگِ چمن میں
طلائی شمس کی زریں کرن میں
تڑپتی بجلیوں کے سوزِ غم میں
جھلکتے بادلوں کے سرد دم میں
نوائے ساز کے جوشِ جواں میں
جوانی کی امنگوں کے جہاں میں
کسی بیداد کش کے اشکِ خوں میں
کسی معصوم کے دردِ دروں میں
کسی مایوس کی مجبوریوں میں
کسی ناکام کی مہجوریوں میں
ملائک کے سجودِ مطہر میں
تقدس ریز حوروں کی نظر میں
مقامِ دوست اے خورشید پایا

خورشید آرا بیگم
ناگپور

عمرِ گزشتہ

مری عمرِ گزشتہ، اب میں پا سکتا نہیں تجھ کو!
عدم کی وادیوں سے کھینچ لا سکتا نہیں تجھ کو!
میں ان سایوں کی دنیا سے بُلا سکتا نہیں تجھ کو!
تو کچھ اس طرح روٹھی ہے منائے من نہیں سکتی!
کوئی صورت بھی ہو لیکن بنائے بن نہیں سکتی!
فنا کی راہ بھی طے کر کے لا سکتا نہیں تجھ کو!
مری فکرِ حسیں، افسردہ و بیتاب رہتی ہے
مری چشمِ حزیں، پژمردہ و پُرآب رہتی ہے
مگر افسوس، میں اس پر بھی پا سکتا نہیں تجھ کو!
یہ مانا عمرِ باقی، سو طرح سے جی لبھاتی ہے۔
بہر رنگ، اک نئی جنت سی بن کر مسکراتی ہے
مگر میں کیا کروں، دل سے بھلا سکتا نہیں تجھ کو!
تری رنگیں کہانی، بے طرح ناشاد رکھتی ہے!
مرے دل کو ہجومِ درد سے آباد رکھتی ہے!
میں اپنے غم کا افسانہ سنا سکتا نہیں تجھ کو!
ہر انساں کو ہے مستقبل پہ اپنے اختیار اپنا
زمانِ حال پر بھی ہے بہت کچھ اعتبار اپنا
مگر اے عمرِ رفتہ! کوئی پا سکتا نہیں تجھ کو!
یہ مانا رنج کی لذت اٹھا سکتا ہوں میں اب بھی
مصیبت ہو کہ ہو کلفت اٹھا سکتا ہوں میں اب بھی
مگر خوابِ فنا سے میں اٹھا سکتا نہیں تجھ کو!
تو کچھ اس طرح بچھڑی ہے کہ جا کر آ نہیں سکتی!
تو وہ بچپن ہے جس کو گفتگو پھسلا نہیں سکتی!
کھلونے دے کے بھی اب میں لبھا سکتا نہیں تجھ کو!

اختر شیرانی

عصمت پلی

مالی کی بیٹی

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

موسم بہار ختم ہو رہا تھا، اپریل کی ایک گرم اور اداس شام تھی ڈاکٹر صاحب راجکماری سے کچھ ناخوش تھے۔ اور اسی وجہ سے آج صبح کے نکلے اب تک واپس نہ آئے تھے۔ چار دن سے مسٹر کیلاش بھی نہیں آئے تھے۔ راجکماری نے ان سے ناراض ہو کر وائلن سیکھنا بند کر دیا تھا۔ آج ۴ بجے سروجنی نے ان کو چاہ کے لئے بلایا تھا مگر دل کی افسردگی کے سبب راجکماری نے معذرت لکھ دی تھی۔

اس وقت کہ رات کی تاریکی پھیل رہی ہے۔ چڑیاں بسیرا لینے گھونسلوں میں جا بیٹھی ہیں۔ باغ میں اندھیرا سا ہے۔ پت جھڑ کی وجہ سے روشوں پر خشک پتیاں اور پھول بکھرے ہوے ہیں وہ اپنی سفید ملگجی ساڑھی اور معمولی سی سیاہ چپل پہنے ایک بنچ سے اٹھ کر روش پر ٹہلنے لگی۔ چہرہ غمگین ہے۔ لباس کئی دن سے تبدیل نہیں کیا۔ بال بھی پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ آیا نے اگر کسی کے آنے کی اطلاع دی تو کہہ دیا کہ "کہہ دو راجکماری گھر پر نہیں ہیں"۔ وہ خاموش واپس چلی گئی۔ مگر ۱۰ منٹ بعد پھر آئی اور بولی "حضور وہ تو میں نے دور سے پہچانا نہ تھا۔ سائیکل پر تھے۔ اور درختوں میں سے آواز آئی تھی۔ میں دیکھ نہ سکی۔ واپس جا کر پہچانا ہی تو حضور کے ماسٹر صاحب راجکمار تھے۔ مگر عجیب سی شکل تھی، ہمیشہ سوٹ پہنتے ہیں۔ آج سفید دھوتی اور کرتہ پہنے ہوئے تھے اس لئے میں پہچان نہ سکی۔ کوئی غیر شخص خیال کیا۔ اور آپ نے واپس کر دیا۔ اب مجھ پر وہ بھی اور ڈاکٹر صاحب بھی خفا ہوں گے آپ بات بنا دیجئے کہ سائیکل اور دھوتی کی وجہ سے ایسا ہوا"۔

آیا سے یہ سنکر بادل نخواستہ مسکراتے ہوئے انہوں نے جواب دیا "کوئی بات نہیں ہم کہہ دیں گے" وہ تو چلی گئی۔ مگر راجکماری کی پریشانی اور بڑھ گئی، وہ اسی جگہ ایک پتھر پر بیٹھ گئیں سر پر لیموں کے درخت کا سایہ تھا اور پام کے درخت سے چاند بھی نکلتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ مگر ابھی باغ میں چاندنی نہ پھیلی تھی وہ سوچنے لگیں کہ اب کیا کیا جائے؟ ڈاکٹر صاحب تو اسی بات سے ناخوش ہیں کہ میں نے ان کا آنا اور وائلن سیکھنا کیوں بند کر دیا ہے۔ اب جو ان سے یہ سنیں گے کہ ان سے ملاقات بھی نہ کی تو اور ناگوار ہوگا۔ دراصل میں بھی نہ سمجھی تھی کہ کیلاش ہوں گے وہ چار دن سے بالکل نہیں آئے۔ سائیکل والے کو تو سیم کے خشک تنوں میں سے میں نے دیکھ لیا تھا۔ اس نے بھی مجھ کو ٹہلتے ہوئے بخوبی دیکھا ہے غضب ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب اور برہم ہوں گے کھانا تک میرے ساتھ نہیں کھاتے۔ اللہ میں کیا کروں؟ ڈاکٹر بیچارے کو کیا معلوم کہ ماسٹر صاحب اب کس طرح مجھ سے پیش آنے لگے ہیں۔ مانا کہ وہ راجکمار ہیں مگر اس قدر بے تکلفی و اظہار عقیدت بلکہ محبت ان کو بھی پسند نہ ہوگی میں دل کڑا کر کے آج ڈاکٹر صاحب سے سب کچھ کہہ ہی نہ دوں پھر وہ خود ہی ان کو ناپسند کرنے لگیں گے۔ مگر ۔۔ لیکن اگر ان کا آنا بالکل ہی بند کر دیا گیا تو مجھ کو بھی رنج ضرور ہوگا۔ نیک دل اور شریف انسان ہے۔ ہم رتبہ شخص ہے مجبور ہے کہ اس کو مجھ سے انسیت پیدا ہو گئی ہے۔ مگر یہ ضرور گناہ ہے کہ یہ معلوم ہونے کے بعد کہ میری شادی ہو چکی ہے۔ وہ مجھ سے نامناسب محبت کرے، آخر اس کا نتیجہ؟ میں بھی دل سے کیلاش کو پسند کرتی ہوں۔ دوستانہ محبت بھی رکھتی ہوں۔ مگر جو روش انہوں نے اختیار کی ہے وہ سخت نامناسب ہے، ناجائز ہے۔ اور اس کا نتیجہ یقیناً بہت برا۔ چھوٹے سیٹھ نے بھی تو مالی کی بیٹی کو چاہا تھا۔ آخر کیا ہوا اور کیا کرنا اور سہنا پڑا۔ کاش میرا دل بہلانے کے خیال سے ڈاکٹر صاحب

نے ان کو گھر میں نہ گھسایا ہوتا۔ میں ان سے نہ ملتی۔ چھوٹے سیٹھ
کا میرے دل پر کچھ زیادہ اثر نہ تھا۔ جلدی ہی ان کا گھر چھوڑ کر بھاگ
نکلی تھی۔ مگر اس ۔ ۔ اس ماسٹر نہیں راجکمار کی شرافت و محبت
کا میرے دل پہ اثر ہے۔ چار ہی دن سے وہ نہیں آئے تو میرا
دل ملول ہے۔ دامن کی طرف دیکھ کو بہت صدمہ ہوتا ہے۔ اور میرا
انجام بخیر ہو گھر سے نکل کر کیسی سخت مصیبتوں اور آزمائشوں میں
گرفتار ہو گئی لیکن اگر ایسا نہ کرتی تو کیا کرتی؟ ایک جاہل، بدچلن،
شراب خوار رئیس کے ساتھ کس طرح زندگی بسر ہوتی؟ میرے ماتا
پتا جی کو کس قدر صدمہ پہنچا۔ اتنے بڑے راجہ کی بیٹی برات کی رات
گم ہو گئی۔ کس قدر ذلت ہوئی۔ آہ اسی کا نتیجہ میں بھگت رہی ہوں
مُنت کیلاش کس قدر پریشان حال تھے۔ لباس پورا نا تھا۔ دھوتی
پہن کر باہر نکل پڑے۔ روک دیا گیا تھا۔ چار دن صبر کیا۔ مگر نہ ہو سکا
آخر آ گئے اور کس حالت میں اتنی بڑی ریاست کا مالک اس قدر
پریشان ہو کر اس صورت سے باہر نکلے۔ مجھ کو گھر پر دیکھ بائیسکل
پھاٹک سے ٹکا کر وہ درخت سے لگے کھڑے تھے۔ مجھ کو کوبی
دیکھا ہو گا پہچان گیا ہو گا۔ اب کیا کروں؟ خود ہی بلاؤں۔ اس قدر
توہین کی ہے تو مجھ کو ان کے گھر جا کر معذرت کرنی لازمی ہے۔
اچھا پہلے ان کی حالت کا ذکر ڈاکٹر صاحب سے کروں پھر جاؤں گی"

یہ سوچ کر راجکماری اٹھیں اور کھانے کے کمرے
سے گھنٹی کی آواز آئی۔ وہاں پہنچیں تو ڈاکٹر صاحب صبح کی طرح اس
وقت نہ تھے۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اپنے کمرے میں کھانا منگا
ہے۔ وہ فوراً اپنے کمرے کی طرف گئیں۔ اور اپنا کھانا بھی وہیں منگایا
ڈاکٹر صاحب ٹہل رہے تھے کچھ پریشان سے انہوں نے جاتے
ہو سلام کیا اور خاموشی افسردگی اور ناراضی کا سبب پوچھا کچھ نہیں آپ
راجکماری ہیں اور ہم لوگ غریب، جب چاہا عزت کی نگاہ سے دیکھ لیا۔
جب ہی چاہا جھٹک دیا۔ میں ناخوش نہیں ہوں بلکہ رنجیدہ اور اپنی
ایک بڑی بھاری غلطی پر پشیمان ہوں کہ میں نے کیوں ایک معزز
تعلیم یافتہ راجہ کو آپ کا استاد بنایا۔ نہ ایسا کرتا نہ اس قدر رنج اٹھاتا
افسوس ہے اپنی حماقت پر میں آج [illegible] راجہ صاحب کے ہاں رہا

ان کو بہت صدمہ ہے۔ اپنی توہین کا۔ مانا کہ آپ راجہ کی بیٹی
ہیں۔ مگر وہ خود راجہ ہے۔ کس طرح ان کو آپ نے روکا باجہ نہ
سکھتیں رفتہ رفتہ ملنا بند کر دیتیں۔ مگر ایسی ذلت کے ساتھ نہ
چاہئے تھا۔ ان کو کل سے بخار بھی ہے۔ میں سارے دن ڈیا رہا
شام قریب سلیپنگ سوٹ اتار دھوتی کرتہ پہن کر مجھ
سے کہا کہ "ایک سادھو کے پاس جاتا ہوں جو میری ریاست کے
سادھو ہیں۔ آپ گھر جائیں۔ راجکماری صاحبہ تنہا ہوں گی سائیکل
لے کر کہیں چل دیئے۔ چھ ماہ گزر گئے کبھی ان کو سائیکل پر نہیں دیکھا
آج وہ اپنے بیرے کی سائیکل لے کر سادھو کی طرف گئے ہیں
کہتے تھے کہ بہت دُور دریا کے قریب اُن کا ڈیرہ ہے بخار اس وقت
بھی تھا۔ گھنٹہ بھر انتظار کر کے میں آ گیا۔ اب کھانا کھا کر پھر
جاؤں گا۔ وہ تنہا ہیں۔"

راجکماری نے کہا۔ "لیجئے اگر وہ علیل ہیں تو مزاج پرسی کو میں
بھی آپ ہی کے ہمراہ چلوں گی۔ ڈاکٹر صاحب مجھ کو انتہائی افسوس
ہے کہ میں نے ایسا برتاؤ کیوں کیا۔ میرا ضمیر ملامت کر رہا ہے
ذرا بیٹھئے کھانے پر میں آپ کو ان حالات سے آگاہ کروں گی جن
کی وجہ سے میں نے ایسا کیا۔"

دونوں بیٹھ گئے چھوٹی دو میزوں پر کھانا رکھ دیا گیا۔ اس
اس وقت ہندوستانی کھانا تھا۔ چاندی کے تھال اور کٹوروں
رکابیوں میں پرسا ہوا۔ صرف میٹھی ڈش انگریزی تھی۔ کافی بھی
ساتھ ہی منگوائی گئی۔ یہ دونوں باتیں کر رہے تھے اور جلدی
کھانے سے فراغت پانا چاہتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب خاموش
پوری کا ٹکڑا ہاتھ میں لئے نیچے کو دیکھ رہے تھے۔ راجکماری
ان کی اس وقت کی کیفیت کا اندازہ کر رہی تھیں، وہ انتہائی
فکرمند نظر آ رہے تھے۔ آخر بولیں ڈاکٹر صاحب پوری کے
ساتھ آپ کوئی نمکین سمجھیا نہ لیجئے۔ دیکھئے میں نے اس وقت
گاجر کے حلوے سے پوری کھائی بہت ہی لذیذ معلوم ہوئی۔"
ہاں لیتا ہوں، مجھے خیال ہو رہا ہے کہ کہیں بیچارا کیلاش
آج رات وہیں نہ رہے اسادھو کے ساتھ چند دن بسر کرنے

کا خیال ظاہر کر رہا تھا۔ دنیا سے دل برداشتہ ہو رہا ہے۔
فرمار ہے تھے کہ "بچپن گزرا ریاست میں، نوجوانی یورپ
میں، پھر واپسی پر ریاست پہنچ کر بہت بُرے دن دیکھے۔
دُکھ اُٹھائے۔ آخر دل بہلانے کی غرض سے ادھر آنکلا۔ آپ
سب سے مل کر کچھ دن اچھے گزرے۔ اب پھر چند دن سے
دل ویران ہوا ہے۔ طمانیت قلب مفقود ہے۔ گھر جانے کو
بھی جی نہیں چاہتا۔ اسی سوچ میں ہوں کہ اب کے کسی سچے
سادھو کی خدمت میں کچھ دن گزاروں"۔

اسی قسم کے تذکرے دن بھر رہے۔ میں مخالفت کرتا
رہا۔ مگر اثر نہ ہوا۔ پانچ بجے دیسی لباس میں سادھو کی طرف روانہ
ہو گئے"۔

راجکماری نے کہا "ڈاکٹر صاحب یہ راجہ معلوم ہوتا ہے
گھر سے بھی دُکھی ہے۔ آپ کو پوچھنا تھا کہ کیا گزری ہے"۔

"کچھ نہیں بتاتے۔ بہت اصرار کیا جائے تو چشم پُرآب
ہو جاتے ہیں۔ مگر کچھ نہیں کہتے"۔

راجکماری بولی "ڈاکٹر صاحب میں سخت حیران و
پریشان ہوں۔ بظاہر کیلاش صاحب بہت نیک معلوم ہوتے
ہیں۔ اور جب ان پر آپ ہی جیسی کچھ واردات گزر چکی ہے
تو پھر ان کی یہ کیفیت نہ ہونی چاہئے تھی۔ میں آج آپ سے
سچ سچ عرض کرتی ہوں اس کے بعد آپ کو اختیار ہے کہ مجھ کو
ان سے ملنے کی اجازت دیں یا نہ دیں۔

سنئے" میں شاید پہلے بھی ایک بار اشارتاً عرض کر چکی ہوں
کہ اب ماسٹر صاحب کے خیالات کچھ تبدیل ہو چلے ہیں ملاقات
و گفتگو کا طرز بدلا ہوا ہے مگر آپ نے توجہ نہ کی۔ وہ مجھ سے
بہت بے تکلفی سے ملتے ہیں۔ اپنے کو غم زدہ بتاتے ہیں۔
وائلن کم سکھاتے ہیں۔ غزلیں زیادہ سناتے ہیں۔ یورپ سے
واپس آئے دوسرا ہی سال ہے۔ مگر خدا جانے کیوں [illegible]
ہو کر غالب کا دیوان سارا حفظ کر لیا ہے۔ فارسی بھی خوب
جانتے ہیں۔ دیوانِ حافظ بھی رٹا ہوا ہے۔ اسی قسم کی باتوں
سے اول اول تو مجھ کو شرم آتی رہی لیکن اب دوستی سی
ہو گئی ہے۔ مجھ کو بھی ان کی باتیں اچھی معلوم ہوتی ہیں جیسے
کوئی افسانہ پڑھ رہی ہوں۔ جس وقت وہ جھوم جھوم کر والہانہ انداز
میں غزل گاتے ہیں۔ میں ایک سچی کہانی پڑھتی ہوئی معلوم
ہوتی ہوں۔ مگر اپنے گزرے ہوئے واقعات نہیں سناتے
آخر وہ مرد میں لڑکی۔ یہ حرکات مناسب نہیں۔ سخت
معیوب ہیں۔ اسی وجہ سے باجہ بند کر دیا۔ ویسے وہ نہیں مانتے
تھے۔ تو ذرا سختی سے کام لیا۔ میرے اچھے ڈاکٹر صاحب آپ
ہی بتایئے۔ اگر ایسا ہوتا تو مالی کی بیٹی سیٹھ صاحب کے گھر
سے کیوں چلی جاتی؟ میں گو انسان ہوں۔ طبیعت بھی رومان پسند
واقع ہوئی ہے۔ مگر میری حقیقت کیا ہے شادی ہو چکی ہے
میرا کسی سے بے تکلف ہونا بھی بہت بُرا ہے"۔ یہ تقریر ختم
کر کے راجکماری اٹھی تو اس کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے
تھے۔ (باقی آئندہ)

نذر سجاد حیدر

چاندنی راتیں

گرمیوں میں

چاند ہے بام فلک پہ جلوہ گر — کس قدر دلچسپ، دلکش ہے رات!
ذرہ ذرہ دہر کا خلد بریں — نور میں ڈوبی ہوئی ہے کائنات!

سردیوں میں

ہے آسماں پہ جلوہ نما — رخ روشن ہے مگر پھیکا سا
ہر شے آتی ہے یوں نظر جیسے — کوئی گل شاخ سبز سے ٹوٹا

برسات میں

شب کو آفاق کے سمندر میں — جبکہ بہتی ہے چاند کی کشتی
کیسی خوش خوش دکھائی دیتی ہے — ذرے ذرے کی سادہ سی ہستی

مس نور جہاں عطاء اللہ خاں
(آنا گنج بدایوں)

ہدایات القرآن

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

(۳) اولاد

پیدائش سے دس برس کی عمر تک کا زمانہ تربیت کا ہے جس کے ماں باپ ذمہ دار ہیں۔ اس عرصہ میں جیسی ان کو تعلیم اور تربیت والدین ان کو دیں گے۔ ویسے ہی عمل ان سے آیندہ عمر میں ہوں گے۔ الا ما شاء اللہ ہم نے یہ زمانہ ابوداؤد کی اس حدیث کی بنا پر قائم کیا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلموں کو ہدایت کی ہے کہ "جب اولاد سات برس کی ہو تو ان کو نماز پڑھنے کی تاکید کرو۔ اور جب دس برس کی ہو تو نماز نہ پڑھنے پر ان کو سزا دو" سن شعور ذمہ داری پر ہوا کرتی ہے۔

اگر والدین نے اس عرصہ میں ان کے فرائض منصبی ان کو بتا دیئے اور ان پر روزانہ کی زندگی میں عمل کرا دیا اور اس کی نگرانی بھی رکھی ہے۔ تو ماں باپ اپنے فرض سے سبکدوش ہوئے اور اولاد کو مصائب اور آلام سے بچا لیا۔ لیکن اگر ماں باپ اپنا فرض ادا نہ کریں (جیسا کہ آجکل ہو رہا ہے) تو شعور ہونے پر خود علم حاصل کر کے اس پر عامل ہوں۔ اپنی ذمہ داری کا احساس پیدا کریں۔ اسی واسطے ہم ذیل میں ان کے ذمہ جو والدین کے حقوق ہیں درج کرتے ہیں۔ تاکہ ادھر والدین کو معلوم ہو جائے کہ اپنے بچوں میں کس قسم کی عادتیں اور خصلتیں ہم کو پیدا کرنی ہیں۔ ادھر جوان اولاد کو معلوم ہو جائے کہ والدین کے ساتھ کس قسم کے سلوک اور برتاؤ کے لئے ہم منجانب اللہ تعالیٰ عز و جل مامور ہیں۔ جن پر عمل نہ کرنے سے نہ صرف ہم معتوب ہی ہوں گے۔ بلکہ یہ سرکشی۔ سرتابی اور بدسلوکی کی خصلت دنیا کی زندگی کو بھی برباد کر دے گی:۔

قضیٰ ربک الا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احسانا۔ ۔ ۔

وقل رب ارحمھما کما ربیٰنی صغیرا۔ (بنی اسرائیل ع ۳ پ ۱۵)

تیرے پروردگار نے قطعی حکم دیا ہے۔ کہ سوائے اس کے اور کسی کی غلامی نہ کرو۔ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی ہی کرنا۔ اور جب تمہارے سامنے دونوں یا ایک بڑھاپے کی عمر کو پہنچیں تو ان سے اُف تک نہ کرنا۔ نہ ان کو جھڑکنا۔ اور ان سے ادب سے بات کرنا۔ ان کے سامنے انکساری اور عاجزی سے کندھے جھکائے رکھنا۔ رحمت سے پیش آنا اور یہ دعا کرنا کہ اے ہمارے پروردگار ان پر رحم فرما جس طرح انھوں نے مجھ کو بچپن میں پرورش اور خدمت سے پالا پوسا تھا۔

اس آیت میں نہایت تاکیدی اور فیصلہ کن حکم ہے کہ:۔

(۱) ماں باپ کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرو۔

(۲) اگر ماں باپ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک (خواہ ماں ہو۔ خواہ باپ) بڑھے ہو جائیں تو ان کو اپنے اوپر بار نہ سمجھنا۔ اور

(الف) اُن کے سامنے اُف بھی نہ کرنا یعنی تنگدلی نہ ظاہر کرنا

(ب) جھڑک کر نہ بولنا۔ سخت کلامی نہ ہو

(ج) ادب اور تعظیم سے بات کرنا۔ حد سے باہر نہ نکلنا اور نرمی سے بات کرنا۔

(د) انکساری اور عاجزی برتنا اور ہر وقت رحمت کی نظر سے دیکھنا۔

آخر میں دعا کا حکم دیا۔ اور اس دعا میں ہم کو اس سلوک کی طرف توجہ دلائی جو ہمارے ماں باپ نے ہمارے ساتھ اس وقت کیا۔ جبکہ ہم نہ چل سکتے تھے نہ اُٹھ سکتے تھے۔ نہ بول سکتے تھے نہ کسی اپنی ضرورت کو خود پورا کر سکتے تھے۔ اور نہ کسی تکلیف سے بچنے کا یارا تھا۔ اس وقت ماں باپ نے ہماری ہر بات۔ ہر ضرورت اور ہر چیز کا خیال رکھا۔ اسی طرح ہم کو بھی بغیر ان کے کہے یا مانگے ان کی ہر چیز کا خیال رکھنا چاہئے۔ اور اسی رحمت اور محبت سے پیش آنا چاہئے۔ اور اس سلوک کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہنا چاہئے۔

اس حکم میں ایک نکتہ ہے جس کو بیان کیا جاتا ہے۔ اس

تاکیدی حکم میں اللہ تعالیٰ نے الا تعبدوا الا ایاہ کے ساتھ ماں باپ کے ساتھ مندرجہ بالا سلوک کا حکم دیا ہے جس سے واضح ہے کہ جس قدر اللہ تعالیٰ کی عبادت ضروری، لازمی اور فرض ہے اسی قدر والدین کے ساتھ مندرجہ بالا سلوک کرنے بھی ہیں، اس تاکید کا سبب کیا ہے؟

غور سے ملاحظہ فرمایئے۔ والدین کی زحمت اور سلوک ایسے ہیں۔ جن کو ہم ان سے سرزد ہوتا ہوا دیکھتے ہیں۔ اگر ہم ان سلوکوں کو دیکھ کر ماں باپ کے شکر گزار نہیں ہو سکتے، ان کی تابعداری نہیں کر سکتے۔ ان کے احسانات کو نہیں سراہتے تو یقیناً اللہ تعالیٰ (جس کو ہم اپنے حواس خمسہ سے نہیں جان سکتے۔ دیکھنا تو کجا) کی نعمتوں اور رحمتوں کا ہم شکر ہی کر سکتے ہیں۔ اور نہ اس کو پہچان سکتے۔ پھر اس کی اطاعت ہو تو کیوں کر۔ ایک تو بچپن سے اطاعت کے مادے نے نشوونما نہیں پایا دوسرے اللہ تعالیٰ اور اس کی نعمتوں کی پہچان سے قاصر ہوئے۔ ادبار آیا۔ شیرازۂ قومی منتشر ہوا پستی رونما ہوئی۔ خواہشات اور جذبات کا شکار ہو کر نفس اور مادہ پرست بن گئے۔ آج کل کے حالات پر نظر ڈال کر دیکھ لو۔ اپنے آپ بھول گئے۔ برائی بھلائی کی تمیز جاتی رہی سینکڑوں معالج بن بن کر آ رہے ہیں سینکڑوں مصلح بنے ہوئے ہیں۔ اور مسلمان دن بدن ذلت اور پستی کے غارِ عمیق کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ یہ سب کیوں ہے؟ اس کا جواب سنو:۔

ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانسٰھم انفسھم اولئک ھم الفاسقون (حشر ع ۳ پ ۲۸) اور تم ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا۔ تو اس نے ان کے آپے ان کو بھلا دیے۔ یہی لوگ تو فاسق ہیں۔

جو لوگ اللہ کو بھول جاتے ہیں۔ ان کو اپنی بھلائی برائی کی پہچان نہیں رہتی اور وہ مثل خاشاک دنیا کے سمندر کی لہروں میں بہے پھرتے ہیں جدھر وہ لے جائیں۔

ماں باپ کی شکر گزاری کرنا۔ ان کے ساتھ حسن سلوک معروف ہیں ان کی تابعداری اللہ تعالیٰ کو پہچاننے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کا پہلا مدرسہ اور پہلی سیڑھی ہے۔

ووصینا الانسان بوالدیہ ۔ ۔ ۔ وصاحبھما فی الدنیا معروفاً۔ (لقمان ع ۲۔ پ ۲۱) اور ہم نے انسان کو وصیت کی کہ وہ ہمارا اپنے ماں باپ کا شکر گزار رہے۔ اس کی ماں نے اس کو تکلیف پر تکلیف اٹھا کر پیٹ میں رکھا۔ دو برس تک دودھ پلایا۔ اور ہماری ہی طرف آنا ہے۔ اور اگر (ماں باپ) وہ دونوں تجھ کو مجبور کریں اس بات کے لئے کہ تو میرا کسی کو شریک ٹھیرا۔ جس کا تجھ کو علم نہ ہو تو اس میں ان کی اطاعت نہ کرنا۔ تاہم دنیا (کے کاموں) میں ان کی بھلائی کو مدنظر رکھ کر رفاقت کرنا۔

والدین کی اطاعت کا تاکیدی حکم ہے۔ اگرچہ والدین مشرک اور کافر ہی کیوں نہ ہوں۔ ہاں یہ شرط ہے کہ اگر والدین کوئی ایسا حکم دیں جو اللہ کے حکم کے خلاف ہو تو اس میں اطاعت نہیں ہے۔ ہاں ان کی رفاقت نیز دیکھ بھال اور بھلے کاموں میں ان کی رفاقت اور مدد کرنی چاہئے۔ کیوں کہ یہ جذبۂ شکر گزاری ہے۔

ماں کی کیفیت کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا کہ اس نے نو ماہ پیٹ میں رکھا۔ اور ہر قسم کی احتیاط برتی پھر دو برس دودھ پلایا۔ آرام وچین کھانا پینا قربان کیا۔ ایسے شفیق کی رفاقت اور اطاعت بھی نہ کی تو کس کی ہوگی۔ ماں کی نیت پُرخلوص اور محبت بغیر غرض کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

محمد عبد الغفار الخیری

جینے کا سلیقہ

آپ اس عنوان کو دیکھ کر چونکیں گی۔ اور دل میں کہیں گی کہ آج تک تو خانہ داری کا سلیقہ، کھانا پکانے کا سلیقہ، بچے پالنے کا سلیقہ سنتے آتے تھے۔ اب جینے میں بھی سلیقہ کی ضرورت ہونے لگی تو بڑی مشکل ہے۔ لیکن دراصل جینے کا بھی سلیقہ ہوتا ہے جیسے ہر شخص قیمتی لباس پہننے سے خوش لباس نہیں کہا جا سکتا ہر ایک کھانے پکانے والے کے ہاتھ کا کھانا مزہ دار نہیں ہوتا۔ ہر ایک گھر جس میں قیمتی فرنیچر ہو سجا ہوا نہیں کہلاتا۔ اسی طرح ہر مرد یا ہر عورت کو ہم زندہ رہنے کی وجہ سے جینے کے ہنر کا ماہر نہیں کہہ سکتے۔

جینے کا ہنر کسی کتاب سے یا کسی استاد سے نہیں سیکھا جاتا۔ یہ ہنر خود سیکھا جاتا ہے۔ اور خود اپنی ہی زندگی سے اس کا سبق ملتا رہتا ہے۔ زندگی کے تمام فرائض خوش اسلوبی سے انجام دینا زندگی کا ہنر ہے کسی ایک فرض کے سامنے دوسرے کو بھول جانے والے زندہ رہنے کے ہنر سے ناواقف ہیں۔

بہت سے لوگوں کو یہ احساس نہیں ہوگا کہ دوسروں کے علاوہ خود اپنی ہستی کے بھی ان پر کچھ حقوق ہیں۔ یعنی بہ حیثیت ایک انسان ہونے کے ان کا خود اپنے اوپر بھی حق ہے۔ خاص طور پر ہندوستانی عورتیں تو خود فراموشی اور ایثار کے آگے خود اور خودداری کو بالکل ہی بھول چکی ہیں۔

جس طرح خوش لباسی کا انحصار رنگوں کے تناسب پر ہے۔ جیسے نمک مرچ کا اندازہ کھانے کو خوش ذائقہ بناتا ہے اسی طرح فرائض و حقوق کے توازن سے زندگی میں سکون اور راحت مل سکتی ہے۔

بچوں کی پرورش کی طرف اس قدر زور دینا کہ دنیا مافیہا سے بے خبر ہو جائیں یا شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری کو کو اس حد پر پہنچا دینا کہ خود اعتمادی اور خودداری کا خون ہو جائے میکے والوں کا اس قدر خیال رکھنا کہ شوہر کے حقوق اور جذبات کا پاس نہ رہے یا سسرال والوں کی دلداری میں میکہ والوں کو بھول جانا۔ یہ سب باتیں ثابت کرتی ہیں کہ ہمیں زندگی سلیقہ کے ساتھ گزارنی نہیں آتی۔ اگر ہم صبح سے شام تک سہیلیوں کی جا بے جا فرمائشیں پوری کرتی رہتی ہیں۔ اگر ہماری زندگی سینما اور سیر کے لئے وقف ہے یا اس کے برخلاف سوائے نون تیل لکڑی کے ہماری گفتگو کا کوئی اور موضوع نہیں تو ظاہر ہے کہ ہماری زندگی میں وہ توازن نہیں جو انسان کی زندگی کو درندوں کی زندگی سے مختلف بلکہ ممتاز بناتی ہے، جو انسان کی زندگی کو یعنی صرف جیتے رہنے کے فعل کو ایک نظم کی طرح منظم ایک تصویر کی طرح خوشنما یا ایک راگ کی طرح مترنم بنا سکتی ہے۔

ہر سانس جو ہم لیتے ہیں۔ ایک نعمت ہے۔ ہر لمحہ جو ہم گزارتے ہیں ہیرے جواہرات سے زیادہ بیش قیمت ہے۔ ہم چاہیں تو اپنے وقت کو اس طرح گزار سکتے ہیں کہ ہماری زندگی خود ہمارے اور دیکھنے والوں کے لئے باعث راحت ہو یا ہم چاہیں تو اس طرح گزاریں کہ جو دیکھے اُسے وحشت یا کوفت ہو۔

سکون اور توازن، زندگی کو خوش اسلوبی سے گزارنے کے لئے ان دو چیزوں کی بے حد ضرورت ہے۔ انہی دو چیزوں میں زندگی کا ہنر پوشیدہ ہے۔ اور یہی چیزیں موجودہ دور میں ہم سے دوچار ہوتی جاتی ہیں۔

ہم کچھ ایسے بھاگ دوڑ میں پڑ گئے ہیں کہ سکون ہم سے کوسوں دور ہے۔ ہم میں ایک عجیب ہیجان پایا جاتا ہے! کس لئے یا کس وجہ سے؟ ہم نے کبھی اس پر غور نہیں کیا لیکن ہم پر ہمیشہ ایک انتشار کی سی کیفیت طاری رہتی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم دن اور رات میں چند منٹ غور اور فکر کے لئے بھی رکھیں اور روزانہ نہیں تو کبھی کبھی تو اپنی زندگی کا جائزہ لیں

اور اپنے افعال اور حرکات ایک گہری نظر سے مطالعہ کریں۔ اپنے رویہ کو خود غور کریں اور پھر یہ فیصلہ کریں کہ آپ کا طرزِ زندگی صحیح ہے یا غلط۔ جس روش پر آپ چل رہی ہیں۔ اس سے آپ کو دلی سکون میسّر ہے یا نہیں اور اگر نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ آپ صحیح راستہ پر نہیں ہیں

میں بہت سی عورتوں کو جانتی ہوں جنہیں خانہ داری کا بڑا سلیقہ ہے۔ جو دستکاری میں ماہر ہیں جن کی لیاقت کا شہرہ ہے یا جو سیاست کی دنیا میں کافی مشہور ہیں۔ میں نے بہت سے مرد دیکھے۔ جو اپنے پیشے میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ جو کامیاب بیرسٹر، حاذق ڈاکٹر شہرہ آفاق سیاست داں یا نامور مصنف ہیں۔ لیکن ان میں سے بہت کم مرد یا عورتیں ایسی نظر آئیں جو کہ زندگی کے ہنر میں بھی کمال رکھتی تھیں۔ جن کو کہ جینا آتا تھا کیونکہ یہ ہنر کسی ایک چیز میں کمال حاصل کرنے سے نہیں آتا۔ بلکہ زندگی کے مختلف پہلوؤں اور مختلف فرائض کے باہم توازن پیدا کرنے سے میسّر آتا ہے۔

زندہ رہنے کا ہنر جاننے والے بہت کم نظر آتے ہیں۔ اس وجہ سے نہیں کہ جینے کا سلیقہ سیکھنا بہت مشکل ہے۔ بلکہ اس لئے کہ ہم اس کے سیکھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ ہمیں اس کا احساس ہی نہیں کہ جینے کا بھی کوئی ہنر ہوتا ہے۔ اس لئے اگرچہ انگریزی میں The art of Living ایک ایسا جملہ ہے جو کہ اکثر سننے میں آتا رہتا ہے۔ اردو میں اس لفظ سے کان تک ناآشنا ہیں۔ کیونکہ اس نظریہ سے ہم ہنوز ناواقف ہیں۔ حالانکہ مصوری، موسیقی، اور شاعری کے آرٹ سے زیادہ مشکل اور زیادہ بہتر آرٹ، زندہ رہنے کا آرٹ یا جینے کا ہنر ہے۔

شائستہ اختر سہروردی

مذاہب کی عصبیت میں خواتین کا ہاتھ

غلط مراسم کی شیفتہ یہ، بزعمِ خود آشنائے مذہب
یہی ہیں وجہ تعصبِ دیں گواہ اس پہ ہنرائے مذہب

ہر اک تمدن ہے ان خاتونوں کے عقائد کا حسنِ طلق
زمانہ کہتا ہے جس کو تہذیب کچھ نہیں وہ سوائے مذہب

کسی کو گوتم سے والہیت تو کوئی نانک کی ہے فدائی
کسی کو موسیٰؑ سے ہے عقیدت کسی کا عیسیٰ خدائے مذہب

کرشن کی ہے کوئی پجارن کوئی رسولِ عرب کی شیدا
یہ مبتلا ہوں گی شخصیت کی، مگر نہیں مبتلائے مذہب

جو کفر و ایماں کے خارزاروں میں ہوں بھٹکتے وہ خاک سمجھیں
کہ ہے رواداری و مروت ہی اصل میں مدعائے مذہب

نہ جانے توہینِ آدمیت پھر اور کس شے کا نام ہوگا
چھوٹے نہ انساں ہی سے انساں اگر ہے یہ تقاضائے مذہب

مدرسِ اولیں دیں ہو جہاں میں اے زیب ماں کی ہستی
ازل سے قائم ہے دہر میں یہ مقولہ اہلِ رائے مذہب

زیب عثمانیہ لودیانوی

بہار

گلشن میں پھر از سرِ نو تازگی لہرا گئی
ہیں عیاں چہروں سے کھلے پائے، بیتابیاں

شاں نے پھر خوشی کے ہر طرف بجنے لگے
پھرتی ہیں شاخِ ثمر در پہ چہکتی طوطیاں

سرسراہٹ سے ہوا کی لہلہاتا ہے چمن
جھک کے منہ پھولوں کا ہر دم چومتی ہیں ڈالیاں

ننھی کلیاں ناز سے ہیں مسکراتی ہر طرف
شاخساروں پہ چہکتی پھر رہی ہیں قمریاں

گیسوئے سنبل ہوا سے جب پریشاں ہو گیا
بڑھ گئیں نرگس کی، منظر دیکھ کر حیرانیاں

بلبلوں نے نغمۂ الفت سنایا پھول کو
پتیوں نے ذوق میں آکر بجائیں تالیاں

گوہرِ نایاب شبنم نے لٹائے صبح دم
بھر لئے دامن گلوں نے بڑھ گئیں سرمستیاں

شادماں کیوں کر نہ ہو دانش چمن کو دیکھ کر
کیسی کیسی قدرتِ حق نے ہیں کی گلکاریاں

ظفر محمودہ بیگم دانش

ذہنی امراض

نفسیات کے جدید ماہرین نے ذہنِ انسانی کا عمیق مطالعہ کرنے کے بعد چند ایسی حقیقتوں کا انکشاف کیا ہے۔ جو پیشتر ازیں تحت الشعور اور لاشعور کے پاتالوں میں دبی پڑی تھیں۔ نفسیاتی تجزیہ سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جسمانی بیماریوں کے علاوہ چند ایسے امراض جنہیں روحانی کہنا غالباً رنگ آمیزی کرنا ہے لیکن نفسی یا ذہنی کہنا شاید کسی حد تک موزوں ہے۔ دنیا میں موجود ہیں جو بادی النظر میں تو معمولی اور بے حقیقت سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن جن کے نتائج جسمانی امراض سے خطرناک تر اور مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ ماہرینِ نفسیات کی تحقیق ہے کہ موجودہ انسانی سوسائٹی کی کثیر تعداد ذہنی امراض میں گرفتار ہے۔

ان بیماریوں کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔ ایک تو وہ جو ناممکل دماغی نشو و نما کی بنا پر واقع ہیں۔ اور دوسری وہ جن کی وجہ تکمیلِ نشو و نما کے باوجود ذہنی انتشار ہے۔ پہلی قسم کے زمرہ میں وہ اشخاص جنہیں جنونی، خبطی، یا سودائی کہا جاتا ہے شامل ہیں۔ انہیں تین مختلف قسموں میں منقسم کیا گیا ہے۔

(الف)۔ [illegible] یہ وہ انسانی طبقہ ہے۔ جن کا ذہن ہنوز اپنے عہدِ طفولیت کے ابتدائی مدارج طے کر رہا ہے جسم کی نشو و نما کے ساتھ لازم نہیں کہ ان کا ذہن بھی مستقل ہوتا چلا جائے۔ یہ لوگ ہمدردانہ مگر نگرانی کے مستحق ہیں۔ ورنہ اُن کے پانی میں گر جانے، نادانستہ شعلوں میں ہاتھ ڈال دینے اور کسی نہ کسی طریق سے اپنے آپ کو نقصان پہنچا لینے کا احتمال ہے۔

(ب) [illegible] عام طور پر اس نوع میں بچے شامل ہوتے ہیں۔ ان کی حرکتیں غیر معمولی ہوتی ہیں۔ لیکن یہ کسی حد تک اپنی نگرانی آپ کر سکتے ہیں۔ گو ان کی تربیت میں بہت زیادہ حفاظت کی گنجائش نہیں ہوتی۔ تاہم وہ کوئی کام باقاعدہ طور پر نہیں کر سکتے۔ اور نہ اُن کے فیصلوں میں کوئی عقلمندانہ عنصر شامل ہوتا ہے۔

(۳)۔ Morons یہ لوگ عام دماغی نشو و نما کی سطح سے کسی حد تک پست ہوتے ہیں۔ اور مختلف کام محض بد سلیقگی سے سرانجام دے سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں غیر معمولی طور پر احمق ہوتے ہیں۔ اور اپنی احمقانہ غلطیوں سے آئے دن تکلیفوں کو دعوت دیتے رہتے ہیں۔

(ب) وہ ذہنی امراض جو نفسیاتی انتشار (Mental disorders) کی بنا پر وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ دو طرح کے ہوتے ہیں۔

نیوروسنز یا Minor Mental disorders

اور اسکوسنز یا Major Mental disorders

اب تک نیوروسنز کی تین قسمیں معلوم ہوئی ہیں۔

(۱) نیورستھینیا (۲) سائیکس تھینیا (۳) ہسٹریا۔

(۱) نیورستھینیا (Neurasthenia) اپنی مختلف اوضاع میں انسانوں کی کثیر تعداد میں پائی جاتی ہے ایسے مریض کے دل کی دھڑکن بہت تیز اور خلافِ دستور ہوتی ہے۔ اکثر سر کے درد کا عارضہ یا معدے کی تکالیف رہتی ہیں۔ دورانِ خون اپنا فعل عمدگی سے ادا نہیں کرتا۔ ہاتھ یکایک سرد اور پسینے سے تر ہو جاتے ہیں۔ اور چہرہ تمتما اٹھتا ہے۔ اکثر اوقات بیہوشی کے دورے پڑتے ہیں اور مریض بہت جلد تھکن محسوس کرنے لگتا ہے۔

اسی دوران میں اس کے ذہن میں اضطرابی احساسات جاگ اٹھتے ہیں۔ ایک نامعلوم، گمنام سا خوف اس پر حاوی ہو جاتا ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے جیسے کوئی خوفناک

حادثہ وقوع پذیر ہونے والا ہے۔ حالانکہ وہ قطعاً بے خبر ہے کہ یہ سانحہ کس نوع کا ہوگا۔ الغرض ایسا شخص نہایت پریشان خیال اور افسردہ دل ہوتا ہے۔ مزید برآں ایسے مریض کے ذہن پر احساس کمتری (Inferiority complex) غالب ہوتا ہے۔ جسے وہ برتری کے ایک خیالی نصب العین کے حریری پردوں میں ڈھانپنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ اس غلط فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ وہ ہر جدوجہد اور مقابلے کی ہر دوڑ میں دوسروں سے افضل اور ممتاز رہے گا۔ لیکن جب عملی طور پر اسے دوسروں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے تو وہ کشمکش و پیچ میں پڑ جاتا ہے۔ شکست کا محض موہوم خوف ہی اسے میدان عمل میں آنے سے روک دیتا ہے۔ اپنی ذہنی کمزوری کے اخفاء کے لئے اس کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ ناکامی کا خوف اسے عملی مقابلے سے نہیں روکتا۔ بلکہ محض دل کی تیز دھڑکنوں اور معدے کی تکلیفوں نے اسے امتیازی خصوصیات حاصل کرنے سے معذور رکھا۔

گو اس بیچارے کو عمدہ صحت ایسی نعمت عظمیٰ نصیب نہیں ہوتی۔ تاہم اپنی تکلیفوں اور نیز اپنی علالتوں کو بہت حاشیہ چڑھا کر نہایت مبالغہ آمیزی سے بیان کرتا ہے۔ اور ہر عمل موقع پر اپنی شمولیت کے فقدان کے جواب میں کامل عذر تراش لیتا ہے۔

(۲) سائیکس تھینیا (Psychasthenia)

اعصابی عارضوں کو سائیکس تھینیا کا نام دیا گیا ہے۔ اس کی نمایاں خصوصیتیں: Phobias، obsession، Compulsion، Scruples، اور doubts ہیں۔ Obsession سے مراد ایک ایسا بے بنیاد خیال ہے۔ جو کسی شخص کے ذہن میں بار بار پیدا ہوتا ہو اور جسے وہ بے سود اور بے حقیقت سمجھتا بھی ہو۔ لیکن اس کے باوجود وہ اسے اپنی ذہنی گہرائیوں سے دور کرنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو۔ obsession کا مریض، مثال کے طور پر اپنے ذہن میں اس خیال کی تکرار محسوس کرتا ہے کہ "میں عنقریب اپنا خاتمہ کرنے والا ہوں" اور ہر چند اس کے دل میں خودکشی کا کوئی ارادہ نہیں، تاہم وہ اس وہم سے نجات پانے کی راہ نہیں دیکھتا۔

Phobia کا مفہوم کسی غیر مادی اور موہوم کا ناقابلِ ضبط اور سہل سا احساس خوف ہے۔ جو لمحہ بہ لمحہ اپنے مریض کے ذہن میں عمیق تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اکثر دیکھا ہے کہ بہت سے لوگ محبوس مقاموں یا وسیع ویرانوں یا تاریک و خاموش جگہوں بعض جانوروں یا پانی یا تیز روشنی سے ڈرتے ہیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ ہر شخص کی ذہنی چار دیواری میں ایک یا اس سے زیادہ Phobias کم و بیش مقدار میں نشو ونما پاتے رہتے ہیں لیکن سائیکس تھینیا کے مریض میں یہ Phobias یہ کچھ ایسے مضبوط اور گراں نشین ہو جاتے ہیں کہ رفتہ رفتہ اس کی تمام نفسیاتی زندگی پر ان کا تسلط قائم ہو جاتا ہے۔

Compulsion سے ایک ایسی موثر اندرونی تحریک مراد ہے۔ جو کسی ایسے فعل کے لئے مجبور کرتی ہو جسے فاعل بذات خود غلط اور احمقانہ قرار دے۔ لیکن لطف یہ کہ اس ستم کے باوجود کسی اندرونی ترغیب کے پُر زور اصرار پر اس فعل کو عمل میں لانے کے سوا کوئی اور چارہ نہ دیکھے۔ چوری کرنے کی ناقابلِ ضبط خواہش جسے Kleptomania کہا جاتا ہے۔ اس حقیقت کا لائحہ ثبوت ہے۔

doubts اور Scruples جنہیں لغوی معانی شکوک اور تذبذب کا نام دیا جا سکتا ہے کم و بیش ہر انسان میں موجود ہیں۔ ان کی تعداد کا حد اعتدال تک ہونا تو خیر ایسا اہم نہیں لیکن Psychasthenia کا بیمار متعینہ تعداد سے زیادہ متذبذب اور لا انتہا بے معنی شکوک کا حامل ہوتا ہے۔

آپ اس سے ایک سادہ کام کی فرمائش کیجئے اور وہ اسے عمل میں لانے سے پیشتر بیرون کشمکش و پیچ میں گرفتار رہے گا مثال کے طور پر اگر اسے بند کھڑکی کھول دینے کے لئے کہا جاتا ہے

(باقی صفحہ ۱۵۴ کالم ۲ پر)

سکون کی تلاش

میرے والد قبلہ ڈاکٹر نصیر الدین احمد صاحب کا عرصہ سے "عصمت" میں کوئی مضمون شائع نہیں ہوا ہے جس کی وجہ عدیم الفرصتی اور ان کا اپنے پیشہ کے متعلق مضامین لکھنے میں انہماک ہے۔ مجھے اتفاقاً ان کا ایک ایسا خط ملا ہے، جو انہوں نے ایک سال پہلے اپنے کسی دوست کو لکھا تھا۔ اور کسی وجہ سے روانہ نہ کر سکے۔ مجھے ایک مدت سے تلاش تھی کہ والد صاحب کے پرائیویٹ خط و کتابت کی طرز کا نمونہ عصمت کے لئے حاصل کر سکوں۔ یہ موقع غنیمت سمجھ کر میں نے ان سے اجازت لی اور یہ خط اشاعت کے لئے روانہ کر رہی ہوں۔ امید کہ حلقۂ عصمت میں دلچسپی سے دیکھا جائے گا۔

اس خط میں جو "سبز کپڑے" کا ذکر ہے، وہ جن دوست کو والد صاحب نے خط لکھا ہے۔ ان کے گھر کا ایک اصل واقعہ ہے۔ خط کے متن میں بعض ایسی تلمیحات ہیں۔ جن کو صوبۂ متحدہ کے خانگی معاشرت سے ناواقف شائد نہ سمجھ سکیں۔ "ناک پر چونا" "صبر کے پنکھے" اور "چار رنگ کے کمروں کا باغ" ایسی عام گھریلو کہانیوں کی سرخیاں ہیں جن میں عورت کی ہوشیاری چالاکی کے مظاہرے اور مرد کو زک دینے کی مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

صدیقہ بانو - کانپور

سکون کی تلاش صدیوں سے ہوتی آئی ہے۔ خدا کی بندگی میں اس کو ڈھونڈا گیا، بتوں کی پوجا میں اس کو تلاش کیا گیا۔ کالیسا آتش کدے، مندر و مسجد کے کونے کونے میں اس کو ڈھونڈا گیا، بدھا نے اس کی جستجو میں جان لڑا دی لیکن سکون فرداً فرداً بھی کسی کو نہ مل سکا صبر و برداشت کی تلقین بلاشبہ کامیاب ہوئی لیکن صبر کی تعلیم پر عمل بہت مشکل ثابت ہوتا رہا ہے۔ بچہ کو ماں کی گود میں سکون مل جاتا ہے۔ اور مرد کو عورت کی ہمراہی میں یہ ایک ہستی دنیا میں رگ جاں سے بھی قریب ایسی ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے "سکون" کو کہیں اور تلاش کرتے پھرنے کے معنی سمجھ میں نہیں آتے۔ لیکن اس سکون کی دیوی کے ہوتے ہوئے بھی اوتاروں، پیغمبروں، رشیوں خدا پرست دنیا والوں نے کیوں سکون کی تلاش میں زندگیاں گزار دیں۔ ہدا تو یہ ہے کہ ہمیشہ عورت سے بے نیاز ہو کر سکون کی تلاش کی گئی ہے۔ لیکن ہمیشہ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ خود عورت ہی ایسی جستجو کا ماحصل بن کر معاون و مددگار کی حیثیت سے پیش ہو گئی ہے۔ بدھا کو سکون کی تلاش میں جب برت رکھتے رکھتے غشی طاری ہو گئی اور عنقریب دم نکل جاتا تو ایک عورت ہی نے دودھ اور چاول منہ میں ڈال کر جان بچائی اور اس کے بعد ہی اس کو مدعی ہو گئی اور وہ سکون حاصل کر لینے کا دعویٰ کرنے لگا۔ جو اپنی عورت کو سکون کی خاطر گھر پر سوتا چھوڑ کر جنگلوں میں نکل آیا تھا صرف عورت ہی کی امداد سے سکون کا نسخہ دریافت کرنے میں کامیاب ہوا۔ رسول پر جب وحی نازل ہوئی اور آپ کانپ گئے گھبرا گئے تو حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دی اور خدا کے پیغمبر اور رسولؐ کو عورت نے سکون بخشا۔ یہ سب ہوتے ہوئے سکون کی تلاش میں کیوں سب مارے مارے پھرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ "سکون کی ملکہ" یہ "سکون کی دیوی" دنیا میں سب سے بڑی "سکون شکن" اور "دشمنِ سکون" بھی ہے۔ اس کا التفات سکون پرور بھی ہے۔ اور سکون شکن بھی۔ یہ جب "جذبۂ مادری" سے کام لیتی ہے۔ تو سکون پروری میں خدا سے بھی بڑھ جاتی ہے اور جب "بتِ طناز" بن جاتی ہے۔ تو "سکون آزمائی" نہیں طاق نظر آتی ہے۔ اور جب بے التفاتی و بے تمنائی سے کام لیتی ہے تو "سکون شکنی" میں دشمنِ جان و ایمان یعنی شیطان الرجیم کی نانی کو بھی پانی پلا دیتی ہے۔ یہ "ناک پر چونا لگا دینے والی" یہ "صبر کے پنکھے" جھلنے والی۔ یہ "چار رنگ کے کمروں کا باغ"

مرتب کرنے والی سکون دہی میں خدا کا مقابلہ کرتی اور سکون شکنی میں لاجواب ہے۔ یہ دو رُخی ہستی مرد کے لئے ہمیشہ ایک لاینحل مسئلہ رہی ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ مرد ہمیشہ سکون کی تلاش میں رہا ہے؛ ایسا سکون کہ جو بلا عورت کے نصیب ہوسکے لیکن ہمیشہ ناکامیاب رہا ہے، عورت کو اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، یہ ہی وجہ ہے کہ سکون کی تلاش کرنے والے ہمیشہ مرد رہے ہیں۔ رشی، منی، پیر، پیغمبر، پارسی، زرتشتی ولی، و دانا و فلسفی سب ہی مرد ہی ہوئے ہیں۔ عورت نہ کبھی پیغمبر ہوئی۔ اور نہ رشی و منی۔ اس کو پیغمبر اور رشی بننے کی ضرورت محسوس ہی نہیں ہوئی۔ اور ضرورت نہ ہونے پر انسان کچھ نہیں بن سکتا۔

ازدواجی زندگی میں عورت باعثِ سکون بھی ہوسکتی ہے اور وجۂ پریشانی بھی۔ ازدواجی زندگی میں عورت "ماں" بھی بن سکتی ہے، اور بتِ طناز بھی۔ اس لئے جب میں کسی عورت کو اپنے خاوند سے محبت و شفقت کرتے دیکھتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ وہ عورت "ماں" بن گئی ہے۔ ور خاوند کو اس نے اپنا بچہ تصور کر لیا ہے۔ اور جب اس کو بگڑتے ہوئے یا بحث کرتے یا بے اعتنائی کرتے دیکھتا ہوں تو مجھے معلوم ہونے لگتا ہے کہ وہ "بتِ طناز" بن گئی ہے اور اس نے اپنے خاوند کو عاشق بے لگام سمجھ لیا ہے۔ اور یا رقیب روسیاہ اور یا پھر اس کی خیالی و روحانی عشق و حسن و محبت کی گفتگو میں "وجۂ دخل در معقولات" یہ اس دنیا کی باتیں ہیں۔ جہاں ذہن و عقل سے کام لیا جاتا ہے، جہالت کی کرشمہ سازیوں کا ذکر نہیں کر رہا ہوں۔ انسان کیسا ہی تعلیم یافتہ، تجربہ کار یا صاحبِ فہم ذکا رہو" جہالت کے وہ کام کرسکتا ہے اور کرتا رہتا ہے۔ مرد جب جہالت کی زد میں آتا ہے۔ تو عورت کو ہر حالت میں اپنا ہمنوا بنا لینے کی دھن میں وہ وہ حماقتیں کر جاتا ہے کہ جن کا ذکر تک قابلِ تحریر نہیں۔ اور وہ ایسی ہی حالت میں عورت کو "سکون آزما" سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اور بیزار ہو جاتا ہے۔ خواہ عارضی طور پر ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح جب عورت پر جہالت کا دورہ ہوتا ہے۔ تو وہ ایک زبردست "سکون شکن" بن جاتی ہے۔ اور ایسی ایسی حرکتیں اور باتیں کر جاتی ہے کہ مرد کا یا تو خودکشی کر لینے کو جی چاہتا ہے۔ اور یا عورت کو مار ڈالنے کو حق بجانب سمجھنے لگتا ہے۔ مرد کسی عورت سے مانوس ہو کر اس کی تعریف کرتا اور اس کا ذکر کئے جاتا ہے۔ اور عورت سے ہمنوائی چاہتا ہے۔ اور اگر وہ بے اعتنائی برتے یا تعریف نہ کرے تو مرد غصہ ہو جاتا ہے۔ عورت کسی مرد کی کسی خوشی سے یونہی متاثر ہو کر اس کی تعریف دبے الفاظ میں کرتی ہے تو مرد شک و شبہ کرتا اور اس دفعہ بھی غصہ ہو جاتا ہے۔ حاشا و کلا مرد زیادہ جاہل ہے۔ لیکن اب عورت کو دیکھئے، مرد پریشان اپنے جذبات کو دبائے ہوئے گھر پہنچتا ہے اور اپنے جھگڑوں کو عورت سے کہہ کر اس کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تو وہ کہتی ہے کہ ہاں مجھے آپ کون سمجھتے ہیں جو راز دار بنائیں اور ناراض ہو جاتی ہے۔ اور اگر مرد آتے ہی سب کچھ کہہ دیتا ہے۔ "اونہہ آپ تو ذرا ذرا سی باتوں پر پریشان ہو جاتے ہیں۔ جانے دیجئے، آیئے بازار چلیں، مجھے سبز کپڑا لانا ہے اور جب مرد حیران ہو کر کہتا ہے کہ یہ معمولی بات نہیں ہے۔ تو وہ غصہ ہو کر کہتی ہے کہ پھر مجھ سے تمہارے جھگڑوں سے کیا پڑی ہے تمہیں تو صرف میرے سبز کپڑے کو نہیں دلانے اور میرے ہمراہ باہر نہیں جانے کا میں کوئی نہ کوئی بہانہ چاہئے اور یہ کہہ کر غصہ ہو جاتی ہے۔ "خدا کی قسم"!! عورت بڑی "سکون شکن" اور "جہالت پسند" ہے!! مرد اگر جاہل ہے تو عورت جاہل کی بھی ماں! عورت اگر ماں کی حیثیت سے "سکون پرور" ہے۔ تو بیوی کی حیثیت میں "سکون شکن" اور "ناقابلِ علاج کہنہ مرض" —— خدا نے عورت کو مرد کی ماں بنا کر مرد کی توہین کی۔ اور مرد کو عورت کا خداوند بنا کر عورت کی ذلت و بیعزتی کیا ایسی دنیا نہیں پیدا ہوسکتی کہ مرد درختوں کی طرح اُگنے لگیں اور عورت خاوند سے بے نیاز ہو جائے تاکہ سکون حاصل کرنے

شکایت

جدھر جاؤ شکایت، جہاں بیٹھو شکایت، بولو تو شکایت نہ بولو تو شکایت۔ کہتے ہیں کہ جب آدم کا پتلا بنا تو فرشتوں کو اسے سجدہ کرنے کا حکم ملا۔ ملائکہ نے بارگاہ ایزدی میں شکایت کی کہ اے معبود ہماری خلقت نور سے ہوئی۔ اور آدم کی خاک سے، ہم اس سے ہر طرح افضل و بہتر ہیں۔ پھر ہمیں اس مشت خاک کے آگے جھکانے کا کیوں حکم دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ تو آپ سب کو معلوم ہے۔ لیکن آدم کی خلقت شکایت کا سبب ضرور بن گئی۔ یا یوں کہئے کہ انہیں شکایت کی گھٹی پلائی گئی اور اس گھٹی کا وہی اثر ہوا جو ماں کے دودھ کا ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ نسلاً بعد نسل یہ وراثت ہم تک پہنچی اور اب حال یہ ہے کہ جتنا اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ اور بھی بھیانک شکلیں اختیار کرکے ہمارے منہ پر آتی ہے۔ کبھی تو اس کے ذریعہ "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" والی مثل صادق آتی ہے اور کبھی "جھوٹے کے آگے سچا رو مرے"، والی بات سامنے آتی ہے۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ ؎

ذبح بھی کرتے ہیں اور اس پہ یہ فرماتے ہیں
دم جو مارا ست تہ خنجر مرا مردہ دیکھے

یعنی شکایتوں کی پوٹ کھولتے جاتے ہیں اور یقین یہ دلانا چاہتے ہیں کہ شکایت کرنا ہمارا کام نہیں۔

بمبئی کے فاصلے اور یہاں والوں کی مصروفیتیں تو ضرب المثل ہیں۔ ایک دفعہ وطن جانے سے قبل ایک سہیلی سے ملنے نہ جا سکی۔ وہاں سے واپسی پر دوسرے ہی دن ان سے ملاقات کرنے گئی۔ کمرے میں قدم رکھتے ہی نہ سلام نہ علیک ارشاد ہوتا ہے۔ "اب بھی تشریف لائیں تو بڑی عنایت۔ ہاں بہن ہم بھلا اس لائق کہاں کہ آپ ہمارے گھر کو اپنی تشریف آوری کی عزت بخشیں۔ وطن جاتے وقت ٹیلیفون پر خدا حافظ کہہ کے چل دیں۔ مجھے آپ کے جانے کی اطلاع تو تھی لیکن آپ کو تو علم ہے کہ میں گھر میں بے حد مصروف رہتی ہوں اور پھر آجکل پٹرول بہت کم ملتا ہے۔ اس لئے میرا بہت کم گھر سے باہر نکلنا ہوتا ہے مجھے تو کسی سے شکایت کرنے کی عادت نہیں۔ لیکن آپ میری بہن ہیں۔ اس لئے مجھے آپ کی بے توجہی سے بڑا صدمہ ہوا اور پھر بہن شکایت تو اپنوں ہی سے کی جاتی ہے کوئی راہ گیروں سے تھوڑے ہی شکوے کرتا ہے"۔ بس میرے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی۔ رسم دنیا تو یہ ہے کہ کوئی جاتا ہے تو اس کے دوست احباب اس سے ملنے آتے ہیں۔ مگر یہاں الٹی ہی ریت معلوم ہوئی۔ جی میں تو آیا کہہ دوں "ٹھیک کہتی ہو بہن تم ٹھیریں کار والی، بھلا ٹرین اور بس پر کیوں کر آ جا سکتی ہو۔ ایسا کرنے سے تمہارے پاؤں کی مہندی نہ چھٹ جائے گی۔ البتہ ہم "بے کار" لوگوں کا یہ فرض ہے کہ جوتیاں چٹخاتے تمہارے دولت خانے پر جبیں سائی کرجایا کریں"۔ مگر میں تو اس کی قائل ہوں کہ ایک چپ، سو ہزار بلائیں ٹل جاتی ہیں۔ "آؤ بہن لڑیں" والا ڈرامہ کون اسٹیج کرے۔

اور سنئے، ایک بار پارٹی سے لوٹ کر دیکھتی کیا ہوں کہ چچی جان صاحبہ میرے انتظار میں آگ کھا رہی ہیں اور انگارے تھوک رہی ہیں۔ میں نے موقعہ کی نزاکت سمجھتے ہوئے نہایت مودبانہ آداب عرض کیا اور گلے لگنے کو بڑھی۔ چچی جان نے گلے لگانے کو ہاتھ تو بڑھا دیئے لیکن ساتھ ہی ساتھ زبان بھی کھول دی۔ "اے بیٹی، تم سے مجھے ایسی بے مروتی کی امید نہ تھی خدا بخشے بھابی کو، کیا خوبیوں کی بی بی تھیں کبھی شکایت کا موقع نہ دیا۔ یہ انہیں کے اخلاق کا اب تک مجھ پر اثر ہے جو مجھے تمہارے پاس کھینچ لاتا ہے"۔ میں نے بات کا رخ بدلنے کی خاطر پوچھا "چچی جان! مزاج تو اچھا ہے، کہئے ثریا آجکل کہاں

ہیں؟" اے لیجئے بات بجائے بننے کے اور بگڑ گئی۔ چچی جان کا پارہ کہاں تو سو درجہ پر تھا۔ اور کہاں اب سوا سو درجہ پہ پہنچ گیا۔ کہنے لگیں صاحبزادی بمبئی کی ہوا کھا کے سارے اخلاق اور آداب بھاڑ میں جھونک دیئے۔ نکاح کے بعد ثریا جس وقت رخصت ہوئی تو تمہیں یاد کر کر کے اتنا روئی کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔" میں نے پھر متانت سے عرض کیا کہ" ثریا کی شادی کی خبر میں اس وقت پہلی بار آپ کے منہ سے سُن رہی ہوں۔ بس پھر کیا تھا، اللہ دے اور بندہ لے۔ کلمہ کی انگلی ٹیڑھی ہو کر ناک پر پہنچی اور پھر وہی تھا شروع ہوئی۔" اوئی بیٹی اور ننھی بن جاؤ۔ انجان ہو ہو کر پوچھو۔ انہی سب باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے تو میں نے شادی سے ایک مہینہ پہلے رقعے بٹوا دیئے تھے۔ اور پھر تمہارے بمبئی جانے سے قبل تمہارے ہی سامنے اس کی شادی کی بات چیت ہو رہی تھی۔" میں نے کہا "چچی جان، گستاخی معاف، نہ تو اس وقت تک تاریخ معین ہوئی تھی۔ اور نہ مجھے اس کی کوئی اطلاع ملی، مجھے علم غیب میں دست گاہ تو ہے نہیں کہ بمبئی میں بیٹھے بیٹھے میں یہ معلوم کر لیتی کہ چچی جان کے ہاں فلاں دن تقریب ہے۔ شکایت تو آپ کی اس وقت حق بجانب ہوتی کہ مجھے آپ بلاتیں اور میں نہ شریک ہوتی۔ کہنے لگیں" جانے بھی دو اب تو جو ہونا تھا ہو گیا۔" اور یہ سب کچھ ہوا محض اس خطا پر کہ میں چچی صاحبہ کی بغیر اطلاع تشریف آوری کے وقت گھر پر موجود نہ تھی۔ انہوں نے موقعہ غنیمت سمجھا اور اس اندیشہ سے کہ کہیں میں شکایت نہ شروع کر دوں۔ خود ہی شکایتوں کا دفتر کھول دیا اور مجھے اس طرح لتاڑا کہ میرا منہ نہ کھل سکا۔ البتہ دل ہی دل میں کھول کھول کر رہی۔

کوئی تقریب ہو تو غیروں سے زیادہ اپنے عزیزوں سے ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں ان کی خاطر تواضع میں تساہل نہ ہو جائے ورنہ جان کو آ جائیں گے۔ صاحب خانہ کا ہاتھ بٹانا تو در کنار خوش خوش رخصت ہو جائیں تو زہے قسمت۔ مجھے تو کوئی بھی ایسی تقریب یاد نہیں جس سے اپنے ناراض اور پرائے خوش نہ گئے ہوں۔ پاندان بھرتے بھرتے اور گلوریاں لگاتے لگاتے گھر کی بہو بیٹیوں کے ہاتھ شل ہو جاتے ہیں۔ لیکن جس کی بھی دیکھو ناک ٹیڑھی۔ کسی کو کہتے سنا" ایسا کیا ارمان پھٹا پڑتا تھا جو بیٹی کی شادی میں سارے کنبے کو نیوت دیا کسی کو اتنی بھی تو توفیق نہیں ہوتی کہ پاندان میں مسالہ اور پان تو رکھ دے۔"

دوسری طرف سے گزر ہوا تو کان میں آواز آئی" اے کیا ہوا فاقے کرنے کو ہمیں تقریب میں بلایا تھا کمبخت بارہ بجنے کو آئے اور ابھی تک نہار منہ بیٹھے ہیں۔ غضب خدا کا غیروں کے لئے دستر خوان پر دستر خوان بچھ رہے ہیں۔ اور ہم سے کوئی جھوٹے منہ بھی کھانے کو نہیں پوچھتا، حقدار ترسیں، انگارے برسیں، دلہن کی ماں کو خبر ہوئی۔ بیچاری سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگتی آئی۔ ہاتھ جوڑے، پاؤں پڑی، منت سماجت کی۔ نہ جانے کس کس کے واسطے دلائے، کھانا منگایا۔ ہاتھ دھلایا۔ اور پنکھا جھل جھل کر کھانا کھلایا۔ غریب لوٹا لے کر ہاتھ دھلانے بھی کھڑی ہو گئی۔ خاصدان پیش کیا۔ تب کہیں جا کے سگی خالہ صاحبہ کا مزاج ٹھنڈا ہوا۔

اللہ نہ کرے کسی کے گھر غمی ہو، یہ نہ سمجھئے کہ میں سوگ کو برحق نہیں سمجھتی۔ بلکہ یہ دعا اس لئے مانگتی ہوں کہ مرنے والے کی جدائی سے کہیں زیادہ ہمدردوں کے ناز نخرے اور آوازے توازے سوگواروں کو زندہ درگور کر دیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ بریانی ہے یا دھوبیا پلاؤ۔ بیچارے مرحوم کی روح اس وقت جنت میں دوسری روحوں کے آگے شرمندہ ہو رہی ہوگی۔" کہیں سننے میں آتا ہے" یہ قورمہ ہے یا ڈھب ڈھب قلیا، فاتحہ کراتے شرم بھی نہ آئی۔ چالیسویں کا کھانا ایسا کرے جیسا ڈپٹی صاحب نے کیا تھا۔ ایک حصہ میں چار آدمی پیٹ بھر کر کھالیں اور پھر بھی بچا رہے۔ قورمہ میں پانی تو نام کو نہ تھا اور پھر باقرخانی، شیرمال، پلاؤ اور یاقوتی ایک سے ایک لذیذ ایسے فاتحہ میں شریک ہو کر جی خوش ہو جاتا ہے۔ اور مرحوم کی بخشش

کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے"۔ دوسرا بولا "اجی ان کو تو چاہیئے تھا۔ ا۔۔ کھانے پر نیاز دلا کر مسجد کے ملّا کے ہاں بھیج دیتے!" مردانہ میں یہ چھٹکارا ہے۔ اور زنان خانہ میں تو اللہ کی سنوار! بس غریب سوگواروں کو دیکھ کر رونے کو جی چاہتا ہے۔ اور مہمانوں کے نک چڑھے پن پر خون کھول کھول کر رہ جاتا ہے۔

عید اضحیٰ کے موقعہ پر قربانی ہوتی ہے۔ تو کسی کے گھر ران کسی کے ہاں دست اور بہتوں کے گھر بوٹیاں بھیجی جاتی ہیں۔ ایک بہن کہنے لگیں "کیوں صاحب، راضیہ کے ہاں تو آپ نے ران بھیجی اور ہم کہاں کے گئے گزرے تھے کہ آپ نے ہمیں دست کے لائق سمجھا؟" میں نے عرض کیا "بہن کیا کروں بہت تلاش کرایا۔ لیکن ۔ ایسا بکرا نہ ملا جسکی رانیں دو سے زیادہ ہوتیں۔ مجھے واقعی آپ سے بے حد ہمدردی ہے انشاءاللہ اگلی بقرعید میں اس کی تلافی ہو جائے گی"۔

مختصر یہ کہ دنیا شکایتوں کے تانے بانے سے تیار ہوئی ہے۔ اور جب تک ہم زندگی کے جنجال میں مبتلا ہیں شکایتوں کے جال سے چھٹکارا ناممکن ہے۔ میاں کو بیوی سے شکایت، بیوی کو میاں سے شکایت: والدین کو اولاد سے اور اولاد کو والدین سے شکایت۔ دوست کو دشمن سے شکایت۔ اُن سے آپ کو اور آپ سے اُن کو شکایت، دنیا کو مجھ سے شکایت اور مجھے دنیا سے شکایت۔ اور اگر میرا یہ مضمون ردی کی ٹوکری میں چلا گیا تو مجھے ایڈیٹر عصمت سے بھی عمر بھر کے لئے شکایت ہو جائے گی!

صفیہ نقوی بمبئی

عصمت اب صرف ضرورت کے مطابق چھاپا جاتا ہے اگر ڈاک خانہ کی غفلت سے کسی ماہ کا پرچہ آپ کو وقت مقررہ پر نہ ملے تو خریداری نمبر کے حوالہ سے دوبارہ منگا لیجئے۔ ۱۰ تاریخ تک ورنہ اس ماہ کا پرچہ ختم ہو جائے گا۔ اور پھر کسی قیمت پر نہ مل سکے گا۔ — منیجر

(بقیہ صفحہ ۱۴۹ کالم ۲) تو وہ کچھ عرصہ کے لئے منروسپ و پیش کرے گا۔ گو ایسی معمولی حرکت کی ادائیگی کے لئے ایسی کسلمندی اور تذبذب کی کوئی وجہ اور عذر اس کے پاس موجود نہیں مگر پھر بھی وہ ایسا کرنے پر مجبور رہے۔

(۳) ہسٹریا کے مریض کو مرض کی زیادتی پر غشی کے دورے پڑتے ہیں۔ اور ایسی حالت میں اس کا اپنے آپ پر کوئی قابو نہیں رہتا ایسے عارضوں میں Paralyes و anaesthesia عام ہیں۔ اول الذکر کا مطلب ان اعضاء میں جس کی غیر موجودگی جو بیرونی احساسات receive کرتے ہیں ان کی عدم sense-organs کے افعال میں نقائص ہے۔

چنانچہ اسے Functional anaesthesia کہا جاتا ہے Functional Paralysis سے مراد فالج ہے یعنی جسم کے بعض حصوں میں حرکت کرنے کی طاقت کا فقدان۔

اگرچہ ان حصوں سے پٹھوں یا اعصاب میں کوئی نقص نہیں پایا جاتا۔ لیکن پھر بھی یہ تکلیف جاری رہتی ہے۔ عام طور پر حادثوں اور دماغ کے بعض حصوں کو چوٹ آجانے کی وجہ سے یہ مرض وقوع پذیر ہوتا ہے۔

خالدہ نذیر

زیورات ۔ (بقیہ صفحہ ۱۵۶) ایسا کرنا بھی نقصان دہ ہے جس اصول سے سر گرم اور پیر ٹھنڈے ہو کر مختلف بیماریوں کا باعث ہو سکتے ہیں۔ زیورات کے استعمال پر روشنی ڈالنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ ہمیں اپنے پرانے رسوم و رواج تہذیب و تمدن پر اعتراض کرنے سے قبل ان کے فوائد و نقصانات کا بہ نظر غائر مطالعہ کرنا چاہیئے یہ ضرور ہے کہ رسوم قدیمہ میں سے بعض ایسی بھی ہیں۔ جو کہ دور جدید کے تہذیب و تمدن کا ساتھ نہیں دے سکتیں۔ مگر ساتھ ہی اس کے بعض اصول ایسے ہیں جن کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا

(نوٹ) طبی اصول کے لئے خاص طور سے میں صوفی محسن پرشاد صاحب کی مرہون محنت ہوں)

مشیر فاطمہ حمیدی الہ آباد یونیورسٹی

زیور کا استعمال

جس قدر زمانہ ترقی کرتا جا رہا ہے کرید اور نکتہ چینی کی عادت بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ عادت اس درجہ ترقی کر گئی ہے کہ دورِ جدید میں مغربی تہذیب کا دلدادہ طبقہ عموماً اور مشرقی تہذیب کے جدید فیشن ایبل لوگ خصوصاً۔ آئے دن ہمارے ان مشرقی رسوم و رواج پر بھی بے دھڑک اعتراض کر دیتے ہیں جن کی تخلیق اور اختراع انسانی زندگی کی ضروریات کے مدنظر ہوئی اور جن میں ہزاروں فوائد مستور ہیں۔

چنانچہ اس نظریہ کے ماتحت جہاں ہمارے دیگر قدیم رسوم پر نکتہ چینی کی گئی ہے وہاں زیور کو بھی ہدفِ ملامت بنائے بغیر نہیں چھوڑا گیا ہے اگر کبھی۔ کہتے ہیں کہ زیور غلامانہ ذہنیت کا آئینہ دار ہے۔ تو کبھی فرماتے ہیں کہ یہ محض فضول خرچی کی نشانی ہے اور اس کی تائید میں جو دلائل پیش کرتے ہیں۔ وہ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے کہتے ہیں کہ جس قدر روپیہ زیورات خریدنے میں خرچ کیا جاتا ہے۔ اگر اسی قدر روپیہ کو بنک میں جمع کیا جائے تو سالانہ تین روپیہ سیکڑہ کے حساب سے ہماری رقم میں اضافہ ہوتا ہے۔ برعکس اس کے زیور سے ہماری رقم کی حفاظت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس سے ہمیشہ سونے کے بھاؤ کی تبدیلی کے ساتھ نقصان کا اندیشہ رہتا ہے اور اس کے ساتھ ہی زیور کو جانی خطرے کا موجب بھی قرار دیا جاتا ہے۔

یہ وہ دلائل ہیں جو بہ نظرِ غور دیکھنے پر بے بنیاد ثابت ہوں گے۔ بینک کے سوال ہی کو لیجئے اس سے تو اپنی معمولی ضروریات پر بھی روپیہ بآسانی نکال کر خرچ کر سکتے ہیں لیکن زیور کی صورت میں سوائے اہم اور ضروری مواقع کے ہم اس کو خرچ کرنا نہیں چاہتے۔ اس طرح زیور کی صورت میں بہ نسبت بینک کے زیادہ پس انداز ہو سکتا ہے۔

قیمت کے سوال کو لیجئے گھٹنا ہی کیوں تصور کیا جائے یہ کیوں نہ سوچئے کہ قیمت جو گھٹی چڑھ گئی اگر بڑھ جائے تو بینک کے منافع سے کہیں زیادہ رقم میں اضافہ ہو جائے۔ دور کیوں جائیے اسی سے اندازہ لگا لیجئے جو زیورات آج سے پانچ یا چھ سال قبل خریدے تھے ان کی اس زمانہ کی اور آجکل کی قیمتوں میں کیا فرق ہے؟

جان کے خطرہ کا واحد مورد الزام زیور ہی کیوں ہو گیا روپیہ اور آپ کی امارت اس کی مرتکب نہیں ہو سکتی؟

اب ذرا اس کی وہ خوبی جو اس کے موجدوں کی دماغی کاوشوں کی داد لئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ ملاحظہ فرمائیے۔

یہ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ سونے کی خاصیت گرم ہوتی ہے اور چاندی کی ٹھنڈی چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب منہ میں آبلہ وغیرہ پڑ جاتا ہے تو ٹھنڈک پہنچانے کے لئے چاندی کا ٹکڑا ڈالا جاتا ہے۔ بخلاف اس کے اگر سونے کا ٹکڑا منہ میں ڈال لیجئے تو ذائقہ ہی بدل جائے گا اور تیزابیت آ جائے گی اگر آبلہ بھی پڑ جائے تو بعید نہیں۔

یہ ایک امر مسلمہ ہے کہ بمقابلہ مردوں کے عورتیں قدرتاً نازک ہوتی ہے لہذا اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ضروری تھا کہ کسی طرح سے اس کے لئے طاقت یا بجلی بہم پہنچائی جائے چنانچہ اس کے لئے زیورات کا رواج ہوا جس سے اگر ایک طرف خوشنمائی ہوتی ہے تو دوسری طرف صحت کے اصول مدنظر ہیں۔ سر کو سرد اور پاؤں کو گرم رکھنا چاہئے۔ یہ وہ اصول ہے جو ہم اور آپ سب اپنی بڑی بوڑھیوں سے سنتے چلے آ رہے ہیں اور جس کی تصدیق آجکل کے بڑے بڑے ڈاکٹر اور حکما بھی کرتے ہیں۔ سونے اور چاندی کے خواص کو مدِنظر رکھتے ہوئے گلے میں سونا پہنا جائے اور پیر میں چاندی تو پاؤں والی سرد بجلی سر کی گرم بجلی کو اپنی طرف کھینچے گی کیونکہ سردی کی یہ خاصیت ہے کہ وہ گرمی کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے پس اس طرح سے پیروں

چاندی سے پیدا شدہ سردی سر کی سونے سے پیدا شدہ گرمی کو اپنی طرف کھینچنے لگی اور اس طرح سے سر کو سرد اور پاؤں کو گرم رکھنے کا قیمتی اصولِ حکمت پورا ہو جائے گا۔

پیروں میں زیورات کا استعمال تو اس قدر ناپسندیدہ خیال کیا جاتا ہے کہ پیروں سے تعلق رکھنے والے جس قدر زیورات ہیں ان کو بیڑیوں سے مشابہ کہا جاتا ہے۔ اکثر تو یہ کہے بغیر بھی نہیں چوکتے کہ اگر ایسا ہی زیور پہننا ہے تو ہاتھوں اور گلے وغیرہ میں بھی ہزاروں روپیہ کا قیمتی زیور پہنا جا سکتا ہے لیکن افسوس ہے کہ ہمارے اس قسم کے نکتہ چینیوں نے اس اصولِ حکمت کو قطعی مدِ نظر نہیں رکھا جن کے ماتحت ان کو رائج کیا گیا تھا۔ آج شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کو سائنس کی حیرت انگیز خدمات کا اعتراف نہ ہو۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ بجلی کا قانون نہایت پیچیدہ ہے اور ذرا سے تغیر سے نتیجہ کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ اس لئے اگر سر میں سونا اور پاؤں میں کچھ بھی نہ پہنا جائے تو سر میں پیدا ہونے والی گرم بجلی پاؤں کی جانب جذب نہ ہوگی بلکہ سر میں ہی رہ کر دماغ کو خراب کر ڈالے گی۔ آجکل جن امیر گھرانوں میں عورتیں صرف طلائی زیورات ہی زیادہ پہنتی ہیں اور چاندی پہننے سے نفرت کرتی ہیں۔ اسی کے سبب دائم المریض رہتی ہیں اور اکثر اختلاج قلب اور ہسٹریا وغیرہ میں مبتلا۔ یہی وجہ ہے کہ پرانی وضع کے بزرگ شادی کے موقعہ پر جہاں ہاتھ اور گلے وغیرہ میں دلہن کو سونے کے زیورات چڑھاتے ہیں۔ وہاں پیروں میں چاندی کے زیور کو بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ چنانچہ بعض خاندانوں میں دیگر زیورات طلائی کے ساتھ پیروں میں چاندی کی پائلیں (ایک زیور کا نام) اور پیروں کے انگوٹھوں اور انگلیوں میں چاندی کے چھلے نہایت ضروری سمجھے جاتے ہیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ الہ آباد میں تقریباً ۳۔۴ سال کا عرصہ ہوا ایک بیماری پھیلی تھی جس کو شاید جھنجھنی کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ مجھے اس کا ٹھیک نام یاد نہیں لیکن یہ اچھی طرح یاد ہے کہ اس کا علاج ڈاکٹروں نے یہ تجویز کیا تھا کہ پیر کے انگوٹھے میں چھلا یا تاگہ باندھ لیا جائے۔ آجکل گلا پھولنے کی عام بیماری پھیل گئی ہے۔ جس کا تدارک اکثر سونے کے تعویذ وغیرہ گلے میں باندھکر کیا جاتا ہے لیکن پرانے زمانے میں ہمارے بزرگوں نے گلے میں گلوبند طلائی باندھنے کا رواج شاید اسی مصلحت کے باعث کیا تھا جس کی وجہ سے گلا پھولنے کی بیماری ہونے کا بہت کم امکان تھا۔

دماغ میں جو رگیں پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ آنکھوں کی پلکوں کان کی دیواروں اور ناک کے نتھنوں میں آکر ختم ہو جاتی ہیں یعنی پچھلے دماغ کی رگیں کان میں اور اگلے دماغ کی رگیں ناک کے نتھنوں میں آکر ختم ہو جاتی ہیں۔ بس اگر دونوں حصص دماغ کو بجلی کے اثرات سے موثر بنانا ہے۔ تو ناک اور کانوں میں سوراخ کر کے سونا پہنانا چاہئے اسی طرح سے نیچے کے دھڑ کی رگیں پاؤں کے انگوٹھوں اور انگلیوں میں ختم ہو جاتی ہیں۔ اس سے پاؤں کی طرف کو اور پاؤں کی سرد بجلی دماغ کو آتی جاتی رہتی ہے۔

آجکل مغربی تہذیب کا اندھا دھند تقلید کرنے والا گروہ چوڑیوں کے استعمال کو بھی انتہائی حقارت آمیز نظر سے دیکھتا ہے میں نے اکثر بہنوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ چوڑیوں کا استعمال اس زمانہ کی یادگار ہے۔ جبکہ عورت کی حیثیت ایک غلام سے زیادہ نہ تھی۔ اور چوڑیاں ہتکڑیوں کی بگڑی ہوئی شکل ہیں۔ اس روایت کے قطع نظر، اب ذرا اس کے استعمال کو سائنس کی روشنی میں دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ طبعی نقطۂ نظر سے اس کی اہمیت کس قدر ہے دورِ جدید میں سائنس کے محققین نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ اگر ہاتھی دانت یا کانچ کو کھال، کمبل یا ریشم سے رگڑا جائے تو بجلی پیدا ہو جاتی ہے یا لاکھ لے سرے کو فلالین، اون یا ہاتھ سے رگڑ دی جائے تو بھی بجلی اور حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے بزرگوں نے عورتوں کے ہاتھوں میں کانچ، لاکھ، ہاتھی دانت کی چوڑیاں پہننے کا رواج دیا تھا۔

اکثر فیشن پرست لڑکیاں جو کہ پیروں میں سونے کے زیورات پہننا باعث افتخار سمجھتی ہیں۔ پیروں وغیرہ میں طلائی زیورات کے ساتھ اکثر پہننے کے کام کے چاندی کے بندے بھی پہن لیتی ہیں۔

(باقی صفحہ [illegible])

میں وہی ہوں

"جلدی سے پڑھ ڈالو ننھی" میں نے کتاب کھول کر شمو کے سامنے رکھ دی "آج تو بڑی سردی ہے اشرف جی" شمو نے حسب عادت فضول باتیں شروع کر دیں "مجھے معلوم ہے" میں نے ذرا تیزی سے کہا شمو سہم کر کتاب پر جھک گئی "ارشد بہت شریر لڑکا تھا اپنی - - - "ارشد" میں نے چونک کر دوہرایا "چونکے کیوں آپ؟" "کچھ نہیں! - پڑھو" میں سنبھل کر بولا شمو نے میرے چہرے کو بغور دیکھا اور دوبارہ پڑھنے میں منہمک ہو گئی۔ "ارشد" میں دل ہی دل میں دوہرا رہا تھا۔ گویا یہ نام ایک تیز قینچی تھا جس نے ماضی پر چھائے ہوئے غبار کی کترنیں بکھیر دیں۔ جیسے اس نام نے شانے پکڑ کے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا ہو۔ مجھے کتنا عجیب سا احساس ہوا باوجود اس قدر انقلاب آمیز آندھیوں اور کایا پلٹ دینے والے سیلاب کے ماضی کی یاد کا سرمایہ میرے ذہن میں کس طرح محفوظ رہ سکا؟ اسے بھی ان ہی طوفانی تھپیڑوں کے ساتھ کھو جانا چاہئے تھا جس طرح زندگی کا شیرازہ درہم برہم ہو گیا امیدوں کے ننھے ننھے آبگینے خوابوں کے جھلملاتے ہوئے شیش محل آن کی آن میں چکنا چور ہو گئے۔ اور اب ان کی کرچیاں ذہن میں کیوں کھٹکتی ہیں۔ اس سفاک دنیا نے میرے پاس کچھ بھی تو نہیں چھوڑا مسرتیں غبار بن کر اڑ گئیں۔ قہقہے جگمگاتی ہوئی فضاؤں نے سمیٹ لئے مسکراہٹیں چاند کی کرنوں نے چھین لیں۔ اور اب میری زندگی کو بجھا دیکھ کر چاند طنز سے مسکرا دیتا ہے فضائیں جھنجھوڑ کر کہتی ہیں۔ "ہنسو قہقہے لگاؤ۔ اب میرے نکھار کو دیکھ کر مسکراتے کیوں نہیں؟" گویا تمام کائنات ایک سوالیہ نشان بن کر مجھے پہچاننے کی کوشش کرتی ہے۔ میں چاہتا ہوں یہ زندگی غبار بن کر مجھے اپنے اندر چھپا لے ماضی حال اور مستقبل سے ہمیشہ کے لئے چھپ جاؤں لیکن آج ہوا کا جھونکا آیا۔ کتاب زندگی کی ورق گردانی کے لئے ماضی سے چبا ہوا ہے جو ہر کر بکھیر دینے ذہن میں چھپی ہوئی کرنیں صرف سموئی جھٹکے کی منتظر تھیں۔ اشارہ پاتے ہی سوئی ہوئی یادوں کی سوت پھوٹ پڑی نہ کرنیں لرزیں اور ساکت ہو گئیں۔ جیسے آسمان کی تاریک گہرائیوں میں جھلملاتے ہوئے ننھے ننھے تارے جو میری دسترس سے بہت دور ہیں۔ جنہیں چھو بھی نہیں سکتا۔ کیا اچھا ہوتا اگر نظر بھی نہ آتے۔

غبار چھٹکا اور میرے تصور میں گہری نیندیں جاگ اٹھیں کچھ عجیب سی نیندیں جیسے معطر فضاؤں، قوس و قزح کی رنگین مسکراہٹوں اور سنہری کرنوں کی جھلملاتی لرزشوں نے اپنی پناہ میں لے کر تھپک دیا ہو۔ مسحور کن نغموں کی گہرائی اور پھولوں کے بھینے بھینے معطر بوجھ میں دبتا جا رہا ہوں۔ پھر یہ نیندیں جاگتے جاگتے بکھرے بکھرے نقوش میں بدل گئیں بشیروانی کے چمکتے ہوئے بٹن جن سے میں کھیلا کرتا تھا۔ ترکی ٹوپی وجیہہ صورت، پھر ایک پر شفقت نسوانی چہرہ مسکرا دیا۔ جسے دیکھ کر بس آج بھی "امی" کہے بغیر نہ رہ سکا۔ رشو یہ نام میں نے برسوں سنا ہے۔ محبت کی میٹھی گھلاوٹ اب بھی کانوں میں رس ٹپکاتی ہے۔ نہ جانے کون اس نام سے مجھے پکارتا تھا۔ یہ مبہم خیال آہستہ آہستہ دور ہوتا گیا۔ اور محبت بھری آواز خلا میں کھو گئی۔ ایک میٹھی میٹھی خوشبو جو میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ بس اس لطیف خوشبو سے آگے یہ بکھرے بکھرے نقوش باوجود انتہائی کوشش کے نہیں سمٹ سکتے۔ لمبی چوڑی سڑک۔ موٹر تلنگے سائیکلیں چیخ پکار۔ دفعتاً مضبوط ہاتھوں کی گرفت۔ یہ مبہم سا تصور ذہن کو جھٹکے کے ساتھ آگے دھکیل دیتا ہے۔ اور پھر وہ پر شفقت شفقت چہرے آج تک نظر نہیں آئے۔ ترکی ٹوپی وجیہہ صورت کے بجائے غمناک آنکھیں اور بڑی بڑی مونچھوں سے مانوس ہوتا گیا۔ چچا جی بھی رفتہ رفتہ اجنبی نہ رہا۔ نئے اور اجنبی ماحول میں آنکھ کھلی۔ طوفانی تھپیڑے نے ورق الٹ دیا۔ -

اسکول سے بھاگا بھاگا گھر آیا "پاس! پاس!!" "پاس؟" بتاجی اور ننو کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ میز سے ٹکرایا، کرسی الٹی اور مسہری پر گر کر بستر کو اپنے گرد لپیٹ لیا۔ اسی روز شام کو شاندار پارٹی، عزیزوں، دوستوں کی طرف سے تحفوں کا انبار، پھولوں کی بوچھاڑ، بزرگوں کے انعام۔ جیسے تمام دنیا مسکراہٹ کی لہروں اور قہقہوں کی بارش کا وجود ہے۔

اسکول کے بعد کالج کا پرکیف زمانہ۔ نجم کی شرارتیں، اشفاق کی ضرورت سے زیادہ سنجیدگی، شمیم کے مسلسل قہقہے، نسیم کی مسکراہٹ میں ڈوبی ہوئی شاداب آنکھیں۔ سب سے زیادہ نجم کا کھکھلاتا ہوا چہرہ اجاگر ہو گیا۔ اجنبی شخص بعد میں قائل ہوتا تھا کہ نجم اس قدر شرارتی لڑکا ہے۔ چہرے پر بچوں کی سی معصومیت، اور بھولاپن، قہقہوں میں کچھ عجیب سا غیر مغرورانہ وقار اور خوشگوار بے نیازی جیسے کوئی شوخ بچہ اپنے گرد کھلونوں کا ڈھیر دیکھ کر یکلخت مسکرا اٹھے۔ خلاف مرضی بات پر بچوں کی طرح منہ پھلا لینا بعض دفعہ خفگی "اوں اوں" کی آواز میں بدل جاتی۔ اشفاق کی جیب سے پین نکالا۔ اور "چل چلو" کر دیا۔ میرا قیمتی رومال جیب سے گھسیٹا اور حقارت سے ناک صاف کر کے پھینک دیا۔ نسیم کے سر سے ہیٹ اتارا خود پہنا اور چپکے سے کھسک گئے۔ بعض مرتبہ تو ان بے تکی باتوں اور مذاق پر نجم کو بے طرح جھڑکا جاتا لیکن اس نے کبھی بُرا نہ مانا۔ اس کی دوستی کس قدر بے لوث تھی اور زندگی کا مقصد کتنا سلجھا ہوا محض ہنسنا ہنسانا۔ . . .

وہ پروفیسر صاحب کس قدر سخت گیر تھے۔ بات بات پر نکتہ چینی ہر حرکت پر تنبیہ۔ معمولی غلطی پر بے طرح گھورنا اور عجیب عجیب دھمکیاں "بندر جو سب کے سب دُم کٹے بندر" اسی قسم کی مضحکہ خیز گھرکیاں دیا کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی سیدھے منہ بات نہیں کی۔ لیکن جب میں ہمیشہ کے لئے کالج کو خیرباد کہنے لگا اور انہیں بھی رخصتی سلام کرنے گیا تو کس محبت سے اپنے پاس بٹھایا۔ بڑی دیر تک نصیحت آمیز باتیں کرتے رہے۔ "زندگی کی دوڑ میں ہمیشہ آگے رہنا" یہ تھا ان کا آخری فقرہ جو اکثر میرے کانوں میں سنتا رہتا ہے۔ اور جب رخصت ہونے لگا تو میں نے دیکھا ان کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے۔ نہ جانے اس وقت انہیں کیا کچھ یاد آ رہا تھا۔ انہوں نے شفقت سے کمر تھپکی اور مسکرا کر رخصت کیا۔ ان کی سخت گیری اور جھڑکیاں بھولتا جا رہا ہوں لیکن وہ ڈبڈبائی آنکھیں آج بھی میرے تصور میں جھانکنے لگتی ہیں۔ نہ جانے کیوں۔

کالج سے ذہن پھسلا اور میں اپنے چھوٹے سے مکان میں آگیا ننو ننھے منھے بازو پھیلا کر دوڑا اور "بھیا" کہہ لپٹ گئی۔ اس ایک لفظ بھیا میں محبت کی خنک ستونیں ابلی پڑتی تھیں۔ کاش میرے ترسے ہوئے کان صرف ایک بار "بھیا" سُن سکیں۔ پرانے پیپل کے نیچے مٹی کا گھروندا جسے محفوظ رکھنے کے لئے میری اور ننو کی ان تھک کوششیں وقت تھیں۔ ننو کی معصوم باتیں اور بے لوث محبت جو عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتی رہی۔ بتاجی کی معمولی سی خفگی سے کس قدر پریشان ہو جاتی۔ میری حمایت میں خود بھی ان سے روٹھ جاتی۔ لیکن بتاجی کی خفگی آہستہ آہستہ بیزاری کی حد تک پہنچ گئی۔ اور ایک دن میرے معمولی قصور پر وہ بے طرح ناراض ہوئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں ان کا حقیقی بیٹا نہیں ہوں چھ سات سال کی عمر کا بچہ کہیں سے بھولا بھٹکا مل گیا تھا۔ پرورش کا بار محض رحمدلی اور لاوارث بچہ سمجھ کر اٹھایا گیا۔ سو اب وہ میرا مزید خرچ برداشت نہیں کر سکتے اور نہ آئندہ کر سکیں گے۔ انہوں نے اجازت دیدی کہ جدھر منہ اٹھے چلا جاؤں۔ میں نے سب کچھ خندہ پیشانی سے سُنا "لاوارث بچہ" "بھولا بھٹکا . . ."

میرے ذہن پر پُر شفقت نسوانی چہرہ مسکرایا۔ شیروانی کے بٹن چمکے۔ محبت بھری آواز خلا میں کھو گئی۔ آنکھ کھلی بتاجی کا غضبناک چہرہ جو ہمدردی کے جذبات سے بالکل خالی تھا گویا کہہ رہا تھا "بے حیا . . . بے شرم کمین میرے ٹکڑوں پر پلا . . ."

"میں تمہارا بیٹا نہیں ہوں!" میں چیخ پڑا۔ مٹی کا گھروندا زمین پر گر کر بکھر گیا۔ "بھیا" ننو کی سسکیاں مدھم آواز میں بھٹک کر میرے کانوں میں پہنچیں۔ "مجھے بھیا نہ کہو ننو! ایک بھولا بھٹکا۔"

لاوارث بچہ تمہارے ٹکڑوں پر پل کر اس محبت کا حصہ دار نہیں۔
۔۔ کاش مجھے پہلے ہی پتہ مل جاتا کہ میں اس وسیع دنیا
میں اجنبی ہوں۔ تم ایک اجنبی شخص کو بھیا کہہ کر پکارتی رہیں۔
میں شکر گزار ہوں ۔۔ ۔۔" میرے دل میں نفرت کے جذبات
ابل رہے تھے۔ نمو سہمی ہوئی کھڑی تھی۔ میں نے ٹوٹی ہوئی
چپلیں پیروں میں اٹکائیں۔ اور تیز تیز قدموں سے باہر نکل
گیا۔ سنسان پگ ڈنڈی کے کنارے ببول کا پرانا درخت
سنسنایا اور یہ سنسناہٹ آہستہ آہستہ نمو کی التجا آمیز سسکیوں میں
بدل گئی۔ گھروندے کی خاک بگولہ بن کر اڑی فضا میں سینکڑوں
ننھے منے بازو پھیلے "بھیا" نمو کا ہر ہر سانس مجھے پکار رہا تھا۔
لیکن یہ پکار بگولوں میں کھو گئی۔ بازو تھک کر گر پڑے۔ بگولے بڑھتے
گئے۔ دھندلے چکر پھیلے۔ دھکے لگے، ٹھوکروں نے قدم ڈگمگائے
۔۔ دور دور کی خاک چھانی اور ایک دن مایوسی غصے کی آگ بن کر
بھڑک اٹھی۔ میں نے بی اے کی ڈگری کے پرزے قدموں میں
روند ڈالے۔ اور ۔۔ ۔۔ ایک مدت تک خود ہی اپنی زندگی سے
انتقام لیتا رہا۔ جب تک کہ رکشا کے ڈنڈے تھامے تھامے
ہاتھ شل نہ ہو گئے۔ پنڈلیاں نہ پھٹنے لگیں۔ ایک دن شام کو
سڑک کے کنارے رکشا کھڑی کر کے سستانے بیٹھ گیا۔ یکایک
مجھے دھکا سا لگا۔ میں نے دیکھا نجم وہی شریر نجم میرے سامنے
کھڑا تھا۔ "پگلے ۔۔ ۔۔" اس نے سنجیدگی سے کہا اور
میرا ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ لے گیا۔ ۔۔ ۔۔ زندگی کی دوڑ ختم
ہو گئی۔ اب جمود ہی جمود ہے۔ مدت سے ایک ہی جگہ کھڑا ہوں
"کیا سوچ رہے ہیں آپ؟" ماضی کا تصور دھچکے کے ساتھ
گر پڑا۔ "شمو!" کمرے کا دروازہ کھلا ترکی ٹوپی۔ وجیہ صورت
شیروانی کے چمکتے ہوئے بٹن ذہن میں چھپی ہوئی میٹھی خوشبو
مجسم کھڑی تھی۔ میرے ہاتھ سے کتاب چھوٹ گئی۔ بے اختیار
دل چاہا دوڑ کر لپٹ جاؤں اور چیخ کر کہوں "مجھے پہچانو" لیکن
یہ بے اختیار جذبہ دل کی گہرائیوں سے لمبا سا سانس بن کر ابھرا اور
میں مسکرا بھی نہ سکا۔ شاید اس لئے کہیں مسکراہٹ تھرتھرا رہی
جائے۔ یہ فضائیں پہچان دلیں کیا انہیں سنا دوں جو میں
وہی ہوں ۔۔ ۔۔ زندگی کی راہ سے بھٹکا ہوا انسان ۔۔
جو اجنبیت کی گرد میں محیط ہے۔ ماضی کی ہوائیں اس خول سے
ٹکراتی ہیں۔ اور جھنجھوڑ کر چلی جاتی ہیں۔ کاش میں بھی اس خول سے
نکل کر ان کے ساتھ اڑ جاؤں اپنے ماضی کی طرف! جہاں پر شفقت
چہرہ "امی" کی نورانی تھر سے منور ہے۔ "ارشد" مجھے اب
بھی اس میں ڈوبی ہوئی آواز آتی ہے۔ جو ماحول محبت کی نورانی
کرنوں میں لپٹا ہوا ہے۔ ۔۔ کاش میں یہ خول عبور کر سکتا۔ اپنے
ماضی کو آواز دے سکتا۔ ۔۔ ۔۔

اختر جہاں دہلی

تلاش

میں کھوئی ہوئی سی کھڑی ہوں میری دکھی سہیلی میرے سامنے سبز گھاس پر بیٹھی ہوئی ہے۔ اس کے ہونٹ تبسم سے محروم ہو چکے ہیں۔ اس کی ہنستی ہوئی آنکھوں میں اب دل میں چھپ جانے والی حسرت ہے۔ اس حسرت کو مٹانے کے لئے میں نے جھلملاتے تاروں سے ان کا میٹھا تبسم مانگنا چاہا تھا۔ لیکن مجھے اسی وقت یاد آگیا کہ اسی طرح کے بے شمار تارے میری سہیلی کی آنکھوں میں چمک چمک کر صبح کی طرح سپید دوپٹے میں ڈوب چکے ہیں۔ پھر میں نے معصوم چاند سے ان آنکھوں کے لئے اس کی ہنستی ہوئی چاندنی مانگنی چاہی لیکن چاند کے حسین چہرے پر میری دوست کے چہرے کی طرح غم کی زردی تھی اور چاندنی میں کسک گلاب کے سرخ سرخ پھول ہنس رہے تھے۔ میں اپنی غمگین سکھی کا ہاتھ پکڑ کر ان سے مسکراہٹ کی التجا کرنے ان کے پاس گئی۔ میری دوست مسکرانے لگی اس کے گلابی ہونٹوں پر پھولوں کا تبسم آہی گیا! لیکن۔ ۔ ۔ اور رو کر ہنسنے والے پھولوں کا تبسم مانگ کر میں نے غلطی کی تھی۔ ان کی مسکراہٹ تو آنسوؤں سے تر تھی۔ شاید جبھی میری دوست کی آنکھوں میں شبنم کے قطرے آگئے!

دریا پر ہلکی ہلکی لہریں رقصاں تھیں اور سنہری چاندنی ان پر بکھری ہوئی تھی یہ تبسم واقعی دلکش تھا لیکن ہلکی ہلکی لہریں دیکھ کر میں سہم گئی۔ کہیں وہ خیالات کی لہریں تو نہیں جن پر پردہ ڈالنے کے لئے مسکراہٹ کا سنہرا جال بچھا دیا گیا ہے!

میں اپنی ناکامیوں کے متعلق سوچ رہی ہوں۔ اور ایک ننھا بچہ ریت پر ہاتھ سے سڑک بنا رہا ہے۔ تیز ہوا چلی۔ وہ نشان دھندلا ہو گیا۔ پھر ہوا چلی اور ریت کے ذرے ننھی سی سڑک پر پریشان ہو گئے۔ اور کچھ دیر بعد ہوا کے تیز تیز جھونکوں نے بچے کی سڑک کو مٹا دیا۔

میں سوچ رہی ہوں کہ زمانہ کے تیز تیز جھونکے میری دوست کی آنکھوں کی حسرت کو دھندلا کرتے کرتے مٹا دیں گے اور اس کی آنکھوں میں پھر وہی تبسم کھیلنے لگے گا۔ یہ سب کچھ ہو کر رہے گا۔ خواہ دیر میں ہو یا جلدی! اب مجھے معلوم ہوا کہ میری تلاش بیکار تھی۔ کیونکہ میری مطلوبہ چیز خود بخود مل جائے گی۔

فاطمہ قیصری

تلقین

یا الٰہی! میرے نالوں میں اثر پیدا کر
میری فریاد میں بجلی کا شرر پیدا کر

جذب کامل ہو تو آسان ہے منزل اپنی
سوزِ دل، دردِ جگر، دیدۂ تر پیدا کر

سن سکے گا میرا افسانۂ دل اے بلبل
تھام لے اپنا جگر دل میں اثر پیدا کر

ننگِ ہستی ہے تو اور عار تجھے ہر فن میں
ظلمتِ شب سے نکل نورِ سحر پیدا کر

آنکھ مخمور ہے، مجبور ہے ہمت میری
اُٹھ کمر باندھ کے دنیائے دگر پیدا کر

خون کہسار سے ہاتھوں کو تو رنگین کر دے
دشت کو چیر دے دریا میں گہر پیدا کر

اس قدر یاس ہے کیوں صاحبِ ایماں ہو کر
وقت قرآن کے لئے آٹھ پہر پیدا کر

شخصیت پر ہے اگر ناز تو نادانی ہے
نفس پر جس کو ہو قدرت وہ بشر پیدا کر

گنج ملتا نہیں بے رنج" مثل ہے مشہور
شجرِ خشک مسلماں میں ثمر پیدا کر

کارنامے ہیں حسین ابن علی کے روشن
سر نہ باطل سے جھکے ایسے نڈر پیدا کر

شور پیدا ہو جہاں میں کہ وہ آیا مسلم
پھر نظر شیر کی شاہیں کا جگر پیدا کر

ہے مساوات ہی مسلم کا اصولِ زریں
دل کی گہرائی میں الفت کا اثر پیدا کر

سیدہ اصغری بی بی

[illegible]

نمائشِ مصنوعاتِ مملکتِ حیدر آباد

ابھی کل کی بات ہے کہ بلدۂ حیدر آباد میں نمائش کی گہما گہمی تھی۔ ہر شخص کی زبان پر نمائش کا چرچا تھا۔ آخر کیوں نہ ہو، جبکہ سال بھر سے اس کا انتظار تھا۔ مرد تو مرد، عورتیں بھی سیر و تفریح کرنے، آزادی سے گھومنے، ملاقاتیوں سے ملنے جلنے، حسب پسند خرید و فروخت کرنے کے لئے بے چین تھیں، آج ان کی مرادیں بر آئی ہیں۔

حیدر آباد میں اس نمائش کے سوا کہیں اور ایسا شاندار اجتماع دیکھنے میں نہیں آیا۔ عام عورتیں بھی ہیں متوسطین بھی، شریف زادیاں بھی ہیں اور امیر زادیاں بھی، اور ایسی خواتین بھی جنہیں عام طور سے دیکھنا، جن سے ملنا جلنا ممکن نہیں، پھر نمائش میں ان کی دید بھی ہوتی ہے، غرضکہ ان دنوں حیدر آباد میں نمائش کیا ہے ایک دعوتِ عام ہے۔ عورتوں کے لئے مہینہ بھر میں صرف چار دن مقرر ہیں عورتیں تو یہی کہتی رہ جاتی ہیں کہ کاش! دو ایک دن اس دلفریب تفریح کے اور ہوتے! ان ہی چار دن میں سیکڑوں ہزاروں نہیں، بلکہ لاکھوں روپیہ کی خرید و فروخت ہو جاتی ہے۔

نمائش ہوتی ہے مصنوعات کی، مگر اس نمائش کے دن عورتوں کی خوشی، بچھڑے ہوئے دوست احباب کا ملاپ، مختلف مدارج اور مختلف وضع قطع کی پچیس تیس ہزار فیشن ایبل اور قدامت پرست خواتین کا عدیم النظیر جم غفیر خود ایک نمائش ہوتی ہے ؎

حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

آیئے ہم سب مل کر چلتی ہوئی سیر کریں۔

پہلے تو یہ بتایئے کہ آپ موٹر گیٹ سے چلنا پسند کریں گی؟ یا بگی طانگہ وغیرہ کے راستہ سے؟ یا رکشا گیٹ سے؟ کیونکہ خواتین کی آسانی کے لئے مختلف سواریوں کے واسطے مختلف گیٹ بنائے گئے ہیں۔ اور متعدد راستے نکالے گئے ہیں۔ جہاں اترنے پر ٹکٹ لینا ہوتا ہے یہیں ٹکٹ گھر بنے ہوئے ہیں۔ رضا کار خواتین ٹکٹ فروخت کر رہی ہیں ٹکٹ لے کر آپ آگے بڑھیں تو رضا کار لڑکیاں اور عورتیں تنقیح کرتی نظر آئیں گی۔

موٹر سے اتریئے۔ قریب ہی شہزادہ نواب اعظم جاہ بہادر ولی عہد سلطنت کا شکار خانہ ہے۔ یہ نمائش میں خود ایک نمائش ہے! ایک عظیم و خوشنما عمارت ولی عہد سلطنت کے شکار کئے ہوئے جانوروں کے ٹرافیز سے بھری ہوئی ہے۔ مردہ جانور زندوں کی شان سے کھڑے ہیں۔ کہیں جنگل کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ کہیں پہاڑیوں کا، شیر، ہاتھی، چیتے، ریچھ وغیرہ ایک حقیقی و قابلِ دید منظر پیش کرتے ہیں۔ دیواروں پر مختلف جانوروں کے سر اور شکار کے مختلف مناظر کی بڑی بڑی تصویریں آویزاں ہیں۔ غرض کہ یہ ٹرافی ہال دیکھنے کے قابل ہے۔ اس کے متصل محکمۂ افواج باقاعدہ سرکارِ عالی کا ایک اسٹال ہے۔ جہاں شہزادہ بہادر کے حاصل کردہ انعامات کپ وغیرہ نہایت سلیقہ سے سجائے گئے ہیں۔

ذرا دیکھئے تو! اس کے سامنے ایک وسیع سبزہ زار ہے ایک طرف ہاتھی ہے، دوسری طرف اونٹ تفریح کے لئے کھڑے ہیں۔ ٹکٹ لے لے کر لڑکیاں اور زندہ دل خواتین بیٹھ رہی ہیں۔ جدھر دیکھو لان پر درختوں کے سایہ میں، خواتین ہی خواتین ہیں کہ تشتریاں، چاندنیاں، قالین بچھائے ہوئے بیٹھی ہیں۔ کہیں توشہ دان کھلے ہوئے ہیں کہیں پاندان رکھے ہوئے ہیں۔ گلوریاں کھائی جا رہی ہیں۔

کچھ اور آگے بڑھئے۔ یہاں ایک چھوٹی سی جھیل ہے جس میں سفید اور گلابی کنول کے پھول کھلے ہیں۔ دیکھنے والوں

کے لئے سامانِ تفریح بہم پہنچا رہے ہیں۔ مزید برآں کشتیاں چل رہی ہیں۔ نی کس ایک آنہ دے کر کشتی رانی کا لطف اٹھایا جا رہا ہے۔ اور پھر جھیل کی سیر الگ ہو رہی ہے۔

سامنے ایک بڑی سی کمان ہے۔ یہ ہمارے ملک کے ایک عظیم الشان کارخانہ سرپور پیپر ملز کی ساختہ ہے۔ اس کے اندر چلئے۔ بس یہیں سے اسٹال شروع ہو جاتے ہیں۔

بازو میں ایک وسیع شامیانہ ہے۔ یہ نمائش کلب ہے۔ لوگ جب نمائش دیکھ کر تھک جاتے ہیں۔ تو یہاں بیٹھ کر صنعتی امور پر تبادلۂ خیالات کرتے ہیں۔ نیز ارکانِ کلب کے لئے مختلف تفریحات کا انتظام ہے۔ یومِ خواتین کے موقع پر بھی یہ فرش اور صوفوں سے آراستہ ہے۔ میز پر ٹیلیفون رکھا ہوا ہے۔

خواتین نمائش کمیٹی کا دفتر یہی ہے۔ مسز برہان الدین رکنِ نمائشِ خواتین سے نمائش کے بابت جو چاہے دریافت کر لیجے گا۔

اس کے ایک طرف سے شعبۂ تفریحات شروع ہو جاتا ہے یہاں قسم قسم کی عجیب و غریب چیزوں کے دیکھنے میں عورتیں مصروف ہیں۔ کہیں جوڑواں عورت ہے۔ تو کہیں بڑے سر کا بچہ ہے۔ کہیں آدمی کے منہ کا سانپ تو کہیں معلق کرسی اور کہیں کچھ، جنہیں خوشی خوشی عورتیں دیکھ رہی ہیں۔ قسم قسم کے جھولے ہیں۔ بعض بجلی کے، بعض سادے جھولنے والے جھول رہے ہیں۔ اور بعض انہیں دیکھ کر ہی لطف اٹھا رہے ہیں۔ شعبۂ تفریحات کی آمدنی کا ایک حصہ جنگی اغراض کی امداد میں جاتا ہے۔ اس کے بعد اسٹالوں کا لامتناہی سلسلہ ہے۔ پیچ در پیچ اور بھول بھلیاں سا۔ کیا چیز ہے جو یہاں موجود نہیں۔ نمائش مملکت آصفیہ دیکھ کر طبیعت پھولوں کی سماتی۔ خدا کا شکر بجا لانے کو جی چاہتا ہے کہ ہمارا ملک بھی معاشی ترقی و اختراع میں کچھ کم نہیں!

یوں بھی زمانہ قدیم سے ہماری مملکت میں بیدر کا سامان اورنگ آباد کا کمخواب، ہمرو، مشہ رو، نرمل کے رنگین اور منقش کھلونے وغیرہ، ورنگل کے قالین، میدک سنگاریڈی کا ریشمی پارچہ، ناندیڑ کے سیلے، پٹن کی ساریاں، کوریں، پیٹھر کی گبتیاں اور جانگیں، کریم نگر کا نقرئی جال کا سامان، دور دور تک شہرت رکھتا تھا۔ نہ صرف ہندوستان کی نمائشوں میں بھیجا اور پسند کیا گیا، بلکہ یورپ و امریکہ تک ان چیزوں کو درجۂ قبولیت حاصل ہو چکی ہے۔ اور مختلف عجائب خانوں میں رکھا گیا ہے۔

ملک کے موجودہ ضروریات کی تکمیل اور ملکی صنعت کی قدر دانی کی وجہ سے نہ صرف ان چیزوں میں مزید ترقی ہو رہی ہے، بلکہ نئی نئی چیزیں بھی ایجاد کی جا رہی ہیں۔ اور صرف ملکِ دکن ہی کی نہیں، باہر کی ضروریات بھی پوری کی جا رہی ہیں۔

اس دفعہ نمائش میں سات سو سے زیادہ اسٹال تھے عورتوں کی تو یہی حسرت رہی کہ ان چار دنوں میں بھی وہ پوری نمائش نہ دیکھ سکیں۔ جن بی بیوں نے دیکھا ہے۔ تو یہ ان کا کارنامہ تھا۔

یہ مانی ہوئی بات ہے کہ عورتیں خریداری میں مشاق ہوتی ہیں۔ آج بیچنے والیوں کی مستقل مزاجی بھی دیکھنے کے قابل ہے۔

نمائش کو کئی شعبوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ سرکاری سررشتوں کے متعدد اسٹال ہیں۔ جہاں اُن کے ترقیات و افادیت کو دکھلایا جاتا ہے۔ ان میں سمکیات، ورزشِ جسمانی، آثارِ قدیمہ صحتِ عامہ، دار الطبع وغیرہ کے اسٹال عام پسند ہیں تمام سرکاری اسٹال ٹھوس اور مفید معلومات کے حامل ہیں، دار الطبع کی ترقی کے ضمن میں یہ امر قابلِ تذکرہ ہے کہ ہمارے ملک کے کرنسی نوٹ پہلے انگلستان سے چھپ کر آتے تھے۔ اب یہیں طباعت کا انتظام کر لیا جاتا ہے۔

اضلاع اور جاگیرات کے اسٹال بھی ہیں۔ جہاں ان کے اپنے مقامات کی اشیاء کو بطورِ خاص جمع کیا جا کر فروخت کیا جاتا ہے۔ نیز اُن کا ارتقاء بھی بتایا جاتا ہے، نمائشِ خواتین۔

کے دن جاگیر بیگم کے اسٹال پر رانی صاحبہ اسٹیٹ خود نگرانی فرماتی ہیں۔

ایک طرف مدرسۂ نسواں صنعت و حرفت حیدرآباد کا نمایاں اور وسیع اسٹال قسم قسم کی دستکاریوں سے مزین ہے۔ اس کے قریب فروخت گاہ مصنوعات ملکی سرکار عالی کا اسٹال ہے۔ یہ فروخت گاہ توپ کا سانچہ حیدرآباد دکن میں سررشتۂ صنعت و حرفت سرکار عالی کی جانب سے قائم ہے۔ جہاں آپ ہمیشہ ہر قسم کے دیسی مصنوعات کا معائنہ و خریداری کر سکتے ہیں۔ یہاں کا اسٹال بھی مختلف سامان سے معمور ہیں۔

ایک سرکل میں مختلف پارچہ کے اسٹال ہیں۔ تو دوسری طرف زیورات کے اسٹال چمک دمک رہے ہیں۔ پھر درمیان میں آرٹ گیلری ہے۔

شعبہ ادارہ جات رفاعی میں طلیسانین کی تصانیف کا اسٹال، انجمن امداد باہمی بلاسودی کا اسٹال۔ ایجوکیشنل کانفرنس اور ترک مسکرات کے اسٹال دیکھنے کے قابل ہیں۔

جدید [illegible] میں لوہے کا سامان، تجوریاں الماریاں، فرنیچر وغیرہ، نیز لکڑی کے فرنیچر کے نہایت نفیس سٹ۔ بانس و بید کی خوش وضع اشیاء، ملک کی مختلف گرنیوں اور ہاتھ کے بنے ہوئے کپڑے سوتی، اونی، ریشمی، زرین اور بوٹیے دیکھنے کے قابل ہیں۔ چمڑے کی بیسیوں چیزیں ہیں۔ عمدہ سے عمدہ سوٹ کیس، بیگ بٹوے وغیرہ مختلف اقسام کے جوتے، چڑاویں نہایت بہتر بنے ہوئے ہیں۔ ان میں رانجور کی چڑاویں اپنی آپ نظیر ہیں۔ پھر کانچ کا مختلف سامان ہے۔ چائے کا سٹ، رکابیاں پیالے وغیرہ، جنہیں بیبیاں شوق سے خرید رہی ہیں۔ مٹی کی چیزیں بھی قابل تذکرہ ہیں۔ مختلف سامان کی تیاری سے اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ پیتل و کانچ وغیرہ کی چیزوں کی کمیابی کی تلافی کی جائے ان میں گلدان وغیرہ پر رنگین پینٹ وغیرہ سے مناظر قدرت کی نقاشی کسی چابکدست مصور کی رہین منت معلوم ہوتی ہے۔

تمام چینی کی مختلف ضروری چیزیں بھی تیار کی جا رہی ہیں۔ کہیں مختلف قسم کے صابن کے اسٹال ہیں تو کہیں قسم قسم کے روغنیات، عطریات خانے، سرکے سالے اور مختلف چیزیں نظر آتی ہیں۔ ادویات کے بھی اسٹال ہیں۔ کہیں گھریلو صنعتوں کو ایک جا جمع کیا گیا ہے نیز حیدرآبادی چوڑی کے جوڑوں کے کئی اسٹال ہیں، یہ جوڑے دور دور تک شہرت رکھتے ہیں۔ ہر سال نئی نئی اختراع کے ساتھ ان کے متعدد اسٹال آراستہ کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح ملک کی دیگر صنعت مثلاً کاغذ سازی، شکر سازی، دیاسلائی، وارنش و پینٹ سازی، سگریٹ سازی، سیمنٹ سازی، بٹن سازی، کھلونہ سازی، وغیرہ ان سب پر تفصیل سے نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ یہاں صرف ایک سرسری تذکرہ پر اکتفا کیا گیا۔

اس دفعہ نمائش میں ایک شعبہ مظاہرات قائم کیا گیا ہے۔ جہاں صنعتی کاریگری کے عملی مظاہرہ کا انتظام کیا گیا ہے۔ خام اشیا سے صنعت کی تیاری کے طریقے بتلائے جاتے ہیں۔ یہ نہایت مفید و قابل قدر اضافہ ہے۔

ان سیکڑوں اسٹال کے ساتھ بیسیوں ہوٹل دعوت تفریح دے رہے ہیں۔ کہیں آئسکریم کھائی جا رہی ہے کہیں لیمن پیے جا رہے ہیں۔ کہیں ٹٹی کا گوشت ہے کہیں لقمیاں تناول ہو رہی ہیں۔ کسی ہوٹل کی حلیم کا بہت چرچا اور مانگ ہے ان تمام ہوٹلوں میں نیوٹریشن اسٹورنٹ نمایاں ہے۔ جہاں سررشتہ راشن بندی کی جانب سے انتظام ہے۔ یہاں کی سب چیزیں سستی اور انوکھی بنائی گئی ہیں۔ جوار کی حلیم ہے تو باجرہ کی لقمیاں اور بسکٹ۔ دلیہ کا پلاؤ ہے تو مکئی کے پراٹھے، غرض کہ ادنیٰ قسم کے غلہ سے اعلیٰ ترین اور ذائقہ دار پکوان تیار کیا جاتا ہے۔

شام ہوتے ہی آتش بازی چھوٹتی ہے بجلی کے قمقمے دوکانوں کی جگمگاہٹ دلچسپیوں کو دوبالا کرتی ہے۔ اس ہجوم میں کسی کے بچے بچھڑ جاتے ہیں، نمائش کے شعبہ لاسلکی سے اس کی تشہیر ہوتی ہے۔ اور بچے مل جاتے ہیں۔ اکثر

ماؤں کی بیگمیں۔ اور کسی کی دادی اور نانی امائیں بھی ہجوم میں گم ہیں۔ مگر معلوم نہیں کیوں اس کی تشہیر کی خواہش نہیں کی جاتی۔ شاید اس لئے کہ وہ بالآخر گیٹ پر مل ہی جاتی ہیں۔

نمائش کے آخری دن تندرست بچوں کے طبی معائنہ کے بعد تقسیم انعامات کا جلسہ بھی عثمانیہ بلدی جماعت کی جانب سے منعقد کیا جاتا ہے شہزادی صاحبہ یا اور کوئی معزز خاتون انعام تقسیم کرتی ہیں۔

اب کی دفعہ نمائش کو ہز اکسلنسی وائسرائے اور لیڈی ویول نے بھی دلچسپی سے دیکھا ہے۔ اور مختلف سامان پسند فرمایا۔ نمائش یوم خواتین کے موقعہ پر محترمہ لیڈی چھتاری صاحبہ بھی تشریف لائی تھیں۔ نیز دو تین یوم خواتین کے موقع پر پاشاہ حضرت لیڈی وقار الامراء جو اعلیحضرت شہر یارِ دکن کی پھوپی اور مغفرت مآب اعلیحضرت نواب افضل الدولہ آصف جاہ خامس کی شہزادی ہیں۔ معہ اپنے معزز متعلقین و خدم و حشم کے تشریف فرما رہیں۔ ان کو دیکھ کر زمانۂ قدیم کی شہزادیوں کی شان و شوکت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے سنی سنائی باتوں کا حقیقی منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ باوجود امارت و عزت کے اس خاندان کی بیگمات کی سادگی اور خلوص قابلِ تقلید ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس دفعہ نمائش میں علیا پاشاہ حضرت کی تشریف آوری کو میں حاصلِ نمائشِ یوم خواتین سمجھتی ہوں!

تقریباً آٹھ سال قبل حیدرآباد میں انجمن طلیسانین عثمانیہ کے تحت معاشی کمیٹی کا قیام عمل میں آیا تھا جس کا مقصد ملک میں معاشی ترقی کی کوشش ہے۔ اس کمیٹی کی جانب سے سات سال سے نمائشِ مصنوعاتِ ملکی کا انعقاد عمل میں آرہا ہے۔ مجھے فخر ہے کہ اس کمیٹی اور نمائش کے بانی میرے خاندان کے دو ممتاز نوجوان ہیں۔ چنانچہ میرے پھوپی زاد بھائی اور دیور شرف الدین صاحب بی اے عثمانیہ اپنی محنت و جانفشانی کی وجہ سے اس نمائش کے آنریری سکریٹری منتخب ہو رہے ہیں۔ آپ کو یہ سنکر تعجب ہوگا کہ نمائش کی ابتداء ڈھائی روپیہ سے ہوئی تھی۔ آج کمیٹی کافی سرمایہ کی مالک ہے۔ حکومت کی جانب سے پہلے سال ایک ہزار روپیہ کی امداد ملتی تھی۔ اب حکومت دس ہزار روپیہ سے امداد کر رہی ہے۔ بفضلہ سال بہ سال اس نمائش میں ترقی ہو رہی ہے۔ باہر سے آنے والی مصنوعات کی کمیابی نے ملک کی صنعت و حرفت کی ترقی کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ اور یوں ہر سال نمائش کی وجہ سے عوام کو ان سے واقف ہونے کا موقع حاصل ہو رہا ہے۔ کثیر نکاسی سے صناعوں کی خوب حوصلہ افزائی ہو رہی ہے۔

نمائش حیدرآباد کے مشہور مقام باغِ عامہ میں ہر سال منعقد کی جاتی ہے۔ خرید و فروخت کے ساتھ ضمناً تفریح کا بھی اچھا سامان مہیا ہوتا ہے۔ ہر سال مجلسِ نمائش کے لئے اعزازی عہدہ دار منتخب ہوتے ہیں۔ نمائش کے انتظام کے لئے سیکڑوں روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ ان اعزازی خدمت گزاروں کی جانفشانی اور دوسرے کے تعاون کی وجہ سے ہزاروں روپیہ کی آمدنی ہوتی ہے۔ معاشی کمیٹی رجسٹرڈ ہے لکسیں اس کی بڑی اچھی ساکھ قائم ہے۔ ملک کی معاشی اور صنعت و حرفت کی ترقی کی اسکیمیں اس کے زیرِ غور بھی ہیں۔ بڑے سے بڑے ذی مرتبہ حضرات اس کی صدارت کے لئے منتخب ہونے کو اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہیں۔

اعلیحضرت شہر یارِ دکن دربارہ نمائش کی خاص طور پر قدردانی و سرپرستی فرماتے ہیں۔ بہ نفسِ نفیس نمائش کا افتتاح فرماتے ہیں۔ اور نمائش کے آخری دن نمائش کو تمام و کمال ملاحظہ فرماتے ہیں۔ اس طرح مہینہ بھر نمائش کی شان باقی رہتی ہے۔

خدا کرے ہر سال نمائش زیادہ سے زیادہ ترقی کرے اور ملک کا نام روشن ہو۔

یہ دورہ ہے بنی آدم کی روز افزوں ترقی کا
جو آج ایک کام ہے اعلیٰ تو کل ہو اس سے اعلیٰ تر

حفیظہ جمال مسز برہان الدین حسین، حیدرآباد دکن

"بیوی تم کیا ہر دم نیکی نیکی کی رٹ لگائے جاتی ہو؟ نیکی کس جانور کا نام ہے تمہیں معلوم بھی ہے۔ نگوڑی پانچ وقتوں کی نماز میں سے کبھی ایک وقت بھی تمہیں پڑھتے نہیں دیکھی۔ اور جو کبھی خدا یاد آ گیا تو بھولے بھٹکے اللہ میاں پر احسان رکھنے کے لئے دو ٹکریں مار لیں۔ وہ بھی جلدی جلدی جیسے کوئی جلّاد سر پر کھڑا ہو۔ یا ریل گاڑی چھوٹ رہی ہو۔ نذر نیاز سے تمہیں واسطہ نہیں، پیر ولیوں کے عُرس سے تم کو سروکار نہیں۔ یہ کیوں نہ کہو کہ "پوری میم صاحب ہو۔" ساس جائے نماز پر یہ تقریر فرما رہی تھیں۔ ماما نورن پاس ہی بیٹھی بہو بیگم کی کچھ شکایت کر رہی تھی ـــــ بات یہ تھی کہ بچاری بھری پیاسی ایک کرسچن عورت دُکھ کی ماری اپنے بیمار بچے کو لے کر پریشان ڈاکٹر ظفر کا نام سُن کر دُلہن کے پاس آئی تھی۔ باہر کسی نے کہہ دیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب سے بہو بیگم کی قرابت داری ہے۔ اور ڈاکٹر موصوف بچّوں کے علاج کے ماہر مانے جاتے تھے۔ بہو بیگم ڈاکٹر صاحب کی چچیری بہن تھیں۔ چنانچہ نوکروں سے بمشکل نپٹ کر جب وہ مصیبت زدہ عورت بیمار بچے کو لے کر زنانخانہ میں پہنچی تو پہلے ماما نورن نے اُسے آڑے ہاتھوں لیا۔ اتفاق وقت یا اُس کی خوبیِ تقدیر دُلہن بی اُس وقت باورچی خانے سے کام کر کے نکل ہی رہی تھیں کہ ماما نورن کی دھتکار سُنائی دی۔ "نکل جا منحوس کہیں کی۔ صبح ہی صبح چلی آئی۔ تیرا بچّہ بیمار ہے تو ہم کیا کریں؟" بہو بیگم نے کہا۔ "نورن چُپ رہو۔ ذرا اس مصیبت زدہ کی بات تو سُن لینے دو۔ وہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے؟"

نورن بہو بیگم کی باتوں کو اَن سُنی کر کے اُسے بکتی جھکتی رہی۔ اتنے میں دُلہن نے معلوم کر لیا کہ اُس کا بچّہ مہینوں سے بیمار ہے۔ وہ عیسائی ہے اور مشن سے اُس کو مدد بھی ملتی ہے۔ شوہر مر چکا ہے اور یہ بچّہ اُس کی زندگی کا سہارا ہے۔ اسپتال کی تمام دوائیں بے سُود ثابت ہو چکی ہیں۔ اب وہ چاہتی ہے کہ کسی ماہرِ فن طبیب سے بچّے کا علاج کرائے۔ بچّہ نو ماہ سے رکیٹس میں گھُل گھُل کر جان دے رہا ہے۔

"بیوی اپنے بچّوں کا صدقہ، اپنی جان کا صدقہ ڈاکٹر ظفر کو ایک خط لکھ کر دے دو کہ مجھے دروازہ سے نامراد نہ واپس کر دیں۔ اور اس بچّے کا علاج شروع کریں۔" یہ کہہ کر وہ اُس کے پاؤں پر گر پڑی تھی۔ بہو بیگم نے اُسے اپنے قدموں سے اُٹھایا اور ایک چوکی پر بٹھا کر کچھ کھانے کو دیا ـــــ اگرچہ وہ اصرار کر رہی تھی کہ میں نہیں کھاؤں گی۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔ مگر اُس نے زبردستی اپنے فلاسک سے گرم چائے پیالی میں اُنڈیل کر اور کچھ بسکٹ کھانے کو دئے اور خود تعارفی خط ڈاکٹر صاحب کو لکھنے لگی۔

بھلا ہندوستانی دُلہن کو جس کی شادی کو ابھی صرف سال بھر ہوا تھا یہ آزادی اور خود مختاری کب زیبا ہے دُلہن کی اس خود رائی پر سب سے پہلے ماما نورن کو غصّہ آیا۔ پھر اُس نے نمک مرچ لگا کر یہ رپورٹ ساس کے آگے پیش کی۔ جس وقت یہ غریب عورت کھا پی کر تازہ دم ہو گئی اور تعارفی خط لے کر اُمیدوں بھری ڈاکٹر ظفر کے ہاں جانے لگی تو اُس کا چہرہ بشاش اور اُمید سے تر و تازہ ہو رہا تھا اور دُلہن کو اس نیکی کے حصول سے حقیقی مسرت حاصل ہو رہی تھی۔ کہ اُس نے اپنا انسانی فرض ادا کیا۔ ماما کو اپنی شکست کا بہت بُری طرح احساس ہوا اور اُس نے بہو سے انتقام لینے کا حتمی فیصلہ کر لیا۔ اب چاہے نورن رہے یا جائے مگر بہو دُلہن

کو ساس کی نظروں میں ضرور گرا کر چھوڑے گی۔ چنانچہ اس نے ساس سے جاکر ایک کی دس لگائیں۔

ساس سنتے ہی چراغ پا ہوگئیں۔ اور فوراً دلہن کی طلبی ہوئی۔ باز پرس ہوئی۔ دُلہن نے نیچی نظر کرکے سہم کر جواب دیا کہ "اماں ضرورت مند کی مدد کرنا بہت بڑی نیکی ہے"

"جی ہاں اُس دن جیسا نرگس چڑیل کباب کھا گئی اور آپ نے اُس کی چوری چھپا کر کہہ دیا۔ کہ "میں لے گئی تھی" اور کہہ دیا کہ کسی کی عیب پوشی کرنا نیکی ہے"۔ نورن نے اینٹھ کر کہا۔

"جی ہاں بڑی نیک بنتی ہیں۔ اور رات دن نیکی کا دم بھرتی ہیں"۔ ساس نے مکرر کہا۔ "بیوی ایسی ہی نیکی کرنا ہے تو تمام چور اُچکوں کو گھر میں جگہ دے دو۔ وہ نیکی کمائیں گے اور تمہارے نام بخش دائیں گے۔ دلہن مجھے یہ سب خود درائی پسند نہیں خاص کر غیر قوموں کے ساتھ اس قدر دلچسپی مجھے پھوٹے دیدوں نہیں بھاتی۔ تمہارے ماں باوا نے تمہیں انگریزی پڑھا لکھا اور مِسوں کے ساتھ دوستی کرا کر نیم عیسائی بنا دیا ہے۔ اسی لئے تو تمہیں اُس دن پیر دولت شاہ کے آستانہ پر جانے میں عذر ہوا۔ کیا ہوتا اگر تم ہماری خاطر ہی سہی عُرس شریف میں شرکت کرکے منت مان لیتیں۔ میرا اور دُنیا میں ہے کون؟ یہی مرحوم زندہ کی نشانی آبن میاں ہیں۔ اور مدتوں سے یہ تمنا دل میں لئے بیٹھی ہوں۔ (آہ سرد بھر کر) کون ٹھکانا ہے، کس روز بلاوا آجائے۔ اور پوتے دیکھنے کی تمنا دل ہی میں رہ جائے۔ مگر تم نے میری بات نہ مانی۔ اس لئے کہ تمہارے دماغ میں تو انگریزیت سمائی ہوئی تھی۔ تم کو اپنی عیسائی سہیلیوں سے جو عقیدت ہے وہ بھلا ان پیر ولیوں سے کیسے ہوسکتی ہے۔ ان کو کھلانا پلانا تو نیکی ہے مگر تکیہ دار فقیروں کو کھلانے میں مسٹنڈوں کو بیکار بنانے کا الزام لگاتی ہو۔ یہی تو تمہاری دُور اندیشی ہے۔ بتاؤ۔۔۔ ہاں جواب دو۔ چُپ کیوں ہوگئیں"؟

"اماں جان! بے ادبی معاف یہ آپ کی تنگ دلی ہے جو مدد کے وقت ذات اور پات کی رکاوٹ ڈالتی ہیں۔ حاجت مند خواہ وہ کوئی ہو قابلِ رحم ہے۔ اور اُس کی مدد کرنی بہت بڑی عبادت ہے۔ کیونکہ خدا نے ہمدردی کے لئے ہی انسان کو پیدا کیا۔ اور اُسے اشرف المخلوقات خطاب کرکے سرفراز فرمایا۔ اُس کی تخلیق میں شیر، ہاتھی، بھیڑیا، گیدڑ، گدھے تقریباً ۱۸ ہزار مخلوقات موجود ہیں۔ اور اس اجتماع کثیر کے اندر یہ مٹھی بھر انسان ساری خلقت کا سردار ہے۔ غور سے ملاحظہ فرمائیے تو سب اس کے زیر تابع اور سب اس سے خائف ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنے فہم و ادراک اور ہمدردی کی بدولت سب کو اپنی مٹھی میں کئے ہوئے ہے۔ پس اگر ہم اور آپ کسی مجبور کی مدد کریں، کسی گرتے ہوئے کو سنبھالیں، کسی زخم خوردہ شخص کے دل پر ہمدردی اور خدمت سے مرہم رکھیں تو خالق کو اپنی اس بدنصیب ضرورت مند مخلوق سے ہمدردی کرنے میں اُس بندے پر ناز ہوگا۔ اور وہ اپنی حق شناسی کی داد اس دُنیا میں ہی پالیتا ہے۔ اگر میں نے نرگس کو زیادہ ذلیل ہونے سے بچالیا تو کوئی برائی نہیں کی۔ وہ عادی چور ہونے سے بچ گئی جس قدر زیادہ شور و غل کیا جاتا وہ ڈھیٹ ہو جاتی اور جس کام کو انتہائی پوشیدگی سے کر چکی تھی، دوبارہ ڈھٹائی کے ساتھ کرتی۔

گذشتہ جمعہ کو محلہ کے نواب صاحب کے یہاں عقیقہ تھا۔ سینکڑوں امیر کھا کر گئے۔ اور بے حساب فقیروں نے بھی کھایا۔ مگر چند مظلوم ننگے بھوکے بچے کھانے کے لالچ یا صرف تماشہ دیکھنے کے خیال سے آکر کھڑے ہوگئے تھے۔ اُن کو کھلانے پلانے کے بجائے نوکروں نے چابک مار کر نکال باہر کیا۔ وہ کہنے لگے کہ ہم بھی مٹھائی کھائیں گے، بھوکے ہیں، تو ذرا سختی

نے اِس قدر گرج دار آواز سے للکارا کہ وہ کانپتے ہوئے باہر نکل گئے۔ حالانکہ کتنے فقیر مشٹنڈے ہٹے کٹے آئے۔ اور دھتکارے گئے۔ بیگم صاحبہ کی خدمت میں آنے جانے والی ڈومنیاں میراثنیں کھا پی کر انعام لے کر لوٹیں۔ مگر اصلی ضرورت مند جو دس دروازوں کی صدا نہیں لگا سکتے ہیں پُر حسرت یہاں سے نکالے گئے۔ کیا اِسی کا نام نیکی ہے۔ دس فقیروں کو نہ کھلائیے۔ اِس کے بدلے آپ ایک سچ مچ بھوکے طالبعلم یا مسافر کو کھلا دیجئے اُس کا دوگنا ثواب ہوگا۔

امّاں جان بہت جگہ میں نے دیکھا ہے کہ اپنے غریب رشتہ دار بھوکے، ننگے، تہیدست موجود ہیں اور اُن کو اپنا کہہ کر قبولنا بھی گوارا نہیں۔ مگر باہر کے غریبوں اور فقیروں کی مدد کی جاتی ہے۔ اپنے عزیز جو قریب ہیں اُن کی دہلیز پر قدم نہیں دھر سکتے۔ اِس لئے کہ امیر رشتہ دار کی ناک نیچی ہوگی۔ حالانکہ ہمارا فرض ہے کہ پہلے غریب رشتہ داروں کی مدد کریں۔ امیر لوگ یتیم خانوں میں ماہوار چندہ دینا تو ثواب سمجھتے ہیں مگر بہت ایسے ہیں جن کے دُور کے رشتہ دار بھائی، بھتیجے اور بھانجے تعلیم پانے اور انسانی صف میں قدم رکھنے کے لئے بیتاب ہیں مگر وہ اُن کی پروا بھی نہیں کرتے۔"

بیگم صاحبہ بہو کی یہ بات سُن کر خاموش ہوگئیں۔ اُس وقت نورن نے یہ ٹہوکا دیا۔

"اچھا بہو بیگم آپ نے اُس کرسٹانی کو پیالی میں چائے دے کر اُسے جو ناپاک کر دیا؟"

دُلہن نے بگڑ کر کہا "پیالی کو پرے پھینک دو۔ یوں تو وہ نجس کسی طرح بھی نہیں ہوئی۔"

"تو کیا آپ اس پیالی میں چائے پینا پسند کریں گی" نورن نے کہا۔

"کیوں نہیں؟" دُلہن نے جواب دیا۔ "جب اسے مانجھ دھو کر صاف کر دیا جائے گا تو اِس میں پینے میں کوئی مضائقہ نہیں"

"واہ وا۔ میں نہ کہتی تھی کہ دُلہن اسکول اور کالج میں رہ کر چھوت چھات کی بھی قائل نہیں رہی۔ اجی آخر وہ سور کھاتے ہیں، ناپاک ہونٹوں سے جو چیز چھوئی گئی وہ ناپاک ہوئی۔"

"اور پھر مانجھ دھو کر بھی وہ پاک نہیں ہو سکتی؟ آخر دن بھر میں ہزاروں قسم کی غلاظتیں ہمارے ہاتھوں میں لگتی ہیں پھر اُنہیں دھو کر ہم پاک کر لیتے ہیں۔ اُسی ہاتھ سے کھاتے پیتے اور جسم کے اس حصّہ کو الگ کئے بغیر نمازیں پڑھتے اور قرآن مجید چھوتے ہیں۔ البتّہ مٹّی کے برتن جس میں جذب ہونے کا احتمال ہے ناپاک ہو جاتا ہے۔ مگر شیشے دھات یا چینی کے برتن کبھی ناپاک نہیں ہوتے۔" دلہن نے جواب دیا۔

"اور سُنئے، امّاں بی! اگر اُس کا بچّہ بھائی ظفر کے علاج سے جانبر ہو گیا تو ہمیں اُس کے جان بچانے کی کتنی خوشی ہوگی۔ اور اس کا ثواب جو خدا کے ہاں سے ملے گا سو الگ۔ پھر وہ عورت خوش ہو کر اپنے بچے کو آغوش میں لے کر فخر سے کہے گی کہ "ننھے تو بھی بڑا ہو کر ڈاکٹر بننا اور دوسرے ننھے منّے بچّوں کی جان بچانا۔ اور ہاں بیگم دلہن جیسی بیوی بیاہ کر لانا۔ جس کو دوسروں کی ضرورت، دُکھ اور درد کا احساس ہو۔ امّاں جان پانچ وقت کی نماز اور شبانہ روز کی عبادتوں سے بڑھ کر یہ نیک کام ہے۔"

جمیلہ بیگم۔ کلکتہ

(بقیہ ص ۱۷۲ کا) نہ ہو رہ۔ مَیں مسلمان ہوں شیعہ گھرانے میں پیدا ہوئی لیکن کسی فرقہ سے مجھے تعصّب نہیں۔ کسی مذہب پر یا اُس کے پیشوا پر حملہ کرنا نہیں چاہتی۔ نہ کسی کو بُرا کہتی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ سب مسلمان ایک ہو جائیں تاکہ ہماری قوت بڑھے اور ہم کو دوسری کوئی قوم گرا نہ سکے۔ یہ جب ہی ہوگا کہ ہم فرقہ بندی کا خیال چھوڑ دیں۔ مسلمان چاہے کسی فرقہ میں ہوں نیک کام کریں اور بندگانِ خدا کی خدمت کرتے رہیں۔ دُنیا اور آخرت کی بہتری اسی میں ہے۔

صغرا ہمایوں

حال مقیم بمبئی

چند مشورے

فروری کے عصمت میں بہن شمیم آراجہاں نے اپنے مضمون "نئی دُلہن" میں چند قدیم رسُوم کی طرف توجہّ دلائی ہے۔ مَیں بھی بہن صاحبہ کی تائید کرتی ہوں پھر اِس ترقی یافتہ زمانہ میں اُن رسوم کی جو محض فضول و بیکار ہیں تہذیب یافتہ عورتوں کے لئے زیبا نہیں۔ اور پھر یہ تمام رسمیں قدیم زمانے کے لحاظ سے وجود میں آئی تھیں۔ اور اُس زمانہ کے ماحول کے لحاظ سے ٹھیک بھی تھیں مگر اب نہیں اُسی طرح قائم نہیں رکھنا چاہیئے۔ بہن صاحبہ نے جن رسوم کا ذکر کیا ہے وہ نہ صرف صوبہ متحدہ میں ہیں بلکہ تھوڑے سے تغیّر کے ساتھ تقریبًا سارے ہندوستان میں اور ہمارے حیدرآباد میں ہیں۔

کان ناک چھیدنا:۔ یہ رسم عمومًا بچپن میں ہر جگہ ادا کی جاتی ہے لیکن میں بہنوں سے پوچھتی ہوں کہ کیا ضروری ہے کہ اب بھی ہر لڑکی کی ناک اور کان چھیدے جائیں۔ پہلے تو یہ قدیم رسم نہ جانے کس وجہ سے جاہلیت کے دَور میں شروع ہوئی تھی۔ لیکن اب اِس کو کیوں قائم رکھا جائے۔ اور پھر اِس طرح ناک کان میں سوراخ کرلنے سے بدنمائی اَور بھی بڑھ جاتی ہے اور پھر اِن سوراخوں میں گول گول بالیاں لٹکا لینا تو محض دیوانگی معلوم ہوتا ہے۔ میں تو جب کبھی کسی دُلہن کو نتھ وغیرہ پہنے دیکھتی ہوں تو یہی کہتی ہوں، شاید یہ شوہر صاحب کی تواضع کے لئے لٹکائی گئی ہے۔ تاکہ بیوی صاحبہ اگر شرارت کریں تو اس گول گول نتھ سے دھاگہ کی ڈور باندھ کر اپنے قبضے میں کیا جائے۔ اور کانوں کی بالیوں میں ڈوریں باندھ کر جانور کی طرح ہانکا جائے۔ ہاں اگر حُسن میں خوبصورتی پیدا کرنا مقصود ہو تو ایرنگ پہنائے جائیں۔ اور وہ بھی کھٹکے کے۔

لباس:۔ ہر لڑکی کی خواہش ہوا کرتی ہے کہ وہ من مانے کپڑے پہنے۔ لڑکپن آخر کیوں خشک زاہد کی طرح سفید لباس میں گذار دیا جائے۔ لڑکیاں جوان ہوتی ہیں تو اُن کی آرزو و ارمان اَور زیادہ بڑھ جاتے ہیں اور خاص کر لباس۔ وہ ذرا رنگ برنگی پہننے کی تمنا کرتی ہیں۔ تاکہ اپنی سکھی سہیلیوں میں آن بان سے رہ سکیں۔ لیکن اُن کی خواہشوں کو کچل ڈالنا محض جہالت ہے۔ اور پھر آجکل کے زمانہ میں تو ہر جوان لڑکی یہی چاہتی ہے کہ وہ اپنے جسم پر اچھا لباس پہنے۔ اور ایک قسم کا لباس پہننے پر مجبور کرنا تو اپنی لڑکیوں کو دوسرے معنوں میں جلانا ہے۔ آپ یہی چاہتی ہیں کہ آپ کی لڑکیاں خوش رہ سکیں۔ تو پھر آپ لباس کے معاملہ میں اتنی سختی کیوں کر رہی ہیں؟

اور پھر میں اکثر دیکھتی ہوں کہ لڑکیوں کو نئی نئی اَوڑھنیوں اور شلواروں کی خواہش ہوتی ہے کیونکہ جب وہ مدرسہ جاتی ہیں تو وہاں غیر اقوام کی لڑکیاں اچھی رنگ برنگی اوڑھنیاں اوڑھ کر آتی ہیں لیکن یہ دیکھ دیکھ کر مری جاتی ہیں۔ میرا تو مشورہ ہے کہ پڑھنے لکھنے والی لڑکیوں کو جبکہ وہ لڑکپن میں ہوں یا جوان ہوں سلیقے کا لباس پہنانا چاہیئے۔ اور خود ماں کو اس کا خیال کرنا چاہیئے۔

پردہ:۔ یہ مسئلہ تو اتنا پُرانا ہے کہ میں پھر اِس بحث کو اُٹھانا نہیں چاہتی ورنہ دیوبندی جماعت میری رہی سہی ہستی پر فتووں کے نعرے ہی برسا دے گی۔ اور سچ پوچھو تو مَیں اِس قسم کے پردہ کی ہرگز قائل نہیں جس طرح کہ آج کل کیا جاتا ہے اور لڑکی کو گھر میں مقیّد رکھنا کوئی شرعی پردہ نہیں۔ ہمارے حیدرآباد میں بھی اَور مقاموں کی طرح پردہ کیا جاتا ہے۔ بلکہ اَور زیادہ سختی سے پابندی کرائی جاتی ہے۔ میں صرف اتنا کہوں گی کہ پردہ تو کرایا جائے لیکن لڑکی کو مقیّد نہ کر دیا جائے۔ اور پھر اسلام بھی اِس طرح مقیّد رکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ میں اِس کو بُرا سمجھتی ہوں کہ ہماری بہنیں بالکل بے باک ہو جائیں۔ جلسوں، سینماؤں، بازاروں میں

مردوں کے دوش بدوش گھومتی پھریں۔ اس قسم کے پردے
میں تبدیلی ہونی چاہیئے۔ عورت کلب، بازار، سینما جائے لیکن
اس طرح بے باک ہو کر نہیں۔ برقعہ پہن کر جاوے اور پھر ایسے کلب میں جائیں
جہاں صرف عورتیں ہوں اور ایسے کالجوں میں تعلیم حاصل کریں
جو صرف عورتوں کے لئے ہوں۔ کیوں آخر مردوں کے دوش بدوش
تعلیم حاصل کریں۔

میں اس کو بھی پسند نہیں کرتی کہ اکثر والدین لڑکی کو گھر کی
چار دیواری میں ایسا قید کر ڈالتے ہیں کہ اس کی جان عذاب میں
پڑ جاتی ہے اور وہ اس عذاب سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہے اور نتائج
تباہ کن نکلتے ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ والدین اپنی قدیم رسم کی
وجہ سے بغیر سوچے سمجھے سخت پردہ کراتے ہیں جس سے لڑکی مجبور
ہو جاتی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ پردہ ایسا ہو جس سے لڑکی کی صحت
اچھی رہ سکے۔ وہ آزاد رہ کر بھی مقیّد رہے۔ اور اپنی زندگی
خوش خرّم گذار سکے۔ کوئی بار محسوس نہ کرے۔

تعلیم:- اس باب میں بھی ہمارے اکثر ہندوستانی گھرانے
بہت پیچھے ہیں۔ اب بھی وہ لڑکیوں کو معمولی تعلیم دلا کر جاہل کی
جاہل رکھنا پسند کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکیوں کی
زندگیاں تباہ ہو جاتی ہیں۔ مجھ کو سخت افسوس ہے کہ اکثر والدین
جان بوجھ کر بھی لڑکیوں کو معقول تعلیم نہیں دلاتے وہ یہی چاہتے
ہیں کہ لڑکیاں برباد ہو جائیں لیکن آخر کب تک برباد ہوتی رہیں
کیا اب بھی ہندوستانی عورت ناخواندہ ہی رہے گی...... آخر
کب تک؟؟ میرا مشورہ ہے کہ اب رجعت پسند عورتیں اپنی لڑکیوں
کی تعلیم کی طرف زیادہ توجہ کریں۔ زمانہ بہت آگے نکل چکا ہے اُن
کو چاہیئے کہ زمانہ کا ساتھ دیں اور پھر مذہب بھی تو یہی کہتا ہے کہ:۔
طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة۔ ضرور اعلیٰ
تعلیم دلاؤ لیکن گھریلو کام کاج، سینا پرونا، شوہر کی خدمت وغیرہ
کے ساتھ ساتھ حساب، جغرافیہ، نفسیات، تاریخ، سائنس (ہائی جین)
وغیرہ کی بھی تعلیم دلواؤ تاکہ وہ دنیا کو سمجھ سکے۔ اپنی زندگی کے
مقصد کو سمجھ سکے۔ ورنہ اس کی جہالت خود اس کے لئے تباہ کن
ثابت نہ ہوگی بلکہ ساری قوم کے لئے مضر ہوگی۔ اگر اس طرح جاہل
عورتوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا تو پھر سارا ہندوستان ناخواندہ
بن جائے گا۔ اور اس کی آئندہ حیثیت محض غلام کی رہے گی میرا مشورہ
یہی ہے کہ لڑکیوں کو پڑھائیں، کالجوں میں پڑھائیں، اعلیٰ تعلیم دلوائیں۔
تاکہ جب وہ ماں بنیں تو اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت اچھی کر سکیں
ورنہ جاہل ماں سے قوم کی درستگی ممکن نہیں۔

رضامندی:- یہ مسئلہ بھی قابل توجّہ ہے کہ لڑکی کی رضامندی
لی جائے یا نہ لی جائے لیکن اسلام تو اس کی اجازت دیتا ہے کہ
رضامندی لی جائے اور لڑکی کی خواہش اور پسند سے ہی شادی
ہو۔ کیونکہ دونوں کو عمر بھر ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنا ہے۔
میں یہی کہوں گی کہ اس معاملہ میں لڑکی کو بالکل آزادی دی جائے
خود والدین اس معاملہ میں ہرگز پہل نہ کریں اور نہ مجبور۔ کیونکہ یہ
معاملہ زندگی کا ہے۔ اگر آپ لڑکی کی شادی بغیر پسند اور مجبوری سے
کرتے ہیں تو گویا آپ اس کے حق میں ظلم کرتے ہیں۔ جو کسی باپ اور
کسی ماں کے لئے جائز نہیں۔ میں پوچھتی ہوں آخر آپ والدین کا
لاڈ پیار کہاں چلا جاتا ہے، کیا اُس وقت آپ کی خواہش نہیں ہوتی
کہ اپنی لڑکی کی خواہش بھی پوچھ لیں اور اس کی خوشی و مسرّت کی
کوشش کریں لیکن تقریباً سارے ہندوستان میں ایسا نہیں ہوتا۔
ہر جگہ لڑکی خاموش گڑیا کی طرح بیاہ دی جاتی ہے۔ خواہ وہ سسرال
جا کر مرے یا جیئے والدین کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ افسوس ہے
اُن والدین پر۔ آخر یہ کب تک ظلم و مظلومیت کا دور دورہ رہیگا۔
آخر ہندوستانی لڑکیاں کب تک خوشی حاصل کر سکیں گی۔ کیا ابھی
وہ زمانہ نہیں آیا۔ بہنو! ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو کیا آپ
کو لطف آتا ہے کہ آپ کی لڑکیاں جل جل کر مر جائیں اور آپ
دیکھا کریں۔ پھر آپ یہ کیوں نہیں چاہتیں کہ اپنی لڑکیوں کی رضامندی
طلب کریں...... میرا مشورہ ہے کہ آئندہ سے لڑکیوں کی
شادی کے معاملہ میں اُن کی اپنی رضامندی اور پسند کو مقدم
سمجھا جائے۔ اور اُن کی پسند سے ہی شادی کی جائے۔

جلوا:- الوداعی لمحوں میں یہ طریقہ اکثر جگہ ہے کہ دولہا کو زنانہ

میں بُلایا جاتا ہے۔ اور اُس کو چوکی پر دُلہن کے مقابل بٹھا دیا جاتا ہے۔ میں اِس چوکی کی رسم کو پسند نہیں کرتی۔ اِس رسم کو اب چھوڑ دینا چاہیئے۔

میرا تو مشورہ یہ ہے کہ دولھا کو اندر بُلا یا جائے اور کسی صوفے پر دُلہن کے ساتھ بٹھا دیا جائے۔ دُلہن اُس وقت زیادہ نہ شرمائے اور نہ ہی آنکھیں بند کرکے بُت کی طرح خاموش بیٹھی رہے۔ ہاں تھوڑا سا گھونگٹ چہرہ پر ڈالے رہے۔ اور دولھا آئینہ میں دُلہن کی صورت دیکھنے کی بجائے خود گھونگٹ ہٹا کر اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اور انگوٹھیاں پہنائی جائیں دونوں ایک دوسرے کو پہنائیں تو اچھا ہے۔ کیونکہ اس کو ایک عہد و پیمان سمجھنا چاہیئے۔ جو دونوں اس وقت سب کے سامنے باندھتے ہیں۔ اس کے بعد دولھا دولہن اُٹھیں اور موٹر میں جا کر بیٹھ جائیں۔ ہمارے حیدر آباد میں تو آج کل یہی طریقہ ہے کہ دُلہن موٹر میں ہی سُسرال جاتی ہے۔ دولھا گود میں اُٹھا کر نہ لے جائے۔ دولھا کوئی مہم تو سر نہیں کر رہا ہے اور نہ کوئی جنگ کرکے وہ دُلہن کو بھگائے لئے جا رہا ہے۔ موجودہ دَور میں تو شادی خوشی اور رضامندی سے طے پاتی ہے۔ پھر اِس قدیم رسم کو کیوں قائم رکھا جائے۔

غرض میں نے اپنی بہنوں کے سامنے چند مشورے پیش کر دئے ہیں۔ اب آپ کی مرضی ان کو ویسے ہی قائم رکھیں یا اس میں ترمیم کریں۔

میں آخر میں یہی کہوں گی کہ بہنیں اب ان قدیم رسُوم میں ضرور تبدیلی کریں

قمر انجم حیدر آباد دکن

آغا خانی خوجے

میں جب پُونہ یا بمبئی جاتی ہوں تو خیال ہوتا ہے کہ خوجوں کے حالات لکھوں مگر اس عنوان پر اب تک قلم اُٹھانے کی نوبت نہ آئی۔ پونہ میں جس مکان میں میرا قیام تھا اُس کے سامنے خوجوں کا جماعت خانہ ہے۔ تین بجے رات سے عورتیں اور مرد سب مِل کر عبادت کرتے ہیں۔ ان کی نماز اور قرآن سب گجراتی اور سندھی اور کچھی زبان میں ہوتا ہے۔ نہایت شیریں آواز سے پڑھتے ہیں۔ آفتاب نکلنے تک پڑھتے رہتے ہیں۔ ان کے تین فرقے ہیں۔ شیعہ۔ سُنّی۔ آغا خانی۔ پہلے تو سب آغا خانی تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ شیعہ سُنّی ہو گئے۔ سُنّی اپنی مسجد میں عبادت کرتے ہیں اور شیعہ اپنی مسجد میں۔ آغا خانی خوجے اپنے جماعت خانے میں۔ گجراتی، سندھی زبان میں عبادت کرتے ہیں۔ اگرچہ عورتیں مردوں کے ساتھ ساتھ عبادت کرتی ہیں لیکن لباس ستر پوش سر اور تمام بدن آنچل سے ڈھکا ہوتا ہے۔ یہ عورتیں پردہ نہیں کرتیں۔ بازار جاتی ہیں سینما جاتی ہیں۔ مہمان نواز، ملنسار، مزاج میں غصہ نہیں۔ نہایت نرم طبیعت، خانہ داری، پرورشِ اولاد، کفایت شعار ہوتی ہیں۔ ممکن ہے بعض عورتیں ایسی نہ ہوں لیکن میں نے عام حالت لکھی ہے۔

بمبئی کا جماعت خانہ بہت بڑی تین منزلہ عمارت ہے۔ اس میں ایک بہت بڑا دالان ہے جس میں سنگِ مرمر کا فرش ہے۔ ایک منبر سنگِ مرمر کا رکھا ہوا ہے۔ دیواروں پر حضرت علیؓ۔ امام حسنؑ۔ امام حسینؑ۔ حضرت عباسؓ کی تصویریں لگی ہوئی ہیں۔ ایک تخت پر اور تبرکات رکھے ہوئے ہیں۔ میں جب گئی تھی اُس وقت عورتیں پھول چڑھا رہی تھیں۔ بہت بڑے دالان میں بیچ میں حوض ہے۔ نیچے کا حصہ عبادت کا ہے۔ اس کے اوپر کے حصہ میں لڑکوں کا اسکول ہے۔ تیسری منزل پر لڑکیوں کا اسکول ہے۔ بڑے بڑے کمرے، ایک ایک کمرے میں دس دس دروازے، سامنے کھلے ہوئے برآمدے ہیں۔ لڑکیوں کے کپڑے صاف ستھرے اور صورتیں بھی پیاری پیاری تھیں۔ دس بجے کا

وقت تھا۔ لڑکیاں گجراتی زبان میں خدا کی حمد سُریلی آواز میں
گا رہی تھیں۔ پھر اپنی اپنی کلاس میں چلی گئیں۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں
اس اسکول میں ۲۸۱ لڑکیاں تھیں۔ ان کا خرچ خوجے اٹھاتے
ہیں۔ یہ جماعت خانہ آغا حسن علی شاہ صاحب آغا خاں اول
کے وقت کا ہے۔ لڑکیوں کے اسکول میں نو جماعتیں تھیں
اور تیرہ اُستانیاں۔ جن میں مسلمان تین۔ پارسی چار۔ ہندو چھ
نگراں کار اس وقت محمد علی صاحب خوجہ تھے۔

آغا خانی فرقہ کا طریقہ چاہے کچھ ہو مسلمان تو ضرور ہیں،
خدمتِ مخلوق کے لئے تیار۔ بہت سے سُنّی ہو گئے بہت سے شیعہ ہیں۔
لیکن سب یہی کہتے ہیں کہ ہم آغا خاں کے شکرگزار ہیں کہ انہوں نے
ہم کو سیدھا راستہ بتایا۔ ورنہ ہم پہلے ہندو تھے۔

آغا خانی مشنری جا ہر شہر میں تبلیغ کا کام کرتے ہیں۔ مدرسے
قائم کرتے ہیں۔ ابھی پونہ میں ابو العلی صاحب مشنری آئے تھے
انہوں نے مجھ سے کہا "ہم ہندو تھے چند سال ہوئے کہ مسلمان
ہو گئے۔ لاہور میں ۱۹۱۹ء میں دس ہزار ہندو مسلمان ہو کر آغا خانی
فرقہ میں داخل ہوئے۔ بمبئی، کاٹھیاواڑ، گجرات، رنگ بار وغیرہ
میں بڑے بڑے تاجر خوجے ہیں۔ ان لوگوں نے تجارت کے ذریعہ
دولت حاصل کی ہے۔ ملک کی خدمت بھی خوجے بہت کر رہے ہیں۔
قائدِ اعظم محمد علی جناح صاحب بھی خوجہ جماعت سے ہیں۔

سر کریم بھائی صاحب نے یتیم خانہ کھولا ہے۔ سر رحمت اللہ صاحب
داؤد بھائی فاضل بھائی نے چالیس لاکھ کا وقف کیا ہے۔ اس
کی آمدنی سے عام مسلمانوں کو اسکالرشپ دے کر یورپ، امریکہ،
علی گڑھ وغیرہ بھیجا جاتا ہے۔ سینکڑوں ہزاروں لڑکوں نے اس
وقف سے اسکالرشپ لے کر تعلیم حاصل کی ہے۔ بہت سے یورپ وغیرہ
جا کر نامور ڈاکٹر اور بیرسٹر بنے ہیں۔ عورتوں کے لئے صنعت و حرفت
کا بہت بڑا اسکول ہے۔ جہاں وہ دستکاری سیکھتی ہیں۔

احمد بھائی حبیب بھائی صاحب نے پانچ منزلہ عمارت بنائی ہے
ایک منزل میں زچہ خانہ ہے۔ دو میں یتیم خانے ہیں۔ دو میں ہسپتال۔
مکان دیا جاتا ہے۔ یتیم خانے کا انتظام کھانے وغیرہ کا بہت
اچھا ہے۔ ایک دوکان کھولی ہے۔ غریبوں کو بیس روپیہ کا مال
دس روپیہ میں دیا جاتا ہے۔ اور ایک نیک کام کرتے ہیں قرآن
کا ترجمہ غریبوں سے کرواتے ہیں۔ جب وہ کر کے لاتے ہیں تو دریافت
کیا جاتا ہے کس کے کتنے بچے ہیں۔ اسی حساب سے روزانہ کسی کو ۱۲،
کسی کو علم مزدوری دی جاتی ہے۔ تاکہ بھیک مانگنے کی عادت
نہ ہو۔ اور قرآن شریف کے معنی یاد ہو جائیں۔

جلہ بھائی لال جی صاحب کا مسافر خانہ محلہ ڈونگر میں ہے۔
غلام حسین الو مدراج صاحب اور دیوجی بھائی جمال صاحب کے مسافر خانے
بھی بڑا کام کر رہے ہیں۔ خان بہادر بچو الی صاحب نے آنکھوں
کے علاج کا ہسپتال بنایا ہے۔ جہاں غریبوں کا مفت علاج
کیا جاتا ہے۔ سر کریم بھائی اول نے بھی یتیم خانہ بنایا ہے ماگرن
میں۔ زینب بائی صاحبہ نے بھی یتیم خانہ بنایا جو خوجہ محلہ میں ہے۔

خوجوں کی ایک ہیلپنگ سوسائٹی بھی ہے جس کا کام یہ ہے
کہ بیماری کے وقت غریبوں کو جس چیز کی ضرورت ہو مثلاً برف
سر پر رکھنے کی ربڑ کی تھیلی۔ گرم پانی کی ربڑ کی تھیلی۔ تھرمامیٹر۔
بیڈ پین۔ اگر ہو سکے تو دوا بھی اُن کو مفت دی جائے۔ جب بیمار
اچھا ہو جاتا ہے تو وہ سب چیزیں واپس لا کر دے دیتا ہے۔ اگر کوئی
مسافر اپنے وطن جانا چاہے تو اُس کو وہی سوسائٹی روپے دے کر
بھجوا دیتی ہے۔

علی محمد پیر محمد الوپارہ ایک ٹرسٹ ہے جس میں غریبوں
کو سستے کرایہ پر کمرے دیئے جاتے ہیں۔ اور دوا وغیرہ مفت دی جاتی
ہے۔ قیصر بائی صاحبہ خوجنی نے قیصر باغ میں امام باڑہ بنایا ہے۔
انہوں نے ۴۰ ہزار روپیہ دئے۔ باقی چندہ جمع کیا گیا۔ اب وہ
عمارت دو لاکھ سے زیادہ کی ہے۔ محرم میں اس میں دس دن تک مجلسیں
ہوا کرتی ہیں۔ سُنا ہے ہزاروں لوگ شریک ہوتے ہیں۔ محرم کے
بعد بڑے بڑے جلسے اور شادیاں وغیرہ وہاں ہوتی ہیں۔ یہ عقیدہ
کے مسلمان کے لئے کھلا ہوا ہے

خوجہ جماعت کی شادیاں ہوتی ہیں۔ دس روپیہ دئے جاتے ہیں فرش۔ برتن۔ کوچ۔ کرسیاں۔ دیگیں وغیرہ سب چیزیں موجود رہتی ہیں کوئی چیز بازار سے منگانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ صرف کھانے پکانے کی رقم فی آدمی کے حساب سے دے دی جاتی ہے۔ ایک حصّہ میں دولھا والے ٹھیرتے ہیں۔ دوسرے میں دلہن والے۔ امیر غریب سب وہیں جاکر شادی کرتے ہیں۔

بندہ علی محمد بھائی صاحب نے خوجہ شیعہ جماعت کے لئے ایک دواخانہ وقف کیا ہے جس میں غریب خوجوں کو دوا وغیرہ مفت دی جاتی ہے۔ ہفتہ میں دو مرتبہ بڑا ڈاکٹر اُن کو دیکھتا ہے۔ اگر کوئی سخت بیماری ہے تو اُس کو دوسرے ہسپتال میں بھجوایا جاتا ہے۔

مسٹر فاضل موراج صاحب انجنیر ہیں۔ ایک زمانہ سے فاضل بھائی ٹرسٹ کا کام کرتے ہیں۔ اور اسکول وغیرہ چلاتے ہیں۔

پونہ میں دوست محمد پیر محمد صاحب کی لڑکیوں کا یتیم خانہ ہے۔

حیدرآباد دکن میں خان بہادر احمد علاؤ الدین صاحب احمد نواز جنگ نے بہت خیرات کی ہے۔ کارِ خیر میں بہت چندہ دیا ہے۔ ایک مکان ڈیڑھ لاکھ کا بنایا ہے۔ اس کے کرایہ سے تعلیمی وظیفے غریبوں کو دئے جاتے ہیں۔ دوسری بلڈنگ بننے والی ہے۔ جس کا سنگِ بنیاد حضرت اقدس و اعلیٰ خسروِ دکن و برار نے رکھا جو پانچ لاکھ کی عمارت ہوگی۔ اس کی آمدنی مدینہ کے غریبوں کو دی جائے گی۔

سیجن لال صاحب بھی حیدرآباد میں رہتے تھے۔ وہ بھی خوجہ تھے۔ مہر علی فاضل صاحب جو چیف انجنیر حیدرآباد میں تھے اُن کے خسر تھے۔ اُنہوں نے بہت خیرات کی جب حیدرآباد میں قحط پڑا اُس وقت چاول، پیسے غربا کو مفت تقسیم کرتے تھے آج تک اُن کا نام حیدرآباد میں مشہور ہے۔

خوجہ خواتین بھی بہت کام کر رہی ہیں۔ جن جن کے نام مجھے یاد ہیں لکھتی ہوں۔ کیونکہ میں حیدرآباد کی رہنے والی یہاں کے حالات سے زیادہ واقف نہیں۔ دوسرے یہ کہ میں اس وقت صرف خوجہ جماعت کا حال لکھ رہی ہوں۔ بمبئی، دکھنی مسلمان، ایرانی مسلمانوں کا حال نہیں لکھ رہی ہوں۔

کلثوم سیانی صاحبہ خوجن ہیں۔ رہبر اخبار پندرہ روزہ نکالتی ہیں۔ تعلیم بالغان کے اسکول قائم کئے ہیں۔ آل انڈیا وومینس کانفرنس کی سکریٹری ہیں۔ تقریریں کرتی ہیں پبلک کام بہت کرتی ہیں۔

نورماں بائی موراج صاحبہ نے کانگریس میں بہت کام کیا ہے۔ جب جناح صاحب کانگریس میں تھے یہ بھی کام کرتی تھیں۔ پکٹنگ برابر کرتی تھیں۔ دوکانیں بند کراتی تھیں۔ خلافت کے کام میں بیگم مولانا محمد علی صاحب کے ساتھ انہوں نے بہت چندہ جمع کیا۔ عورتوں کو دستکاری سکھانے کا مدرسہ قائم کیا۔ اور بنی ہوئی چیزیں فروخت کرتی ہیں۔ اب لڑکیوں کے لئے پالش کا کارخانہ کھولا ہے۔ ناخن پر پالش کرنے کا۔ اس کے سوا خاندان کے سب عزیزوں کی ترقی و کامیابی کی فکر میں رہتی ہیں۔ بیماروں کی خبرگیری کرتی ہیں۔ خانہ داری بہت اچھی کرتی ہیں۔

خورشید بائی سے راج بیر بھائی بھی مسلم لیگ میں کام کرتی ہیں۔

فاطمہ جناح صاحبہ جو قائدِ اعظم کی بہن ہیں وہ بھی مسلم لیگ میں کام کرتی ہیں۔ اور قائدِ اعظم کے ساتھ ہمیشہ ہر کام میں شریک رہتی ہیں۔ اُن کے کھانے کا اُن کی صحت کا خیال رکھتی ہیں سب سے بڑا کام وہی ہے۔

سکینہ بائی سوم جی صاحبہ جو ایک بیرسٹر کی بی بی ہیں مسلم لیگ کا کام کرتی ہیں۔ اور اردو مدارس چلاتی ہیں۔

ڈاکٹر شیریں بائی پٹیل نے ایک نرسنگ ہوم قائم کیا ہے۔ غریبوں سے کم فیس لیا کرتی ہیں۔ پبلک کام کرتی ہیں۔

کلثوم غلام حسین جنابائی صاحبہ۔ مسز ناتھانی صاحبہ نے ایک انجمن باندرا میں قائم کی ہے۔ غریبوں کے گھر جاتی ہیں۔ اُن کو کپڑے وغیرہ دیتی ہیں وہ انجمن کی ممبر بھی ہوگئی ہیں۔

میں نے جو کچھ لکھا ہے اُس میں کچھ تو چشم دید حالات ہیں اور کچھ سُن کر میں نہ خوجہ جماعت سے ... [illegible]

مسافر

محمود نے کھڑکی سے باہر میدان میں پھیلی ہوئی چاندنی کو دیکھا۔ ٹرین اپنی پوری رفتار سے جا رہی تھی لیکن اس کے باوجود کھڑکیوں میں سے باہر کی ہلکی ہلکی ٹھنڈک سے ایسا معلوم ہوا جیسے سوئی ہوئی کائنات کا دل گہری نیند میں دھڑک رہا ہے۔ اچانک چاندنی رات میں ہر شے سکون دکھائی دے رہی تھی۔ اُسے خود ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا اپنا وجود بھی اسی سکون میں تحلیل ہو رہا ہے اور اس نے سوچا "کاش ہم انسان نہ ہوتے بلکہ پتھر جیسے اونچے نیچے پہاڑی سلسلے درخت۔ درخت یا چاندنی رات یا پھر کچھ اور۔ ۔" اور اس نے ضلع ہزارہ کی بارغ کی صحت بخش اور خنک ہوا کو اپنے گالوں سے چھوتے ہوئے ایک عجیب سا حظ محسوس کیا۔

باہر کی طرف نظریں جمائے ہوئے غیر ارادی طور پر اس نے اپنا سگریٹ کیس کھولا لیکن جب سگریٹ کو لبوں سے دبا کر دیا سلائی ڈھونڈنے کے لئے اسے مڑنا پڑا۔ تو اس نے دیکھا پاس والے برتھ پر بیٹھے ہوئے ایک صاحب ادھیڑ عمر کے مولوی صاحب ایک نوجوان ہندو طالب علم سے کسی اہم مسئلہ پر سرگرم بحث تھے ان سے لگے ہوئے ایک سیٹھ جی ایک پنجابی سے روزگار کے "مندا" ہونے کا شکوہ، کاروباری زبان کے منطقی و غیر منطقی الجھاؤ میں سلجھا سلجھا کر کر رہے تھے۔ ٹرین کے شور کی وجہ سے بولنے والوں کی آوازیں ممتاز طور پر بلند تھیں۔ مولوی صاحب نے کہا "آج کل کے لڑکوں نے تنگ کی ایک تعلیم ہم سے ازدواج کے لئے مصیبت پیدا کر دی ہے۔"

طالب علم نے جواب دیا "جی میں یہی عرض کر رہا تھا آخر لڑکیوں کے والدین بھی تو گریجویٹ کی تلاش میں اپنے ٹھیک [illegible]
[illegible]

"لاحول ولا قوۃ" محمود نے سوچا "ازدواج، ازدواج کا مسئلہ بھی عجیب مصیبت بن گیا ہے۔ آخر ایسے سہانے سمے میں ان مولوی صاحب کو ایک ہندو نوجوان سے ازدواج کے مسئلہ پر بحث کی کیا پڑی ہے۔ ۔ لیکن اس نے غور کیا" حقیقت ہر جگہ اپنے کو ظاہر کرتی رہتی ہے۔ ازدواج، تنگ، امارت غریب، امیروں کے روپے غریبوں کا ہنر۔ ۔ " اسے الجھن سی ہونے لگی اور اس الجھن سے بچنے کے لئے اس نے دوسری جانب والے برتھ کی طرف یونہی نگاہیں دوڑا دیں۔ جس پر گیا جنکشن سے سوار ہونے والی بنگالی خاتون سو رہی تھی۔ اس کی ریشمی چادر مونڈھوں سے ڈھلک کر برتھ کے نیچے لٹک رہی تھی اور اس کے چہرے پر وسیع میدانوں میں پھیلی ہوئی چاندنی کا وہی سکون تھا جس سے محمود چند سکنڈ پہلے لطف اٹھا رہا تھا۔ اس نے سوئی ہوئی خاتون کی نیند کے سکون پر رشک کرتے ہوئے ایک لمحے کو اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر گاڑ دیں اور سوچا "ایک ہی درجے میں بظاہر ایک ہی ماحول سے متاثر ہوتے ہوئے ہم دونوں میں کس قدر بُعد ہے۔ سکون اور اضطراب!"

مولوی صاحب نے کہا "لڑکے جس فرعونیت سے کام لیتے ہیں وہ ۔ ۔ " اور محمود کا ذہن خلاف خواہش پھر اس ہنگامہ کی طرف منتقل ہو گیا۔ اور اس نے اس سے بچنے کے لئے دوبارہ سوئی ہوئی خاتون کی طرف نگاہیں دوڑائیں۔ اس بار قصداً اس نے اس کے خدوخال کو ذرا تنقیدی نظر سے دیکھنا شروع کیا تاکہ وہ اپنے ذہن کو مولوی صاحب کی گفتگو کے الجھا دینے والے اثرات سے محفوظ رہ سکے۔ کتنا دلفریب [illegible] آنکھیں گول چہرہ [illegible]

ہی مانوس سی شکل گھومنے لگی۔ بڑی بڑی آنکھیں جیسے منعمہ کی۔ اور "منعمہ، منعمہ" کی صدا اس کے ذہن میں ٹکرانے لگی۔

مولوی صاحب نے سماج کے ایک سچے خادم کے پورے جوش کو اپنے شانوں کی جنبش سے ظاہر کرتے ہوئے کہا "آئندہ سماج کی ابتری کی ساری ذمہ داری آپ ہی جیسے نوجوانوں پر ہوگی"

"لیکن" محمود نے سوچا "سماج کی ابتری کے لئے آخر نوجوان ہی کیوں ذمہ دار ہوں۔ خود ان کی ابتری کے لئے کون ذمہ دار ہے؟" اور یہ سوال ایک استفہامیہ (؟) کی شکل بن کر اس کے ذہن میں چکر کاٹنے لگا اور اس استفہامیہ نے پھر وہی کشادہ پیشانی، بڑی بڑی آنکھوں، گول چہرے کی شکل اختیار کر لی۔ اور اس کے ذہن نے دہرایا "منعمہ منعمہ" محمود نے سوچا "منعمہ ہی کیوں، اس کی ماموں زاد بہن۔ بنگالی خاتون کیوں نہیں۔ اور معاً اس کے تصور نے دیکھا "وہ اسکول کا ایک طالب علم ہے، ذہین، تیز اور محنتی، درجہ میں ہمیشہ اول آنے والا سالانہ جلسوں میں سب سے زیادہ انعامات لینے والا اور اس کے ماموں جان۔ ۔ ۔ "لیکن ماموں جان کے پاس تو روپے تھے اور وہ ایک غریب طالب علم" اور پھر اس کی نگاہ و تصور نے دیکھا ایک بھولا بھالا سا لڑکا آنکھوں میں آنسو بھرے ماموں جان کے سامنے کھڑا اسکول کی فیس طلب کر رہا تھا اور اس کے جواب میں اُسے بیسیوں صلواتیں مل رہی تھیں۔ محمود کا دل زور سے دھڑکنے لگا اور اس کے سر میں چکر آنے لگے۔

پنجابی فوجی نے پوچھا "یہ کون سا سٹیشن ہے جی؟"

سیٹھ جی نے کہا "پرساباد"

محمود کا سر چکرا رہا تھا۔ اور باوجودیکہ ٹرین ساکت اسٹیشن پر کھڑی تھی، اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے اس کے سر میں بیسیوں انجن چل رہے ہوں۔

اس نے صراحی سے پانی نکالا اور پینے لگا۔ بنگالی خاتون بیٹھی [illegible] تھی اور [illegible] پانی پلانے کو [illegible] رہی تھی۔ "پرساباد" کہہ [illegible] سا اسٹیشن ہے۔ پھر [illegible] بنگالی خاتون کو پانی نہ مل سکا اور اُس نے مڑ کر محمود کی طرف دیکھا جو اب تک ہاتھ میں گلاس پکڑے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ محمود کو ایسا معلوم ہوا جیسے اُس کی نگاہیں پوچھ رہی ہوں "کیا تم پانی پی چکے ہو؟"

اور محمود نے گلاس بھر کر کہا "اگر آپ کو عذر نہ ہو تو پانی حاضر ہے"

بنگالی خاتون نے تھینکس کہہ کر گلاس لے لیا۔ اور پینے لگی۔ محمود نے پھر دیکھا، کشادہ پیشانی بڑی بڑی آنکھیں، گول چہرہ جو ذرا بیضاوی ہوتے ہوئے حسین کہلا سکتا ہے۔

خاتون نے گلاس خالی کر کے محمود کی طرف "شکریہ" کہتے ہوئے بڑھا دیا۔ گلاس لیتے ہوئے محمود کی نگاہیں اس کی نگاہوں سے ملیں جو سراپا اظہارِ ممنونیت تھیں اور اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے یہ نگاہیں اچھی طرح آشنا تھیں۔ اس نے اکثر اس نگاہ کو دیکھا تھا۔ کہاں؟ اور اس کے ذہن نے پھر دہرایا "منعمہ منعمہ"

لیکن منعمہ تو ایک امیر باپ کی بیٹی تھی۔ اور وہ صرف ایم۔ اے۔ کاغذ کے ایک بیکار ٹکڑے کا مالک اور ماموں جان نے بھی تو اکثر یہی کہا تھا۔

"لیکن" اس نے سوچا "ماموں جان بَر کی تلاش میں اب پریشان سے ہیں۔ کسی اچھے بَر کی تلاش میں۔ کوئی گریجوایٹ کاغذ کے ایک بیکار ٹکڑے کا مالک۔ لیکن۔ لیکن" اور اس کی نگاہوں میں عباس اور توحید کی صورتیں پھرنے لگیں۔ بیکار سے گریجوایٹ جنہوں نے ماموں جان کی امیرانہ توجہ کو اپنی جانب کھینچ لیا تھا لیکن وہ خود بھی تو ۔ ۔ ۔ " اور محمود کے تصور نے دیکھا کہ آپا جی نے جب ممانی جان سے یہ کہا تھا کہ محمود اور منعمہ میں شاید تین سال کی چھوٹائی بڑائی ہے۔ تو منعمہ اٹھ کر چل دی تھی۔ اور خود اس کی کنپٹیوں میں گرم گرم خون کا دوران محسوس ہونے لگا تھا۔ اور پھر اس کے کانوں نے سنا ممانی جان کہہ رہی تھیں کچھ یونہی دبی دبی زبان سے "نہیں۔ باتیں تو بہت سی آ رہی ہیں۔ اللہ رکھے۔ اور ہاں یوں میاں محمود کو قانون پڑھنے کا سہارا ہو سکتا ہے" اور کچھ یونہی اکھڑی اکھڑی سی باتیں۔ لیکن محمود اٹھ کر چلا آیا تھا مگر محمود نے دل میں

میں سوچا" عباس اور توحید دونوں ہی نے تو انکار کر دیا تھا" اور اس کے ذہن سے ٹکرایا۔

" قانون پڑھنے کا سہارا " اور اس کی مجبوریاں غیر ارادی طور پر تیز ہو گئیں۔ اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی خود داری کو ٹھیس سی لگ رہی ہو۔ لیکن منعمہ کے خیالات کیا تھے؟" اس کے ذہن نے سوال کیا "اس کے خیالات میرے متعلق کیا ہو سکتے ہیں؟" اور اس سوال نے ایک بہت بڑے استفہامیہ نشان کی شکل میں اس کے سامنے گھومنا شروع کیا۔

ٹرین ہزاری باغ روڈ پہنچ چکی تھی۔ کمپارٹمنٹ پورا خالی ہو چکا تھا۔ بنگالی خاتون نے جاتے ہوئے ایک متبسم نگاہ محمود پر ڈالی جیسے وہ پوچھ رہی ہو "مسافر تم کہاں سے آ رہے ہو، کہاں جاؤ گے، اور اتنی دیر تک آخر تم سوچتے کیا رہے ہو؟"

ٹرین پھر روانہ ہو گئی۔ وہی پر سکون چاندنی، رات ہر طرف پھیلی ہوئی تھی لیکن محمود نے اپنے کو اس بار اس سکون میں تحلیل ہوتے نہیں دیکھا۔ ہر درخت اور جھاڑی، ہزاری باغ کے پہاڑی سلسلے کا ہر پتھر ایک استفہامیہ (؟) کی شکل میں تحلیل ہو کر اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔

اس نے سوچا" بنگالی خاتون کی نگاہیں۔ کشادہ پیشانی۔ بڑی بڑی آنکھیں، گول چہرہ منعمہ میں"؛ اور پھر وہی استفہامیہ نشان اس کے سامنے گھومنے لگا۔ اور اس نے کہا اپنی آواز کو بلند کرتے ہوئے۔ جیسے اپنی آواز سے اس نے اپنے ذہنی انتشار کو مطمئن کر دیا "ہم مسافر ہیں۔ صرف مسافر"

ست پرکاش

پردے کا روشن رُخ

فرمایا ایک دوست نے عورت کے باب میں — مردوں کی جان زار ہے اس سے عذاب میں
بدشکل ہے، تو موجبِ دل بستگی نہیں — شوہر کو اس کی ذات سے کوئی خوشی نہیں
گر حُسنِ اتفاق سے وہ دیدہ زیب ہے — گفتار ساحرانہ، ادا دل فریب ہے
وہ اپنے دامِ حسن میں سب کو پھنسائے گی — خاوند کو جہان کا دشمن بنائے گی
کچھ نام ہی کو حُسن ہے گر خدّ و خال میں — اور دل کشی نہیں ہے کچھ ایسی جمال میں
شوہر کو اس سے ہوگا تو کچھ روز التفات — لیکن پھر اس کے بعد نہ پوچھے گا اس کی بات
پائے گا جب کشش ہی نہ اس کے جمال میں — کیا لائے گا پھر اس کو وہ اپنے خیال میں
جاتی رہیں گی دل کی امنگیں رہی سہی — اپنے کئے پہ ہوگا پشیمان آپ ہی
دیکھے گا رہ گزر میں وہ جب گلعذار کو — کر دے گا چاک دامنِ صبر و قرار کو
بدشکل ہوں، حسین ہوں کہ خوش رُو برائے نام — مردوں کو عورتوں سے اذیت ہے لاکلام

میں نے یہ عرض کی کہ جو بے پردگی نہ ہو — مردوں کو عورتوں سے کوئی کوفت ہی نہ ہو
حیوان کم خرد میں ہے کچھ نہ کچھ جمال — ان کی ہر ایک مادہ ہے یکساں بخدّ و خال
عورت کے حسن میں ہے تنوع مگر جناب — کیونکہ نہ ہے نہ مرد کی مجبور چشمِ انتخاب
نیرنگیٔ جمال کو دیکھے اگر نہ مرد — سمجھے وہ اپنی زوجہ ہی کو خوبیوں میں فرد
گر حسن خود نما میں یہ آوارگی نہ ہو — بے وجہ دل فگار کوئی آدمی نہ ہو

اسرارِ نفسیات پہ دیں کی نگاہ ہے
پردے کی احتیاج پہ فطرت گواہ ہے

محمود اسرائیلی

مفید ترکاریاں

جب انسان نے اس دنیا میں قدم رکھا ہے تو یہاں بہت سی چیزیں از قسم جمادات۔ نباتات وحیوانات پیدا ہو چکی تھیں انہیں میں سے بعض چیزیں آدمی کی خوراک بنیں۔ چنانچہ ابتدائی انسانوں نے گھاس پات یا بعض حیوانوں کے گوشت سے اپنے پیٹ کی آگ بجھائی۔ اور وہ انہی کے سہارے زندہ رہے۔

پھر اسی گھاس پات نے ترقی پاکر موجودہ غلوں اور اناجوں کی صورت اختیار کی۔ ورنہ گندم، ماش وغیرہ تمام غلے (جن کا آٹا یا دالیں بنائی جاتی ہیں) اوّل گھاس ہی تھے یعنی ترقی یافتہ غلہ آدمی کی محنت، کوشش، غور وفکر اور دماغ سوزی کا نتیجہ ہے۔ اور پھل وغیرہ بھی۔

ہم جو پتے۔ پھل اور جڑیں۔ آج کل کھا رہے ہیں وہ قدیم زمانے کے انسان کی خوراک کی یادگار ہیں۔

ہاں! یہ تحفے ہمیں انہیں بزرگوں سے نسلاً بعد نسل پہنچے ہیں۔ مگر درمیانی زمانوں کے لوگوں نے بھی ان کو ترقی دی ہے۔ اور اس زمانے میں تو ترقی کا یہ حال ہے کہ سیب کو نشوونما دے کر ایک ترقی یافتہ ملک کے ایک سائنس داں نے ایک چھوٹے کدے کی برابر بنا لیا ہے۔ اور سلسلۂ ترقی آج بھی جاری ہے۔ اور لامحدود زمانے تک جاری رہے گا۔

بہرحال سبزی، آجکل کے انسان کی خوراک کا ایک ضروری جزو ہے۔ اور نہایت مفید۔ یہاں تک کہ اس کے بغیر صحت قائم نہیں رہ سکتی۔ بلکہ زندگی ممکن نہیں ہو سکتی۔ سبزی آدمی کے بدن میں ویسے ہی طاقت پیدا کرتی ہے۔ گھوڑوں۔ بیلوں۔ گایوں اور دیگر حیوانات کے جسم میں یاد رہے کہ گھاس پات میں وٹامن (ے حیاتین الف) بڑی مقدار میں پائی جاتی ہے۔ پس گھوڑے۔ بیل وغیرہ جو ان وٹامن ہی کی وجہ سے آدمی سے بہت زیادہ محنت کرتے۔ آدمی سے بہت زیادہ تندرست رہتے۔ اور آدمی کی نسبت بہت کم بیمار ہوتے ہیں۔ اسی لئے ان کے طبیب ڈاکٹر انسان سے کم ہیں۔

جو سبزیاں انسان کھا رہا ہے۔ ان میں بھی وٹامن لے شامل ہے۔ اس لئے وہ ضرور کھانی چاہئے۔ ہندوستان بحیثیت مجموعی سبزی خور ملک ہے۔ خصوصاً قدیم زمانے میں بالکل سبزی پر گزارا کرتا تھا۔ اور اس کے کھانے کی تاکید مذہبی رنگ میں کی گئی تھی۔ مہاتما بدھ کا ہندوستان بھی سبزی خور تھا۔ اور آج بھی جو دوسرے ملکوں کے مقابلے میں سبزی کھاتا ہے۔ وہ ہمارا ہندوستان ہی ہے یہاں سبزیاں ہوتی بھی بکثرت ہیں۔ اور اس لئے سستی بھی ہیں مگر جنگ نے بیش بہا کر دی ہیں۔

آج ہم اس مضمون میں چار ایسی چیزوں کا ذکر کریں گے جو نہایت مفید ہیں۔ یعنی گاجر۔ مولی۔ شلجم اور آلو کا۔ کیونکہ یہ مفید ہونے کے علاوہ سستی بھی ہیں۔ مگر افسوس کہ خاص و عام ان کے فائدوں سے واقف نہیں۔ ان کو غریب سے غریب آدمی بھی کھا سکتا ہے۔ مگر ناواقفیت کی وجہ سے ان کی طرف کم توجہ کی جاتی ہے۔

گاجر

گاجر گویا غریبوں کے واسطے سیب ہے بلکہ سیب سے زیادہ مفید مگر سستی کوڑیوں کے مول۔ گاجر کو فارسی زبان میں زردک اور عربی میں جزر کہتے ہیں۔

گاجر عام اور سستی چیز ہے۔ اس کا مزہ میٹھا ہوتا ہے سیاہ اور زرد رنگ کی ہوتی ہے مگر سیاہ رنگ کی [illegible]

اور زیادہ شیریں ہوتی ہے۔ یونانی طب نے گاجروں کا مزاج گرم تر قرار دیا ہے۔

گاجر جسم کو عام طاقت دینے کے علاوہ جگر اور معدہ کو مفید ہے۔ بلغم کو دفع کرتی ہے۔ اس میں وٹامن اے بہت زیادہ ہے۔ اور مردوں اور عورتوں دونوں کو طاقت دیتی ہے۔

گاجریں دل کی کمزوری۔ خون کی کمی۔ خون کے دباؤ کی کمی۔ قبض۔ ذیابیطس اور آنکھوں کی کمزوری دفع کرتی ہیں اور اکسیر سے کم نہیں جن لوگوں کے اندھا ہو جانے کا خطرہ ہو گیا تھا۔ ان کو وٹامن اے دیا گیا۔ تو ان کی آنکھیں دوبارہ روشن ہو گئیں۔ میں نے ابھی گاجریں کھائی ہیں۔ اور سامنے رکھی ہوئی ہیں۔

گاجریں ایک بار میں آدھ سیر سے کم نہیں کھانی چاہئیں کیونکہ وہ فائدہ اسی صورت میں دیں گی۔ کچی نہ کھائی جائیں تو ابالیں مگر پانی کم ڈالیں۔ اس قدر کہ ان میں جذب ہو جائے لیکن کچی یا ابلی ہوئی چھیلے بغیر بھی کھائیں۔ ورنہ وٹامن کی زیادہ مقدار ضائع ہو جائے گی۔

گاجریں پکا کر ان کا سالن روٹی کے ساتھ کھایا جا سکتا ہے۔ اور کھاتے ہیں۔ گوشت میں ڈال کر بھی پکاتے اور کھاتے ہیں۔ صوبہ متحدہ میں جب گاجر کا موسم ہوتا ہے تو کاٹ کر سکھا لیتے ہیں۔ پھر ان کا آٹا پسوا کر گرم موسم میں ان کے ستو پیتے ہیں۔ ان کا مربا اور اچار بھی بنایا جاتا ہے اور حلوا بھی۔

اچار بنانے کا طریقہ گاجریں کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر لیں۔ اور انہیں ایک چینی کے برتن میں بھر کر برتن کا باقی حصہ پانی سے بھر دیں اس میں اچار کا مسالا نمک اور رائی بھی ڈال دیں۔ اور ڈھک کر رکھ دیں۔ بس چند روز میں اچار تیار ہو جائے گا۔ بس کھائیں مگر تھوڑی مقدار میں۔ ورنہ دیگر اچاروں کی مانند نقصان دیں گے۔

دوسرا طریقہ گاجریں کاٹ کر تیز سرکے میں ڈال کر اچار تیار کریں۔ یہ اچار تلی کے بڑھ جانے کو مفید ہے نہار منہ تھوڑا تھوڑا کھائیں۔

حلوا تیار کرنا گاجریں دھو کر کاٹ لیں۔ اور ان کی اتھوا (نیڑے یعنی درمیانی سخت حصہ) نکال کر پھینک دیں۔

ان گاجروں اور نصف وزن چھوہاروں کو دودھ میں پکا کر ان کا کھویا بنا لیں۔ پھر خوب گھوٹ کر گھی میں بھون لیں۔ اور دو چند وزن کی کھانڈ کی چاشنی بنا کر اس میں بنا ہوا کھویا ڈال کر اور خوب گھوٹ کر حلوا بنا لیں۔ اور اس میں بادام، کھوپرا۔ مغز چلغوزا۔ اور کشمش بھی شامل کر لیں۔ مزے دار اور طاقت دہ حلوا بن جائے گا۔ جو قوت بھی بڑھائے گا۔ موسم سرما میں استعمال کریں۔

دیگر گاجریں اور چھوارے پانی میں ابال کر ان کے نیڑے اور گٹھلیاں نکال پھینکیں۔ پھر ان کو گھی میں بھون لیں اور اس کے بعد کھانڈ کی چاشنی بنائیں۔ اور کھویا ڈال کر اسے خوب گھوٹ کر پکا لیں۔ اور بادام پستہ۔ تربوز کے بیج کا مغز اور دیگر مغزیات شامل کر لیں۔ نہایت لذیذ حلوا بن جائے گا موسم سرما میں زیادہ فائدہ دے گا۔ بدن کو طاقت دے گا۔

وٹامن اے کے فائدے اس کا نام حیاتین الف ہے یہ عموماً ہر سبزی میں ہوتا ہے۔ مگر گاجروں میں زیادہ ہے۔ یہ دودھ۔ دہی۔ مکھن۔ گھی وغیرہ بھی ہوتا ہے۔ مگر سبزی سے آتا ہے۔ کاڈ لیور آئل مچھلی کے تیل اور انڈے میں بھی ہوتا ہے۔ گیہوں جو اور گوشت میں بھی ہے۔ مگر کم۔ یہ وٹامن جسم کے اندر پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ خوراک (سبزی) کے ساتھ باہر سے جاتا ہے اور جگر کے اندر اس کا ذخیرہ جمع ہوتا رہتا ہے۔ مکھن میں بھی اس کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ یہ پالک۔ گوبھی۔ اور ٹماٹر کے اندر بھی کافی ہوتا ہے۔ مگر سبزی بھوننے اور زیادہ پکانے سے ضائع ہو جاتا ہے اس لئے سبزی بھوننی نہیں چاہئے۔

اور پکانی بھی ہلکی آنچ پر چاہئے۔ بہتر ہو کہ بھاپ میں پکائیں۔ سبزی کا کچا کھانا زیادہ اچھا ہے کہ وٹامن ضائع ہونے نہیں پاتے۔ گاجر وغیرہ کچی بے تکلف کھائی جاتی ہے۔ سبز مٹر اور سبز پتے ضرور کھانے چاہئیں۔

اس وٹامن کا ذخیرہ جگر کے اندر رہتا ہے پس جگر کی کمزوری اور جگر کی بیماریاں اس بات کی علامات ہیں کہ جگر کے اندر اس وٹامن کا ذخیرہ موجود نہیں۔

جس شخص کو یہ وٹامن نہ ملے وہ چند روز تو بدستور بڑھتا رہے گا۔ کیونکہ پہلا ذخیرہ کام دیتا جائے گا۔ مگر پھر دبلا ہونے لگے گا۔ اور اس کے بدن میں بیماریوں کے کیڑے پیدا ہو جائیں۔

اس وٹامن کے جسم میں نہ ہونے کی علامات ہیں آنکھ کا غیر معمولی طور پر نازک ہو جانا۔ آنکھوں میں ورم آ جانا۔ یا آنکھ سے پیپ اور خون نکلنا۔ ناخونہ (ککرے) پڑ جانا۔ پلکوں میں جھلکا سا پیدا ہو جانا۔ اور ورم کی وجہ سے آنکھیں بند ہو جانا اگر یہ کمی جلد پوری نہ کی جائے تو آدمی بینائی سے محروم بلکہ اس سے پہلے ہی موت کا شکار ہو سکتا ہے۔ اگر آنکھ کی خرابی زیادہ نہ ہو تو (مقامی علاج کے بغیر) یہ وٹامن دینے سے دور ہو جاتی ہے۔

اس وٹامن کی بچوں کو زیادہ ضرورت ہے عمر کی زیادتی کے ساتھ اس کے بغیر گزارا ہو سکتا ہے۔ مگر زیادہ مدت تک نہیں۔ بلکہ بیماری آ دباتی ہے۔ عورتوں کو بھی اس کی ضرورت ہے۔ بچوں کی بیماری کمزوری۔ آنکھوں کے مرض۔ اندھاپن اور کم سنی کی موت کا تعلق وٹامن کے میسر نہ آنے کے ساتھ ہے۔ پس بچوں کو کافی عمدہ سبزیاں۔ گاجر۔ مولی۔ وغیرہ یا دودھ اور مکھن دینا چاہئے۔ کیونکہ وہ اسی سے نشوونما پا سکتے ہیں اور بیماریوں سے محفوظ زندہ سلامت رہ سکتے ہیں۔ گاجر اس وٹامن کس قدر سستا ہے پس اس سے کام لیں۔

علاوہ ازیں زیادہ عمر کے آدمیوں کو بھی اس وٹامن کی ضرورت ہے۔ جگر کی کمزوری اور جگر کی دوسری بیماریاں۔ بدن نہ بڑھنا۔ کوتاہ قدمی۔ دبلا پن۔ آنکھ کی کمزوری۔ نابینائی۔ اور قبل از موت۔ یہ تمام خرابیاں وٹامن اے کے غذا میں نہ ہونے کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ پس ہر عمر کے آدمیوں کو خوراک میں اس کے شامل کرنے کا انتظام کرنا چاہئے۔ تاکہ ان کا بدن کافی نشوونما پا سکے۔ اور بیماریوں کے حملے۔ نیز غیر طبعی موت سے محفوظ رہے۔

ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ وٹامن گاجر میں بمقدار کثیر ہے پس گاجر کھانے والا آدمی ان تمام خرابیوں اور بیماریوں سے بچ سکتا ہے۔

(۲) مولی

مولی کا فارسی نام ترب ہے۔ مزہ تیز ہے۔ یہ ذرا سخت ہے اسی واسطے نمک مرچ لگا کر کھاتے ہیں۔ اور پکا کر روٹی کے ساتھ کھاتے ہیں۔ اس میں بھی وٹامن اے موجود ہے۔ اس واسطے اسے ضرور کھانا چاہئے۔ مولی ہاضم اور دافع ریح شکم ہے تلی کا ورم دفع کرتی اور بند پیشاب کھولتی ہے۔ اس کے کھانے سے وہ تمام خرابیاں اور بیماریاں ہو سکتی ہیں جس کا ذکر وٹامن اے میں ہو چکا ہے۔

مولی کی پتیوں کا پانی نظر کو تیز کرتا ہے۔ جوشاندہ پانی کھانسی دفع اور سینہ صاف کرتا ہے۔ مولی کا عرق ہاضم غذا ہے۔

مولی کا لیپ کرنا۔ داد دفع کرتا ہے۔

مولی کا پانی شہد میں ملا کر آنکھوں میں لگانا۔ نزول الماء (پانی اترآنا) کو دفع کرتا ہے۔

مولی کا اچار سرکے میں ڈالو۔ یہ تلی کا ورم دور کرتا ہے۔ سرکے میں نمک اور تھوڑا سا چونا کھا بھی ڈال دیں۔ مولی کے بیج (جو سرخی مائل سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں) داروں میں کام آتے ہیں۔ اگر سانپ ڈس لے یا کوئی زہر دار موذی جانور کاٹ کھائے تو شربت میں بیج پیس کر لیپ کر دیں آرام ہو جائے گا۔

بیج شہد میں پیس کر لگائیں تو جھائیں دفع کرے۔ اور بیج ...

نفخ شکم کو بھی رفع کرے۔ مدت تک لگانے سے گنج بھی دور ہو گا۔ اور بال نکل آئیں۔ بیجوں کا لقوہ فالج دور کرتا اور مقوی ہے۔ تمام سرد بیماریوں اور دردوں کا علاج ہے۔

(۳) شلجم اور شلغم

مشہور ترکاری ہے۔ عمدہ قسم سرخ ہے۔ اس میں غذائیت زیادہ ہے۔ نظر اور طاقت بڑھاتا ہے۔ کھانسی اور سینہ دم صاف کرتا ہے۔ بھوک لگاتا ہے۔ نیز پیشاب کھولتا ہے۔ اس میں وٹامن اے شامل ہے۔ اس لئے اس وٹامن کے تمام فائدے اس میں موجود ہیں۔ اس کے بیج بطور دوا کام میں لائے جاتے ہیں۔

(۴) آلو

عام ترکاری ہے۔ انگلستان اور یورپ کے دیگر ملکوں میں تو آلو روٹی کی جگہ کھائے جاتے ہیں۔ ہیضم زود اور دیر میں ہضم ہوتا ہے مگر قوت بڑھاتا ہے۔ مثانے کو بھی طاقت دیتا ہے۔ دست بند کرتا ہے۔ اگر اس کا سرمہ بنا کر آنکھوں میں لگائیں تو طاقت دیتا ہے۔ جلے ہوئے حصہ جسم پر لگانے سے جلن کم کرتا ہے۔ یہ زخم جلد خشک کرتا ہے۔

یہ دراصل امریکہ سے یہاں آیا تھا۔ مگر یہ بات سب بھول گئے۔ اور آلو ہندوستان بن گیا۔

(۵) ادرک

نام فارسی زنگبیل، عربی زنجبیل، اور انگریزی جنجر ہے۔ خشک ادرک کو سونٹھ کہتے ہیں۔ مگر سونٹھ کو امتیاز کے لئے زنجبیل یابس اور ادرک کو زنجبیل رطب کہنا مناسب ہے کیونکہ ... دور کرتا ہے۔

یہ مشہور چیز یعنی جڑ ہے۔ اس کا پودا ہندوستان میں [illegible]

گرمی نہیں ہے۔ یہ گرم مزاجوں کو موافق اور مفید نہیں۔ حلق پر بھی خراب اثر کرتا ہے۔ سرد تر چیزیں (شہد اور بادام روغن) اس کی مصلح ہیں۔

خاص اثرات نفخ شکم، معدہ کی سردی اور جگر اور آنتوں کی سردی دور کر دیتا ہے۔ ابتدائی استسقا میں بھی نافع ہے۔ اور ان میں تحریک پیدا کرتا ہے۔

افعال و خواص و فوائد اس میں طبعی حرارت اور ایک خاص نوع کی خوشبو ہے۔ اور قوت جذب و تخفیف بھی رکھتا ہے۔ مقوی معدہ۔ کاسر ریاح ہے۔ معدہ اور جگر کی سردی دور کرتا ہے۔ ہاضمہ تیز کرتا ہے۔ آنتوں کو قوت دیتا۔ ریحی امراض دور کرتا اور مقوی حافظہ ہے

ادرک جگر کے سدّے کھولتا جسم کو قوت دیتا بلغم کاٹتا طبیعت نرم کرتا۔ اور معدہ سے کرم اور دماغ سے رطوبت نکالتا ہے۔ بدہضمی۔ اعصاب کی سردی اور فالج دور کرتا ہے۔

ادرک سے جوارش۔ حب۔ عرق۔ مربہ وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹروں نے اس کا ٹنکچر۔ اسنس اور شربت وغیرہ تیار کئے ہیں۔ جو ٹنکچر جنجر۔ اسنس جنجر اور سیرپ آف جنجر کے نام سے مشہور ہیں۔ اور ڈاکٹری کے اکثر نسخوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس سے نمکین جوہر بھی نکالا جاتا ہے۔

(۱) دافع ضرر میوہ جات مصری اور کندر کے ساتھ استعمال کریں۔

(۲) دافع درد کمر وغیرہ۔ دھو کر اور صاف کر کے چھیل کر باریک ورق سے کاٹیں۔ اور اس میں نمک لگا لیں۔ پھر گھی میں بھون لیں۔ اور مع گھی کے کھائیں۔

(۳) دافع ناخونہ پھلی۔ اس کا عرق آنکھ میں لگائیں۔

(۴) درد سر و بلغمی ورم۔ کوٹ کر لیپ کریں۔

مظفر حسین اطہر دہلوی

[illegible]

کیا آپ کو معلوم ہے

۱۔ سب سے وزنی دماغ جواب تک دریافت ہو سکا۔ آلیور کرامویل کا تھا جس کا وزن نوے اونس تھا۔ عام طور پر اوسط وزن انسانی دماغ کا اکیاون اونس ہوتا ہے۔

۲۔ کاغذ کی ایک چھوٹی سی گول ٹکی زبان پر رکھ لینے سے نکسیر بند ہو جاتی ہے۔

۳۔ دس لاکھ سے زیادہ چھتریاں ہر سال انگلستان میں گم ہو جاتی ہیں۔

۴۔ ملک سویڈن کے ریلوے والوں نے باغات کو بہت فروغ دیا۔ ساڑھے چار ہزار میل ریلوے میں تمام اسٹیشنوں پر نہایت خوبصورت باغیچہ، گملے اور پودے ہیں اور ریلوے لائن پر جہاں اچھے موقعے مل گئے ہیں۔ اکثر جگہ خوشنما باغیچہ بنا رکھے ہیں۔ بعض جگہ ٹرین باغ کے اندر سے گزرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

۵۔ قوت برداشت اور جسمی طاقت کو بڑھانے کے لئے یہ تجربہ کیا گیا ہے کہ سوڈیم بائی کاربونیٹ کی خوراکیں لی جائیں۔ سائنسدانوں نے تجربہ کیا ہے۔ ایک ڈاک لے جانے والا پہلے ۲۰ منٹ تک دوڑ سکتا ہے۔ بائیسکل کو ایک شخص گیارہ منٹ تک پوری رفتار سے چلا سکتا تھا۔ اس کے استعمال کے بعد ۱۸ منٹ تک دوڑا سکتا ہے۔

۶۔ "روبو" چوکیدار۔ یہ مصنوعی آدمی چوکیداری کا خوب کام کرتا ہے۔ جونہیں چور مکان میں داخل ہوتا ہے۔ یہ چوکیداری کی آدمی نما مشین بتیاں فوراً روشن کر دیتی ہے۔ بلند آواز سے ہوشیار کر دینے والی سیٹی بجاتی ہے۔ اور پولیس کو خطرہ کا نشان بتا دیتی ہے۔ چور کا عکس لے لیتی ہے۔ وہ ایک مقدار گیس چھوڑ کر اس کو بجائے چند سے مفلوج یا گم کر دیتی ہے۔ اور کئی ایسے کارنامے ہیں۔ یہ مشین چوکیدار مینجر کو ٹیلیفون کر دیتا ہے۔ اور چور کی تصویر فوراً کھینچ لیتا ہے۔

۷۔ چار انجن والی کار۔ مانچسٹر ملک انگلستان میں اسٹن کمپنی کے چار انجنوں کو شامل کر کے ایک کار بنائی گئی اور تجربہ کیا گیا کہ کم وزن اور ہلکی رفتار کے لئے ایک انجن کام دیتا ہے۔ وزن اور رفتار کے بڑھانے کے ساتھ انجن سیکنڈ، تھرڈ کو بھی شامل کر لیا جائے تو گاڑی غیر معمولی زیادہ بوجھ لے کر نہایت تیز رفتار سے چلتی ہے اور پٹرول اور تیل کے خرچ میں نصف سے زیادہ کی کفایت رہتی ہے۔ مگر ایسی گاڑی کی ساخت میں ابھی بہت لاگت ہے۔

۸۔ ایک جرمن ڈاکٹر سواربک نے یہ خوب ایجاد کی ہے کہ اپاہج، ٹونٹے اور لنجے آدمیوں کے ہاتھوں میں مصنوعی انگلیاں لگا کر اس کے اصلی بازوؤں کے پٹھوں اور رگوں سے ہی انگلیوں کو حرکت دینے اور کام میں لانے کی تدبیر کی ہے۔ ان مصنوعی انگلیوں سے آدمی بٹن لگا سکتا ہے۔ سگریٹ پی لیتا ہے۔ اور ہلکے ہلکے کام انجام دے لیتا ہے۔

۹۔ انیس آدمیوں سے بنگال کی فتح۔ تاریخ کا یہ حیرت انگیز واقعہ ہے کہ قطب الدین ایبک سلطان دہلی کے سپہ سالار محمد خلجی نے بنگال پر چڑھائی کی، ایک روز صرف اٹھارہ سواروں کو لے کر اپنی فوجی جمعیت سے کوسوں آگے نکل گیا اور بنگال کے صدر مقام گوڑ میں داخل ہو گیا۔ لوگوں نے سمجھا کہ یہ لوگ گھوڑوں کے سوداگر ہیں، رات کو بے روک ٹوک وہاں رہنے دیا۔ سر شام محمد خلجی نے نہایت بیباکی اور جرأت کے ساتھ راجہ لکشمن سینا کے محل پر حملہ کر دیا۔ پہرہ والوں کو جو مزاحم ہوئے قتل کر دیا۔ راجہ سمجھا کہ دشمن کی فوج نے شہر پر دھاوا کر دیا۔ [illegible] بھاگ نکلا اور ڈھاکہ میں پناہ لی۔ راجہ کے بھاگ جانے [illegible] ہتھیار ڈال دیئے اور انیس آدمیوں نے [illegible]

[illegible]

محوّیت

وہ زیتون کے درخت کے نیچے بیٹھی کچھ لکھ رہی تھی۔ لکھتے لکھتے کچھ سوچنے اور پھر لکھنے لگی۔ اور پھر جھنجھلا کر پنسل کاغذ سے اٹھا لی شاید غلط لکھا۔ پھر سوچنے لگی۔ کاغذ بکھر گئے۔ پنسل گر پڑی تھک کر آنکھیں بھی باغ کا طواف کرنے لگیں لیکن وہ ابھی محوِ خیال تھی۔ بہار کے دل پذیر جھونکے اس کے بالوں سے آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ بال پریشان ہو کر اس کے چہرہ سے چمٹنے لگے پر اسے سنوارتا کون؟ نسیم تو محویت میں تھی۔ کیا خوب منظر ہے۔ ایک چھوٹا سا خوبصورت باغ تھا جس کے بیچ میں سنگِ مرمر کا ننھا سا فوارہ تھا جو اپنے ارد گرد کے پودوں رابیل۔ موتیہ مختلف قسم کے گلاب اور رات کی رانی کو آبِ حیات پہنچا رہا تھا۔ فوارہ کے بائیں طرف ایک ہرے رنگ کا نئی طرز سے بنا ہوا مکان تھا۔ اور دائیں طرف ہرا بھرا گھنا زیتون کا درخت۔ درخت کے نیچے بسنتی رنگ کا جوڑا زیبِ تن کئے ایک حسین لڑکی بیٹھی تھی جس کی اس محویت میں بھی کشش تھی۔۔ پھولوں کا رس چوس کر بھنورا زیتون کی طرف لپکا۔ "ایوننگ ان پیرس" کی خوشبو جو نسیم کے لباس سے آ رہی تھی۔ اس پرست ہو کر پھولوں کا شیدا بھنورا درخت کے پتوں پر بھٹکنے لگا۔ اور اس کی بے سری آواز نے نسیم کو چونکا دیا۔

۔۔ بیگانوں کی طرح بھنورے کو اڑتے دیکھ کر حقیقت سے ناآشنا اس بھولی حسینہ نے کہا۔ پگلے پھولوں کو چوس کر اب پتوں پر بھٹکنے آئے ہو۔ اور جب پتوں سے سیر ہو جاؤ گے تو پھر اڑ جاؤ گے۔ کتنے مطلب پرست ہو تم ننھے بھنورے۔

وہ سنبھلی جیسا کچھ یاد آ گیا ہو۔ پنسل اٹھائی کاغذ درست کئے۔ اور۔۔ تیزی سے لکھنے لگی۔ پنسل ایک سیکنڈ کو بھی نہ رکی وہ لکھے جا رہی تھی۔ ادھر سورج مغرب کو تیزی سے جانے لگا۔۔۔ اور اس کے غروب ہوتے ہی۔۔ نسیم کا پہلا افسانہ مکمل ہو گیا۔۔ برابر کے مکان میں ریڈیو بج رہا تھا۔ کوئی گا رہا تھا۔

یہی گھڑی یہی ویلا سا ڈھو۔۔ یہی گھڑی یہی ویلا رے

نا کوئی سنگی نا کوئی ساتھی گاتا بھنورا اکیلا رے

یہی گھڑی یہی ویلا سا ڈھو۔۔۔

اور وہ آج بہت خوش تھی۔ جیسا قارون کا خزانہ مل گیا تھا آج نسیم زیادہ سے زیادہ خوش تھی۔ اس نے انگڑائی لیتے ہوئے بال ٹھیک کئے۔ اور مسکراتی ہوئی اس خوشنما بنگلہ کی طرف چل دی۔

یہ تھی افسانہ نگار بننے کی آرزومند لڑکی کی پہلی محویت۔۔

شمس افروز (شکارپور سندھ)

وقتِ رخصت

(ایک عزیز سہیلی کی جدائی پر جب وہ نئی زندگی شروع کرنے جا رہی ہیں)

مبارک تمہیں ہو یہ عہدِ مسرت! رہے ضوفشاں اخترِ شادمانی
بسر ہو بصد راحت و عیش دائم! محبت کے سایہ میں یہ زندگانی
تمہیں راس آئے نئی یہ رفاقت! ہو ہر شاخ رنگیں، سحر ہو سہانی

جلو میں بہاروں کو تم لے کے جاؤ مہکتی رہو مسکراتی رہو تم
کرو حکمرانی رہو بن کے ملکہ یونہی عمر بھر جگمگاتی رہو تم
پرانے عزیزوں کی بے لوث الفت نئے ساتھیوں میں بھی پاتی رہو تم

ہمیں بھول جاؤ گی یہ جانتے ہیں سبھی طرز و انداز پہچانتے ہیں
نئی زندگی کی حلاوت میں پڑ کر ہر اک چیز کو خوب گردانتے ہیں
قسم ایک اشکِ چکیدہ کی تم کو تمہیں آنکھ سے دور کب جانتے ہیں

ذرا لاج رکھنا خلوص و وفا کی!
لڑکپن نے ہم تم میں جس کی بنا کی

نوشابہ قدوائی

میرا آٹو گراف البم

دسمبر ۱۹۳۷ء میں آل انڈیا ویمن کانفرنس کا اجلاس بہ مقام ناگپور منعقد ہوا۔ استقبالیہ کمیٹی نے ویمن کلب ناگپور میں مندوبین اور شہر کی معزز خواتین کو ایک پارٹی دی تھی میری درخواست پر محترمہ مس خدیجہ بیگم فیروز الدین صاحبہ انسپکٹریس آف اسکولز لاہور نے میرا اوٹوگراف البم پہ لکھا:۔

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے
میرا عشق میری نظر بخش دے (اقبال)

ہندوستان کی مایۂ ناز و افتخار شاعرہ محترمہ مسز خورشید آرا بیگم صدیق علی خاں ناگپور نے تحریر فرمایا۔

چہ باید مرد را طبع بلندے مشربے نابے
دل گرمی نگاہے پاک بینے جان بیتابے

دسمبر ۱۹۳۹ء میں بغرض علاج بمبئی گئی تھی۔ ۲۵ تاریخ کو خواتین بمبئی نے قائدِ اعظم کی سالگرہ کی تقریب جشن منائی تھی۔ اس موقع پر بمبئی کی مشہور کارکن خاتون محترمہ خدیجہ شفیع طیب جی صاحبہ نے لکھا:۔

کردۂ عزم سفر لطف خدا یار تو باد
ہمتِ اہلِ کرم قافلہ سالار تو باد

اسی موقع پر جلسہ کی صدر محترمہ بیگم نواب حفیظ الدین سورت نے تحریر کیا:۔

مشکلیں سب آساں ہوئیں تیرے کوچہ میں
فیض بخشی کی ہے کیا شان تیرے کوچہ میں

۲۴۔ مارچ ۱۹۴۰ء کو نواب محمد اسمعیل خاں صاحب میرٹھی کی زیر صدارت صوبہ مسلم لیگ کانفرنس کا اجلاس ناگپور میں منعقد ہوا تھا۔ مجھے استقبالیہ کمیٹی شعبہ نسواں کی آنریری سکرٹیری منتخب کیا گیا تھا۔ اس لئے میں بھی ناگپور گئی تھی لہذا اس وقت میری آٹوگراف البم میں۔

محمد اسمعیل خاں۔ محمد عیسےٰ۔ اور بہادر جنگ نے صرف دستخط فرمائے۔ اور ہندوستان کے مشہور شاعر حضرات نے ازراہِ نوازش ارتقام فرمایا۔

مجھے کیا پیام دے گی تیری زندگی
کہ فنا کی وادیوں میں مجھے دی گئی سلامی
ماہر القادری

لے جائے گا تموجِ سیلِ جہاں کہاں   پہنچائیں گی یہ کشتیٔ عمرِ رواں کہاں
اس بحرِ بے کنار کا ساحل ہی ہے کہیں   ہوگا تمام یہ سفرِ رائیگاں کہاں
نواب غازی۔ گوردھا اسٹیٹ سی پی

ہیں میرے دل میں وہ آہیں نہ نہیں جو بجلی
میری آنکھوں میں وہ قطرہ ہے جو طوفان ہوا
غم رہا اُن کا جو دوزخ میں پڑے جلتے ہیں
میرے خوش ہونے کا جنت میں بھی ارمان ہوا
برجموہن کیفی

دشمنی کی آنکھ سے ٹپکے سرشک مادری
جنگ کے میدان میں یوں مسکرا سکتی ہے تو
ساغر نظامی ۷۔ دسمبر ۱۹۴۰ء

لٹتی ہے لطف صحبت میں اک جوانی   بنتا ہے بیٹھتے بیٹھتے خشک سے اک فسانہ
پروفیسر شور (ہنگ)

نگاہ ہوئی اسیری کیا بجھے گی
کہ آتش نفس نوجواں اور بھی ہیں

احسان دانش ، مکتبہ دانش لاہور

آل انڈیا مسلم لیگ سب کمیٹی شعبۂ نسواں ، منعقدہ لاہور ، میں بحیثیت نمائندہ سی۔پی ، برار شریک ہوئی تھی۔ اس موقع پر میرے آٹوگراف البم میں مندرجہ ذیل بیگمات نے تحریر فرمایا۔

ہمیشہ نیکی کرو۔ کوشش کرکے آگے بڑھو۔ صغرا ہمایوں مرزا

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نوری ہے نہ ناری ہے (اقبال)

رشیدہ لطیف باجی) ایم ایل اے —

غم حسینؑ خدا ہر اک کو نصیب کرے

حجاب امتیاز علی

آدمیت سے ہے بالا آدمی کا مرتبہ
پست ہمت یہ نہ ہوئے پست قامت ہو تو ہو

ا۔ ب۔ عبدالقادر (لیڈی سر محمد عبدالقادر)

میں ڈپٹی دہلی گیٹ سے مل کر بہت خوش ہوئی ہوں۔ خدا ہمیشہ مسلمان بہنوں اور بھائیوں میں اتفاق رکھے۔ اور ہمیشہ ملنے کا اتفاق ہو۔ آپ کی خیر خواہ بہن۔ لیڈی فضل حسین لاہور

بیگم خادم قوم و ملت نواب بہادر یار جنگ

مسز ایچ حسین ۔ دہلی ۔ مسز محمد عمر

Fear god and fear no one else. P. Soofi

(ترجمہ) خدا سے ڈرو اور کسی سے نہ ڈرو۔ پرنسپل پی صوفیہ حیدرآباد دکن

یادداشت

نام جس کا مستیٔ شعر و بیاں یاد آگئی
یاد جس کی لذتِ ذہن و زباں یاد آگئی
جو فقط میری محبت کے سوا کچھ بھی نہ تھی
وہ نگاہِ شوق و الفت ترجماں یاد آگئی
آہ! ان پردیس کی کھوئی ہوئی راتوں میں آج
وہ مجسم شعر و یکسر داستاں ، یاد آگئی
مختصر سی چند خوشیاں ! آرزو کے چند خواب !
اس کے دل کی ہر تمنائے جواں یاد آگئی
اک خنک احساس جسم و جاں میں لہرا سا گیا
زندگی کی ایک نازک داستاں یاد آگئی
اپنے مستقبل کی تعمیروں کے ہر احساس پر
مجھ کو وہ غربت کی مرگِ ناگہاں یاد آگئی
غم کے لمحاتِ حزیں سے بھی فزوں تر وہ مجھے
اپنی ہر جبری خوشی کے درمیاں یاد آگئی
وہ ! میرے پاکیزہ رومانوں کی تخلیق جمیل !
اپنے ارمانوں کی خاکِ رائیگاں یاد آگئی
آج تک جس سے معطر ہے وارفتہ خیال
وہ مہکتی نکہت ، وہ خوشبوئے رواں یاد آگئی
شعر میرا جس کی شیرینی کا اک مدھم سا عکس
ہائے وہ شیریں سخن ، شیریں زباں یاد آگئی
یاد ہے اس کی انیسِ زندگی اب بھی ضمیر
ہر نفس کے ساتھ وہ خلد آشیاں یاد آگئی

سید ضمیر جعفری بی اے

دیوان نزادی نادر جہاں بیگم عبدالعزیز شیخ ۔ ادیب عالم سیوفی

کام کی باتیں

چیزوں کا نگل جانا بعض وقت بچہ پیسہ، سوئیاں، بٹن وغیرہ نگل جاتے ہیں۔ مگر ان سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی لیکن والدین کو بڑی تشویش دامنگیر ہو جاتی ہے۔ بچہ کو جلاب مت دیں بلکہ روٹی سبزیاں وغیرہ کھلائیں۔ تاکہ معدے کے اندر بہت سواد جمع ہو جس میں مل کر نگلی ہوئی چیز نکل جائے۔

ہچکی بند کرنے کی ترکیب ہچکی بند کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ پانی کا ایک پیالہ گرم یا ٹھنڈا پی لیں ہچکی جلد بند ہو جائے گی۔

کتے کے کاٹنے کا علاج:۔ جب پاگل کتا کاٹ جائے تو حتی المقدور فوراً زخم دھو ڈالنا چاہئیے۔ پھر اسے گل لگا دو۔ سب سے اچھی چیز اس مقصد کے لئے کاربالک ایسڈ ہوتا ہے جو جلد کے اندر تک سرایت کر جاتا ہے۔ اور پاگل کتے کے کاٹے ہوئے زہر کو جلا دیتا ہے۔ درد فقط ذرا دیر تک ہوتا ہے۔ اگر کاربالک ایسڈ دستیاب نہ ہو تو پرمگنیٹ آف پٹاش گاڑھا حل کر کے مقام پر لگائیں۔

مرگی اس مرض کا دورہ بعض دفعہ بہت شدید ہوتا ہے جس کے باعث مریض بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑتا ہے۔ اور منہ سے جھاگ نکلنے لگتا ہے۔ جب مریض کو دورہ ہوتا ہے۔ تو اسے چوٹ سے بچانا چاہئیے۔ اور جلد ایک لکڑی کا ٹکڑا منہ میں ڈال دیں۔ تاکہ اس کی زبان کٹ نہ جائے۔ دورہ کا سبب معلوم کر کے اس کا علاج کرانا چاہئیے۔ گوشت۔ چاء، قہوہ اور مٹھائی وغیرہ سے قطعی پرہیز لازمی ہے۔ اس مریض کو ٹوسٹ دودھ، سبزیات، اور پھل کھانے چاہئیں۔ انڈے، مونگ بہت کم استعمال کریں۔ زیادہ تر کھلی ہوا میں رہنا اور ورزش جسمانی کرنا چاہئیے۔

شراب کی عادت کیونکر چھوٹے یہ بات آپ ظاہر ہے کہ بعض کھانوں سے بھی شراب پینے کی خواہش ہوتی ہے۔ اس لئے جو شخص شراب پینا چھوڑنا چاہتا ہے وہ ہر طرح کے گوشت اور مسالہ دار کھانوں سے پرہیز کرے۔ تمباکو کا استعمال قطعی نہ کیا جائے۔ جس قدر ممکن ہو اس قدر پھل کھائیں اور کثرت سے پانی پئیں۔ چاء نہیں پینا چاہئیے۔ روز مرہ گرم پانی سے غسل کریں۔ اس کے بعد تھوڑا تھوڑا ٹھنڈا پانی جسم پر ڈال کر خشک کریں۔ مکان میں کسی قسم کی شراب نہ رکھیں۔ اور نہ شراب کی دوکان پر جائیں۔

شکمی کیچوے ان کیڑوں کا جسم گول اور دونوں سرے نوکدار رہتے ہیں۔ ان کی لمبائی چھ انچ ہوتی ہے۔ اگر بچوں کے شکم میں اس قسم کے کیچوے کثرت سے ہوں۔ تو بچوں کو بھوک کم ہوتی ہے۔ سوتے وقت دانت پیسنا بھی ظاہر ہوگا۔ اس کا علاج یہ ہے کہ رات کو سونے سے پہلے گرین سنٹونین کھلائی جائے۔ اس دوا میں تھوڑی سی چینی ملانے سے بچے شوق سے کھائیں گے۔ دوسرے دن صبح ہی کیسٹر آئیل پلائیں۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ بچوں کے پیٹ میں یہ کیچوے نہ ہوں۔ لہذا ضروری ہے کہ بچوں کو ہر سال سنٹونین دی جائے۔ سنٹونین زہریلی چیز ہے۔ جو ان کیچوؤں کو مار دیتی ہے۔ چونکہ یہ زہریلی دوا ہے ڈاکٹر سے پوچھ کر تھوڑی مقدار میں دیں۔

محبوب بانو کوچین

(ترجمہ)

حیا

جس طرح لطیف و رنگ دار پھول کی خوبصورتی اس کی نکہت و خوشبو سے دوبالا ہو جاتی ہے اور نیلے آسمان کا حسن معصوم چاند اور سنہرے ستاروں سے نکھر جاتا ہے اور جس طرح دل کی سونی کیاری محبت کی آبیاری سے شاداب ہو جاتی ہے اسی طرح عورت کے دلفریب حسن میں حیا کی بھینی بھینی جھلک سے ایک ناقابل فراموش دلکشی پیدا ہو جاتی ہے۔

ابو سعید مہر پوری

خانہ داری

(جس میں سنگھار اور آرائش بھی شامل ہے)

سنگھار کا جادو۔ آج کل سنگھار کا شوق عام ہے اور سنگھار کا جادو ہی ایک ادھیڑ گھرہستن کو دلفریب شہزادی بنا دیتا ہے۔ اگر آپ کی تمنا ہو کہ کوئی جادوگرنی اپنا جادو کا ڈنڈا آپ کے سر پر پھیر کر آپ کو خوبصورت بنا دے تو کسی ماہر مشاطہ سے سنگھار کرائیے۔ یہ تسلی بخش تجربہ ثابت ہوگا لیکن اگر مشاطہ نہ مل سکے تو آپ اس مضمون کو پڑھ کے ذہن نشین کر لیں اور ان ناظرات کی طرح نہ بنیں جو اس عنوان کے ہوتے ہوئے بزم عصمت میں وہ سوالات بار بار کرتی ہیں۔ جن کے جوابات پہلے ہی طرح طرح سے دیئے جا چکے ہیں۔ اس سرخی کے نیچے سنگھار کی جادوگر مشاطاؤں کے بالکل مروجہ جدید ٹوٹکے اور چھو منتر درج ہوتے رہتے ہیں۔

ہم سب جانتے ہیں کہ راژ (سرخی) اور لپ اسٹک (لاکھا) زرد چہرہ کو تندرستی کی آب بخش دیتے ہیں اور تھکے ماندہ بشرہ میں شباب کی جھلک پیدا کر دیتے ہیں لیکن یہ بات عام طور پر معلوم نہیں کہ سلیقہ کے سنگھار سے چہرہ کے نقائص چھپائے اور خوبیاں نمایاں کی جا سکتی ہیں۔

جب آپ سنگھاری اشیاء کا انتخاب کریں تو اپنے رنگ کو مقدم چیز سمجھ کر پیش نظر رکھیں۔ اگرچہ رنگوں کے نقشہ سے بخوبی مدد حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر ذاتی تجربہ بڑی چیز ہے۔ اسی سے دن اور رات کے صحیح رنگوں کا پتہ چلتا ہے۔ گو عام اندازہ سے ہم چار یا پانچ اقسام میں سے ایک کی ذیل میں آتے ہیں۔ لیکن ایک نہ ایک طرح ہم سے ہر ایک میں فرق ہے کہیں جلد کا رنگ زیادہ سانولا ہے۔ کہیں آنکھیں ہلکے رنگ کی ہیں۔ اور کہیں بالوں کا رنگ قدرے مختلف ہے۔ یہ فرق اس جماعت میں ہی پائے جاتے ہیں جس کی ذیل میں ہم آتے ہیں۔

سنگھار کی طیاریاں اکثر سوال کیا جاتا ہے کہ مکمل سنگھار کے لئے کیا کیا تیاریاں کی جائیں اور کیا کیا چیزیں مہیا کی جائیں۔ جواب یہ ہے کہ سب سے مقدم اچھی روشنی اور سنگھاری آئینہ ہے۔ اس کے بعد تین درجہ کا پوڈر۔ روژ۔ لپ اسٹک مسکرا۔ دن اور شام کا آنکھ کا رنگ۔ ابرو کی پنسل اور پوڈر کا برش لے لیں۔ تین درجہ رنگ کا پوڈر اس لئے کہا گیا کہ آپ کو ایک تو بالکل وہی رنگ لینا چاہئیے جو آپ کی جلد کا رنگ ہے۔ ایک شام کیلئے اس سے ہلکا۔ اور ایک آپ کی جلد سے ایک درجہ گہرا رنگ ہونا چاہئیے ان میں

تین رنگوں سے سحر انگیں نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ ناک اور پیشانی پر اپنی خاص صورت و انداز کی ضرورت کے مطابق گہرے یا ہلکے رنگ کا پوڈر پہلی مرتبہ پوڈر لگا لینے کے بعد لگائیں۔

پوڈر پہلے چہرہ کے حصۂ زیریں پر لگائیں اور نیچے کے رخ حرکت کے ساتھ تھپک تھپک کے اچھی طرح لگائیں۔ ناک پر پوڈر سب سے آخر میں لگائیں۔ زائد پوڈر برش سے جھاڑ دیئے جانے کے بعد جلد دلفریب طور سے نرم اور نازک اور مخملی نظر آنے لگے گی۔

آپ کے روژ کا رنگ بالکل وہ ہونا چاہئیے جو آپ کا شرمگیں رنگ ہوتا ہے۔ آپ کو چاہئیے کہ اب جس وقت آپ کو شرم آئے فوراً آئینہ میں اُسے دیکھ کے عین اس کے مطابق روژ لگائیں۔ اگر ایسا کرنا بہت مشکل معلوم ہو تو جھک کے پاؤں کے انگوٹھے کو چھوئیں جو قدرتی رنگ آپ کے رخساروں میں اس وقت آئے اس سے صحیح طور کا روژ خریدنا آسان ہو جائے گا۔

روژ کبھی نمایاں نہ رکھیں، اسے جلد کے رنگ میں انگلیوں کے پوروں سے خلط ملط کر دینا چاہئیے اور اس کی احتیاط کی جائے کہ تمام سخت اور گہرے خطوط پونچھ کے دور کر دیئے جائیں۔ روژ رخسار کے بلند مقام سے شروع کرنا چاہئیے اور رخسار کی ہڈی کے ساتھ ساتھ خفیف خم دیتے ہوئے جانا چاہئیے۔ اپنا روژ آنکھ کے بیرونی گوشے تک ملاتے چلے جائیں۔ کیونکہ اس سے قدرتی کیفیت پیدا ہونے کے علاوہ تھکن کے پوشیدہ کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اگر کریم روژ استعمال کریں تو بنیاد قائم کرنے کے بعد روژ لگائیں اور پھر پوڈر چھڑک دیں لیکن اگر پوڈر کی قسم لگاتی ہوں تو دو دفعہ پوڈر لگانے کے بیچ میں اسے لگائیں۔

لپ اسٹک کا استعمال آسانی سے آ جاتا ہے۔ اگر آپ نہ مٹنے والی لپ اسٹک بالائی ہونٹ پر بڑی احتیاط سے لگایا جاتا ہے اس کے بعد اوپر کا ہونٹ نیچے کے ہونٹ پر خوب کھینچا جاتا ہے جو خاکہ اس پر آ پڑتا ہے اُسے پھر بھر دیا جاتا ہے۔ اب آپ اپنے ہونٹ چمکدار کر لیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کے دونوں ہونٹوں پر نوجوانی کا نمدار، دلفریب رنگ قائم نظر آئے گا۔

سنگھار کی جان آنکھیں سنگھار کی جان ہیں سنگھار کے ماہر

آنکھوں میں جلا یا دلکش کاٹ پیدا کرنے کے لئے نئی نئی تدابیر اختیار کرنے میں مسابقت کرتے رہتے ہیں۔ موجودہ شوق جو بالکل جدید اور مخلوط ہے کسی قدر چشم بیمار کا منظر پیدا کر دیتا ہے۔ پپوٹوں پر مومی سفید رنگ۔ اور پلکوں پر سبز مسکرا استعمال کیا جاتا ہے۔

ان تکلفات سے قطع نظر آنکھ کا رنگین پوڈر بالکل آنکھ کے رنگ کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ البتہ شام کے لئے چمکدار نقرئی یا گنگا جمنی تحریر استعمال کی جا سکتی ہے۔ سفوف کے مقابلہ میں آنکھ کی کریم زیادہ تسلی بخش ثابت ہوتی ہے۔ اسے تیسری انگلی کے پورے سے نرمی سے پھیلایا جائے۔ آنکھ کے اندرونی کونے سے شروع کریں اور خط کو رفتہ رفتہ چوڑا کرتے ہوئے آنکھ کے بیرونی کونے تک لے آئیں۔ نوعمر عورتیں پپوٹوں پر آب اور دمک پسند کرتی ہیں۔ مگر بڑی عمر کی عورتوں کے لئے دانشمندی یہ ہے کہ رنگین تحریر پر ہلکا ہلکا پوڈر لگائیں کیونکہ اس سے نظر میں نرمی اور قدرتی طرز پیدا ہو جاتا ہے۔

اگر آپ کی پلکیں سیاہ ہیں تو ابرو کی پنسل بھی بالکل ایسی ہی ہونی چاہئے ورنہ درمیانہ درجہ کی پنسل اختیار کریں۔ اس کو خوب باریک و تیز کر لیں۔ اسے ابروؤں کو نمایاں اور ان کے خط کو طویل کرنے کے لئے استعمال کریں۔ اب ابروؤں کو نوچ نوچ کے باریک کرنے کے مقابلہ میں ان کی قدرتی چوڑائی پسند کی جاتی ہے۔ اس لئے ان پر احتیاط سے برش اور کنگھی کرتے اور ان میں جلا پیدا کرتے رہنا چاہئے

یہ تو رہا روزانہ سنگھار کا عام دستور العمل لیکن اب کچھ چھو منتر کی بات بھی ہونی چاہئے۔ پوڈر سے قدرے گہرے رنگ کا پوڈر ناک پر لگائیں۔ اور آنکھوں کو بڑا نظر آنے کے لئے ابروؤں کا مرکز اپنی ابرو کی پنسل سے نمایاں کریں اور نچلے پپوٹے کی پلکوں کے عین نیچے ایک باریک لکیر کھینچ دیں۔ اسے نرما نہیں حتیٰ کہ یہ حباب سا رہ جائے۔ اب بالائی اور زیریں پلکوں پر مسکرا لگائیں۔

دودھ کی خوبی

قدرت نے دودھ ایک عجیب چیز پیدا کیا ہے اسے عقلمندی سے استعمال کیا جائے تو اس سے گویں کھانا جسم میں رعنائی بخوبی پیدا ہو جاتی ہے نمائشی سنگھار کی اشیا کی ضرورت نہیں رہتی۔ دنیا کی بعض حسینائیں دودھ جسم پر ملتی اور اس سے غسل کرتی رہی ہیں۔ اس کی وجہ سے ان کی جلد ملائی سی رہتی اور رنگ میں سفیدی پیدا ہو جاتی تھی۔ آج کل دودھ ہندوستان جیسے ملک میں کمیاب اور گرانقدر ہے۔ ہندوؤں میں گوشت کا بہت کم رواج ہے۔ مگر دودھ پینا ان کی ایسی ہی عادت ثانیہ ہے جیسے آجکل کے فیشن ایبل طبقہ میں چائنوشی۔ دودھ نہیں پی سکتے چائے پیتے ہیں۔ اس سے صحت خراب ہوتی ہے۔ اور رنگ بگڑتا ہے ذرا دیر کے لئے دل کھڑا ہو جاتا ہے مگر آخری نتائج بُرے ہوتے ہیں

دودھ سے بڑھ کے کوئی اور چیز مستقل طور سے مفید اور پرورش میں معاون نظر نہیں آتی۔ گو ہر جگہ اس کا استعمال جاری رہا ہے۔ اور مفید سمجھا گیا ہے۔ مگر اس کی خوبیوں کی تحقیق زمانہ حال میں ہی ہوئی ہے اس میں ساری غذاؤں سے زیادہ صحت بخش خوبیاں ہیں۔ یہ ہر طرح سے مفید غذا ہے۔ اگر صحت درست کرنا یا قائم رکھنا مطلوب ہو تو اسے قاعدہ سے پلائے جاتے رہنا چاہئے تحقیقات سے پایا گیا ہے کہ ۱½ چھٹانک دودھ میں اتنی قوت ہے۔ جو نو انڈوں یا سات سنگتروں یا ایک سیر آلوؤں یا ½ سیر سبز ترکاریوں یا سات چھٹانک بہترین گائے کے گوشت کے پارچوں میں ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ انسان کے جسم میں قوت پیدا کرنے میں دودھ کو بڑا دخل ہے یہ اعلیٰ غذا ہے۔ اس میں معدنیات حیاتین رگ و ریشے مضبوط کرنے کے اجزا نشاستہ اور چربی موجود ہیں۔ تندرست جسم کے بنانے اور قائم رکھنے اور بیماری کا مقابلہ کرنے میں جن جن اجزا کی ضرورت ہے عملاً اس میں ہر ایک موجود ہے۔ ہر موسم اور ہر آب و ہوا میں موافق ہے ٹھنڈا یا گرم پینا دونوں طرح مفید ہے۔ اسے آہستہ آہستہ ہونٹوں کو بھینچ کے پینے سے جسم کو بہت فائدہ پہنچتا ہے۔ معدہ تیار رہ کے جلد اسے ہضم کر لیتا ہے بڑے بڑے گھونٹ معدہ میں جا کے لوتھڑے سے بن جاتے ہیں ہضم دیر طلب اور مشکل ہو جاتا ہے۔

بڑھنے والا چست و چالاک بچہ کو روزانہ ۲½ چھٹانک تازہ دودھ دیا جائے تاکہ اس کی پرورش میں ترقی ہو۔ بیماری سے اٹھنے والوں حاملہ یا دودھ پلانے والی عورتوں کو بھی اسی قدر دودھ دیا جائے۔ اوسط درجہ کے بالغ کو ½۱ پاؤ دودھ سے معقول فائدہ پہنچ سکتا ہے اس کا مستقل استعمال اچھی صحت اور حسن و رعنائی کا قابل اعتبار ضامن ہے۔

خانگی ٹوٹکے پالش والے سامان پر سیاہی کے دھبے آلو میں سیوں کے عرق سے ملیں حتیٰ کہ دھبے جاتے رہیں۔ اسکے بعد ان کے معمولی پالش سے جلا دید۔ بے پالش شدہ سامان پر شہد کی مکھی کے موم اور تارپین سے پالش کیا جا سکتا ہے۔

سیر بین

موت کی رکاوٹ۔ دو روسی ڈاکٹروں نے اپنے تجربوں سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ موت واقع ہونے کے بعد کچھ اعضا میں برابر جان رہتی ہے اگر ان میں سے جان نکل جانے سے قبل اہتمام کیا جائے تو سارا بدن زندہ ہو سکتا ہے۔ موت فوراً واقع نہیں ہوتی۔ یہ ایک سلسلۂ عمل ہے جو دل کی حرکت بند ہونے سے شروع ہوتا ہے۔ پھر سانس رک جاتا ہے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ سب اعضا کام کرنا بند کر دیتے ہیں۔ موت کی ظاہری صورت اور گردش خون اور تنفس کے بند ہونے کے درمیان اتنا وقفہ ہوتا ہے جس میں بعض جوارح برابر زندہ رہتے ہیں۔ محققوں کو یہ سوال برابر ستا رہا ہے کہ اگر ان زندہ رہ جانے والے اعضاء و جوارح کو مدد پہنچائی جائے تو کیا موت کا عمل روکا اور سارے بدن کو زندہ کیا جا سکتا ہے؟ ڈاکٹروں نے عمل جراحی کرتے وقت مریض کے مر جانے کے باوجود مصنوعی تنفس کے عمل وغیرہ سے اس میں آثارِ زندگی نمودار کر کے اسے دنیا میں دوبارہ واپس بلا لیا ہے مگر اس عمل کا تجزیہ اور مطالعہ دل سے کبھی نہیں کیا گیا۔ البتہ بعض کو اس کا شوق رہا اور آخر وہ کچھ نتائج برآمد کر سکے۔ پہلے انہوں نے جانوروں پر زندہ کرنے کے تجربے کئے۔ اس میں کامیاب ہونے کے بعد انسان کا تختۂ مشق بنا۔ ۳۔ اگست سنہ ۱۹۰۲ء کو کلیا بکو ایک تین ماہ کے بچہ کا دل جو ایک روز پہلے پسلی کے درد سے مر چکا تھا ۲۰ گھنٹے بعد باقاعدہ تواتر کے ساتھ چلانے میں کامیاب ہو گیا۔ دل ایک گھنٹہ تک چلتا رہا اس کے بعد بند ہو گیا۔ ایسے ہی تجربے بعض دوسرے اطباء نے کئے۔ مختلف اصناف طب کے ماہرین نے مل کے کئے۔ آج سے آٹھ سال پہلے ان لوگوں نے کام شروع کیا۔ ڈھائی سو تجربے کتوں پر کئے گئے۔ اس کے لئے خاص قسم کے آلات تیار کئے گئے جن کی مدد سے خون کو رگوں میں جاری کیا گیا۔ پہلے ان کی رگوں سے سارا خون نکال لیا گیا۔ اور جگر کا کیمیائی طریقہ سے حاصل کیا ہوا عرق داخل کر کے خون میں قیام پیدا کیا گیا۔ کتوں کو درجہ بدرجہ مار کے ان کی ہر مرحلہ کی کیفیت بغور ذہن نشین کی گئی۔ اور زندگی نمودار پیدا کرنے کی تدابیر اختیار کرنے کے بعد واپس آثارِ زندگی پیدا ہونے والے بچوں پر تجربہ کیا گیا۔ ایسے بچے اکثر جو پیدا ہوتے ہی مر جاتے ہیں۔ زیادہ تر دم گھٹ جانے سے مر جایا کرتے ہیں ان میں آثارِ زندگی تو پیدا کئے جا سکے لیکن ۲۴ گھنٹے سے زیادہ کوئی زندہ نہ رکھا جا سکا۔ عمل جراحی سے دیکھا گیا کہ ان میں کسی نہ کسی عضو کی کمی تھی جس کی وجہ سے زندگی قائم نہ رہ سکی کسی کے دماغ کی نس پھٹی نکلی کسی کا پھیپھڑا پورا نہ بن سکا وغیرہ۔ اگر یہ نقائص نہ ہوتے تو وہ ضرور زندہ رکھے جا سکتے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر کسی آدمی کے اعضاء کو کوئی ضرر نہ پہنچا ہو تو وہ زندہ کیا جا سکتا ہے۔ خون زیادہ نکل جانے یا صدمہ پہنچنے یا دم گھٹ جانے سے موت واقع ہونے کی صورت میں جان کر واپس لائی جا سکتی ہے۔ میدانِ جنگ میں مہلک زخمیوں اور مردوں پر تجربے کئے گئے وہی آلات لے جائے گئے۔ ایک برتن میں خوب گلوکوز ملا کے خون بھرا اور اس میں معتدل حرارت پہنچائی گئی۔ آلہ سے یہ خون دل کی طرف پہنچایا گیا۔ جب دل ہلنے لگا تو دباؤ کم کر کے رگوں میں خون داخل کیا گیا۔ ساتھ ساتھ دھونکنی سے مصنوعی تنفس جاری کیا گیا دھونکنی لگی ہوئی نکلی مردہ کے نرخرہ میں داخل کی گئی۔ ۵۱ میں سے ۱۲ بالکل بچ گئے۔ تین زندہ تو ہوئے مگر بعد میں نمونیہ سے مر گئے۔ ۲۲ بالکل اچھے نظر آتے ہوئے تین دن تک جئے۔ ۱۲ کے اکثر اعضا کام کرنے لگے یعنی کسی کا پھیپھڑا کسی کا دل کام دینے لگا مگر اور اعضاء کام نہ دے سکے اس لئے وہ زندہ نہ ہوئے، دو مردوں پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔

شفاخانہ میں ایک زخمی پر عمل جراحی نہ ہو سکتا تھا نبض مفقود تھی۔ ڈاکٹر ہر قسم کا عمل کر کے مایوس ہو چکے تھے تنفس بھی بند ہونے لگا تھا اس کی رگوں میں خون پہنچایا گیا نبض درست ہو گئی عمل جراحی کیا گیا اور وہ اچھا ہو کے زندہ رہا۔ اس قسم کی اور مثالیں موجود ہیں۔ موت روکنے کی کوششیں جاری ہیں۔ کامیابی کی امید کی جا سکتی ہے۔

یوشی واڑہ۔ ٹوکیو سے آدھ گھنٹہ کی سواری کے فاصلہ پر ایک شہر آباد ہے جس کا نام یوشی واڑہ ہے۔ اس میں جاپانی خوبصورت لڑکیاں رہتی ہیں۔ ان کے والدین ان کو فروخت کر دیتے ہیں یا کسی قرض کی ضمانت میں لڑکی حوالے کر دیتے ہیں۔ لڑکی والدین کی فرمانبرداری میں چوں تک نہیں کرتی۔ دل میں چاہے روتی ہو کیونکہ وہ اس قید خانہ میں خوش نہیں رہتی۔ اس میں داخل ہوتے ہی ایک دستاویز پر اس کے دستخط لئے جاتے ہیں۔ یہ قرض کا تمسک ہوتا ہے۔ دستخط کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اب وہ آزاد نہیں رہی۔ اسے باہر نکلنے یا کمرہ سے باہر جھانکنے تک کی اجازت نہیں ہوتی۔ عمارت کے پھاٹک پر پہرہ رہتا ہے۔ اندر کی تصویر کوئی لے نہیں سکتا۔ حکومت کو چونکہ اس سے بہت آمدنی ہے

اس لئے یہ کاروبار قانوناً جائز ہے۔ لڑکی بیمار پڑتی ہے تو اس کے علاج کے لئے توجہ نہیں کی جاتی۔ کیونکہ وہ عمارت کے مالک پر بار ہوتی ہے۔ البتہ اگر کوئی لڑکی بہت مقبول ہو تو اس کے علاج پر خرچ کر دیا جاتا ہے۔ ایک شفا خانہ وہاں موجود ہے مگر وہ متعدی امراض کے علاج کے لئے ہے۔ ہر مالک کی علیحدہ علیحدہ اسی احاطہ میں عمارت ہے کسی کو باہر جانے کی اجازت بھی بفرض محال کبھی مل جائے تو مالک سے اجازت نامہ اور پولیس سے علیحدہ پروانہ لینا پڑتا ہے بایں ہمہ ایک ملازم ساتھ رہتا ہے۔ آزادی اس وقت ملتی ہے جب قرض ادا کر دیا جائے۔ یا کوئی اس لڑکی کو خرید لے۔ قرض اور سود میں اس کی آمدنی کا ۶۰ فی صدی حصہ کمرہ کا کرایہ ۳۰ فیصدی اور ۳۰ فیصدی اور مالک کا حصہ ۲۴ فی صدی ہوتا ہے۔ اُن بچاریوں کو بچتا ہی کیا ہوگا۔ جو بیماری یا عمداً آزادی پر کچھ کیا جا سکے۔ پھاٹک پر ایک چبوترہ پر دربان بیٹھا رہتا ہے۔ آنے والے کو تصویریں دیدی جاتی ہیں۔ وہ ایک کا انتخاب کر لیتا ہے۔ اسے وہاں پہنچا دیا جاتا ہے۔ قرض ادا کرنے یا خریدے جانے کے بعد عدالت میں جانا پڑتا ہے۔ پروانہ مل جانے پر کہیں جاکے آزادی ملتی ہے۔

ننگی زندگی اس دفعہ کچھ روز ہر جگہ ایسی سردی پڑی کہ لوگوں کو خدا یاد آگیا۔ بڑے بوڑھوں نے کہا کہ ایسی سردی کبھی ان کے ہوش میں نہیں پڑی کسی نے کہا کہ اُن کی زندگی میں ۱۹۰۵ء میں ایسی بلکہ اس سے زیادہ سردی پڑی تھی۔ جبکہ روس جاپان کوریا کے متعلق جنگ وجدل میں مبتلا تھے۔ اور جاپان روس کو شکست پر شکست دے رہا تھا۔ ہم یورپ والے روس کی اس ذلت اور مصیبت سے خوش ہو رہے تھے اور پھر ۴ اپریل کو ایک زبردست زلزلہ آیا تھا۔ اس سال ہفتوں بارش ہوتی رہی۔ سردی کا شباب عرصہ تک قائم رہا۔ جگہ جگہ برف روزانہ جمی نظر آتی تھی۔

یورپ و ہندوستان میں سردی کی اس دفعہ اتنی شکایت رہی مگر آپ حیران ہو کے پڑھیں گے کہ انگلستان کے صوبہ وارو کشائر کے ... جنگل ویرانہ میں ایک جھونپڑی ہے۔ وہاں ایک بہت ... والا خاندان دنیا سے الگ تھلگ رہتا سہتا ہے۔ وہ ننگ دھڑنگ رہتے ہیں۔ اور اس سردی میں بھی کپڑوں سے انہیں کچھ سروکار نہیں۔ ایک نامہ نگار عورت کو وہاں پہنچ جانے کا اتفاق ہوا۔ اس کے سامنے ... درجہ حرارت نیچے انہوں نے اپنے گھر کے نہانے کے حوض کے پانی کے اوپر کی جمی ہوئی برف کی تہہ کلہاڑی سے توڑی اور یکے بعد دیگرے سب نہائے۔ ایک ۱۸ ماہ کا بچہ پال۔ ۷ سال کی ٹونی دس سال کا لڑکا مائیکل اور ان کی ماں مسز جیمس جنہے اپنی عریانی کا اتنا خیال نہ تھا جتنا اپنے آپ کو کمسن ظاہر کرنے کا۔ انکے شوہر صاحب کسی کارخانہ میں ملازم ہیں وہاں گئے ہوئے تھے چونکہ انگلستان میں مادرزاد ننگے پھرنا جرم ہے اس لئے وہ مجبوراً سوٹ پہن کے جاتا ہے لیکن گھر آتے ہی اس تانے بانے کو اتار پھینکتا ہے۔ کیونکہ اسے بھی لباس سے نفرت ہے ایسی سخت سردی میں کہ زمین پر انچوں موٹی برف جمی ہوئی تھی اور درختوں اور مکانوں کے چھجوں سے برف کے بار لٹک رہے تھے مگر وہ بیوی بچے اطمینان سے کھلے میدان میں ننگی دھڑنگی لکڑی کی آگ پر آلو تل رہی تھی جسم کے اگلے حصہ پر آگ کی گرمی تھی اور پچھلے پر نہایت سرد ہوا کے تھپیڑے تھے مگر وہ آواز میں کسی تھرتھراہٹ کے بغیر اس نامہ نگار سے جنگ کے متعلق اپنے بچوں کی نسبت اور عریانی اور ان کی صحت پر اس کے حیرت انگیز اثرات پر مزے مزے سے باتیں کرتی رہی کسر یہ تھی کہ میاں آئے کپڑے اتار کے پھینکے اور حوض میں جاکے ڈبکی لگائے اور تلے ہوئے آلو اور کھانا کھائے

پھلجھڑیاں عمارتوں میں مائع پتھر استعمال کیا جاتا ہے پانی میں خشک سفوف حل کر کے برش سے اینٹوں اور دیگر عمارتی اشیاء پر لگایا جاتا ہے اس سے عمارتوں میں مضبوطی آجاتی ہے اور پانی کا اثر نہیں ہوتا۔

انجنیروں نے ایک آہن کا ہتھوڑا ایجاد کیا ہے جسے پہیوں پر سے چلایا جاتا ہے۔ وہ پتھر وغیرہ پر ایک منٹ میں ۸۰ ضربیں لگاتا ہے۔

کانچ کے تھیلے ایجاد کئے گئے ہیں جن میں سے اندر کا سامان باہر نظر آتا ہے۔ سنہری مچھلیوں کے بازار سے گھر تک لے جانے کے لئے انہیں استعمال کیا جاتا ہے۔ تھیلہ میں تھوڑا سا پانی بھر دیا جاتا ہے اس میں مچھلیاں خریدنے کے بعد ڈال دی جاتی ہیں۔ اس طریقے سے حفاظت سے مچھلیاں گھر پہنچ جاتی ہیں۔ وہاں حوض یا شیشہ کے پانی سے بھرے ہوئے مرتبانوں میں انہیں رکھا جاتا ہے۔

ایک ٹوپی سر پر کس کے باندھ لی جاتی ہے۔ ڈوبنے والے کا سر پانی سے اوپر رہتا ہے اور وہ مرنے نہیں پاتا۔

فرانس میں دسمبر ایک فیصلہ ہوا کرتا ہے جس میں جائز ہے کہ چیز خریدنہ سکو تو چرا لو بشرطیکہ نگراں کو پتہ نہ چلے۔

محمد ظفر

مختصر افسانوں کے مجموعے اور ناول

انوری بیگم اردو کی نامور افسانہ نگار محترمہ طیبہ بیگم مرحومہ بیگم نواب حدیو یار جنگ بہادر کا مقبول افسانہ جس کی بیماری اور تیمارداری کے عنوان سے عصمت میں چند قسطیں شائع ہو کر دھوم مچ گئی تھی۔ اس دلاویز ناول میں حیدرآباد کے ایک شریف معزز اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانے کی بلند معاشرت دکھائی گئی ہے۔ انوری بیگم کے بچپنے کی ہیروئن ہے۔ بیماری، تیمارداری اور تندرستی، منگنی اور شادی کے حالات نہایت ہی دلچسپ پیرایہ میں لکھے ہیں۔ تمدنی خرابیوں اور پرانے رسم و رواج کی پابندیوں کے نقصانات خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ پلاٹ میں نہایت دلکشی اور طرز بیان میں بے تکلفی اور سادگی ہے۔ حیدرآبادی ماماؤں کی زبان بھی خوب لکھی گئی ہے کہیں کہیں ظرافت کی چاشنی ہے، اردو میں خواتین کے لکھے ہوئے ایسے بلند معاشرتی ناول کم نکلیں گے۔ لکھائی چھپائی عمدہ۔ قیمت ۸/ عہ

دولت پر قربانیاں تعلیم یافتہ اور روشن خیال لڑکی اس وجہ سے کہ غیر کفو میں شادی کرنے سے ترکہ پدری دینا ہوگا۔ برادری کے لڑکے سے جو لڑکی کے لئے عمر و قابلیت وغیرہ کے لحاظ سے موزوں نہیں اور مذاق و خیالات جداگانہ رکھتا ہے شادی کر دیتے۔ دردناک نتائج اور دولت کے لالچ میں سوکن پر بیٹی بیاہنے کا عبرتناک نتیجہ۔ .... دراصل یہ انواع سلسلے کے پانچ بہترین افسانے خواتین کیلئے لکھے ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں لاکھوں لڑکیاں رواج اور دولت کی چوکھٹ پر قربان کی جا رہی ہیں۔ یہ درد انگیز افسانے ہر مسلمان کی نظر سے گذرنے چاہئیں جس کی نگاہ میں مذہب مقدس کی حقیقی عظمت اور جس کے دل میں فرقہ نسواں کا ہمدرد ہے۔ محترمہ آمنہ نازلی چار دفعہ چھپی۔ قیمت ۱۲/

عبرت کی پتلی محترمہ فاطمہ بیگم منشی فاضل سابق اڈیٹر "شریف بی بی" کا لکھا ہوا ایک سبق آموز دلچسپ قصہ جس میں مختلف الخیال عورتوں کے حالات ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ اولوالعزمی اور ہمت سے عورت کس طرح بگڑا ہوا گھر بنا سکتی ہے دولت کے لالچ میں اور چھوٹی حیثیت کے لوگوں میں شادی کرنے کے کیا نتائج ہوتے ہیں۔ قصہ نہایت دلاویز۔ نہایت ہی مؤثر اور نتیجہ خیز ہے دوسری دفعہ چھپا ہے۔ قیمت ۸/

چار رخ عصمت کی مشہور انشاپرداز محترمہ انیس فاطمہ بنت سبوق مرحوم کا لکھا ہوا ایک نتیجہ خیز افسانہ ہے جس میں چار عورتوں کی عبرت انگیز اور سبق آموز آپ بیتی ہے۔ چاروں کہانیاں اچھی ہیں ان میں مغربی تمدن کی اندھا دھند تقلید، عیسائی مشنریوں کی صحبت، رواج کی پابندیوں کے نہایت دردناک نتائج دکھائے گئے ہیں۔ کتاب مختصر ہے۔ لیکن جو نتیجے اس سے نکلتے ہیں وہ نہایت اہم ہیں۔ قیمت ۶/

آفتاب زندگی اس دلچسپ حصہ میں ایک لڑکی کے کنوارپنے کے حالات دلنشیں پیرایہ میں لکھے گئے ہیں اور فضول و نقصان دہ رسوم پر مدلل بحث کی گئی ہے۔ ایک ظالم عورت کے ہاتھوں ایک نیک عورت کو کیسی کیسی مصیبتیں اٹھانی پڑیں ان کا بیان درد انگیز پیرایہ میں کیا گیا ہے۔ واقعی دلاویز طرز بیان دلکش ہے۔ از مولانا سیماب اکبرآبادی قیمت ۸/

شباب زندگی شمس النساء کی شادی سے اس وقت تک کے حالات درج ہیں جب وہ بال بچوں والی ہو گئی۔ اس ضمن میں جو تکلیفیں اور جو آرام اور جو راحتیں اس نے اٹھائیں اور جو تجربے اس نے حاصل کئے وہ سننے اور پڑھنے کے قابل ہیں۔ اس میں مندرجہ ذیل ابواب پر بحث کی گئی ہے (۱) انتخاب شوہر (۲) حقوق شوہر (۳) ازدواجی زندگی (۴) سسرال والوں برتاؤ (۵) خوشنودی شوہر (۶) عیالداری (۷) بچوں کی تربیت (۸) نند بھاوجوں کے تعلقات وغیرہ وغیرہ زبان سلیس، عام فہم لکھائی چھپائی عمدہ

دامن باغباں ہندوستان کے مشہور افسانہ نگاروں میں یہ خصوصیت ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی ہی کی تحریر میں ہے کہ وہ خشک سے خشک مضمون کو نہایت دلچسپ پیرایہ میں بیان فرماتے ہیں جذبات نگاری اور واقعات نویسی میں ڈاکٹر صاحب کو کمال حاصل ہے۔ اور زبان روزمرہ کی نہایت ہی عام فہم لکھتے ہیں تاکہ معمولی استعداد رکھنے والے بھی ان کی تحریروں سے فائدہ اٹھا سکیں۔ ڈاکٹر صاحب کے متعدد مختصر افسانے مختلف رسائل میں شائع ہو کر مقبول ہو چکے ہیں۔ ان افسانوں میں سے سات بہترین افسانے منتخب کر کے یہ مجموعہ شائع کیا گیا ہے (۱) نصیبن کا بیان۔ ایک غریب آرہ کش لڑکی کی شادی بھلا آدمی سے کس وجہ سے کی جاتی ہے (۲) خدا کا باغی۔ ایک مفلس دہریہ کس طرح راہ راست پر آجاتا ہے (۳) منجانب کا تعویذ۔ ایک بڑے آدمی کی خود غرضی نفس پروری اور ایک چھوٹے آدمی کا حیرت انگیز ایثار اور انسانی ہمدردی (۴) بڑا آدمی۔ ایک فقیر کس طرح ایک دولتمند اور کامیاب انسان بن جاتا ہے (۵) سکون خاطر شاحل کو حقیقی مسرت کس طرح حاصل ہوئی (۶) حسرت نصیب مردود۔ ایک دولتمند دکیل کی اپنی قوم کی خاطر بے مثل قربانیاں۔ ایک خوددار انسان کی درد بھری کہانی (۷) حفاظت کا فرشتہ۔ شاہ جی کے کرتوت اور عصمت مآب خاتون کی جرأت کا افسانہ۔ یہ افسانے دلچسپ ہیں اور بیحد دلچسپ مگر بڑی خوبی یہ ہے کہ افسانوں سے جرأت، ہمت، بہادری، ایثار، محنت، صداقت، اولوالعزمی، استقامت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور کامیاب زندگی گذارنے کا راز انسان کو معلوم ہو جاتا ہے۔ ایک ہی افسانہ پڑھنے سے کتاب کی قیمت وصول ہو جاتی ہے دوسرا ایڈیشن۔ قیمت ایک روپیہ چار آنہ (عہ/ ۱)

شہید وفا سلمیٰ نے دنیا کے سامنے محبت اور وفا کا جو دردناک نمونہ پیش کیا ہے شہید وفا میں پڑھئے دل لرز جائیگا آنکھیں پرنم ہو جائیں گی۔ اور ایک بہادر لڑکی کی تصویر آپ کی نگاہوں کے سامنے آجائیگی۔ ہندوستان کی مشہور افسانہ نگار رفیقہ لطف الوحی صاحبہ کا یہ مشہور افسانہ ہے جس کے ساتھ موصوفہ کے آٹھ اور دلچسپ افسانے بھی آپ کی دلچسپی کیلئے حاضر کئے گئے ہیں۔ عنوانات یہ ہیں (۱) بیٹے کی تمنا (۲) نکاح کا افسوس (۳) مجذوب کی سرگذشت (۴) سیاہ نقاب پوش (۵) تصویر عبرت (۶) پگلی کا راز (۷) جوہری کی دوکان (۸) تین خون۔ یہ معمولی افسانے نہیں حیات انسانی کی تشبیہیں درد اور جذبات کی سچی تصویریں ہیں۔ سب افسانے دلکش اور نتیجہ خیز ہیں عصمت، تہذیب، الخلیل، انقلاب جیسے بلند پایہ رسالوں اخباروں نے شاندار ریویو لکھے ہیں۔ دوسری دفعہ شائع ہوئی ہے۔ قیمت ایک روپیہ چار آنے۔

مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری کی مشہور و مقبول تصانیف

آمنہ کا لال

اُردو زبان کا سب سے بہتر مولو شریف جو بڑھی عورتوں کی مجالس میلاد میں یہی کتاب پڑھی جاتی ہے اور وہ اپنی غیر مسلم سہیلیوں کو بڑے فخر کے ساتھ بلاتی ہیں۔ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ مرد بڑے ذوق و شوق سے آمنہ کے لال کا مطالعہ کرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو خلافِ عقل کہا جا سکے۔ نثر کے ساتھ ساتھ جہاں نظم ہے وہ بھی اس قدر موثر ہے کہ اہل دل تڑپ اٹھیں۔ کیونکہ تمام اشعار خود علامہ مغفور ہی کے ہیں۔ آمنہ کے لال ہیں علامہ راشد الخیریؒ کا بہترین لٹریچر ہے۔ قیمت ۳؍

محسنِ حقیقی

مسلمانوں کے آقا و مولا فخر دو جہاں سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے چند متفرق واقعات

مصنفہ آمنہ کے لال کے قلم سے۔ اور اس قدر موثر پیرایہ میں کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑیں۔ مجالس میلاد کے متعلق چند اصلاحی مضامین بھی اس کتاب میں ہیں۔ قیمت آٹھ آنے ۸؍

الزہرا

اردو زبان میں جگر گوشۂ رسولؐ سیدۃ النساء حضرت بی بی فاطمہؓ کی بہترین سوانحعمری جو بتاتی ہے کہ میاں کو کس طرح رہنا چاہیے۔ بچوں کی پرورش کس طرح کرنی چاہیے دنیا کے ساتھ دین کس طرح میسر آتا ہے واقعات دردانگیز کہ ہچکی بندھ جائے آخر میں کربلا کا مختصر بیان اور مصور غم کا قلم گیارہ دفعہ چھپ چکی ہے قیمت عہ

عروس کربلا

علامہ مغفور کے تمام تاریخی ناولوں میں بلحاظ درد و اثر کے ممتاز ہے کربلا کے واقعات پہلے ہی کچھ کم دردانگیز نہیں۔ اس پر مولانا کے قلم گوہر ریز نے قیامت ڈھا دی ہے۔ کئی جگہ ہچکی بندھ جاتی ہے۔ مزید لطف یہ ہے کہ محبت کا دلآویز افسانہ ہے۔ بہت مشہور کتاب ہے ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے اور آج بھی اسی طرح دھڑا دھڑ نکل رہی ہے عروس کربلا کی طرز پر کئی مصنفوں نے ناول لکھے مگر عروس کربلا عروس کربلا ہی ہے حال ہی میں آٹھویں دفعہ چھپی ہے۔ قیمت دو روپے (عہ)

نوبت پنج روزہ

شاہجہاں آباد اجڑ چکا مگر اس کے کھنڈر اب تک مٹنے والوں کے کارنامے سنا رہے ہیں اور شہر کے در و دیوار اس وقت بھی اپنے مہمانوں کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں۔ آج سے ستر سال پہلے دلی کیا تھی بادشاہ کا جلوس قلعہ معلےٰ کی بہاریں۔ شاہی جھمگٹے میلے تماشوں کے رنگ دربار کی کیفیت۔ قطب صاحب کے مقبرے پر غیب شاہ بڑے اور کوٹلہ کے جشن۔ شہر کی آبادی کی چہل پہل۔ ہندو مسلمانوں کی معاشرت رمضان۔ عید سلونوں۔ سالگرہ کے تزک و احتشام شادی بیاہ کی رسوم۔ غرض دور گزشتہ کی بہار اگر دیکھنی ہو تو نوبت پنج روزہ یعنی وداع ظفر ملاحظہ فرمائیں جس میں آخری تاجدار مغلیہ کی پانچ نوبتیں اور اس قدر دردانگیز پیرایہ میں لکھی گئی ہیں کہ خون کے آنسو رلوا دیں گی۔ پانچویں نوبت وہ ہے جب دلی نے بادشاہ کو وداع کیا غدر ۵۷ء کے واقعات۔ مخبروں کا ظلم مظلوموں کی حالت اور مردوں کی بربادی۔ عورتوں کی تباہی اور بادشاہ کے بیہم مصائب۔ ناممکن ہے کہ آپ آنسو بہائے بغیر پڑھ سکیں بادشاہ کی تصویر اور نیز عکسی تصویریں عہ

یاسمین شام

امیر المومنین فاروق اعظم حضرت عمرؓ کے زمانہ کی اسلامی لڑائیاں ہلال و صلیب۔ اسلام و عیسائیت کے معرکے تسخیر اردن۔ میدان حمص۔ بعلبک اور شام۔ حلب۔ انطاکیہ بیت المقدس اور یرموک کے لئے مجاہدین اسلام کی سرفروشانہ قربانیاں۔ جنگ یرموک وہ اسلامی جنگ تھی جس میں ۳۶ ہزار مسلمانوں نے عیسائیوں کی متفقہ طاقت یعنی ۳ لاکھ کے لشکر عظیم پر فتح پائی جس میں مسلمان عورتیں اس طرح لڑیں کہ دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیے حضرت ابو عبیدہؓ۔ حضرت خالد بن ولید اور شرحبیل کی نعرہ پر مسلمانوں کے جوشِ ایمانی جرأت جانبازی اور ایثار کے دل ہلا دینے والے نظارے یاسمین شام ہی میں نظر آئیں گے۔ اگر محبت کا دلآویز افسانہ دیکھنا ہے تو یاسمین شام کا مطالعہ کرو۔ جو سفاک سنگدل باپ خدا ترس ماں اور مظلوم بچی کی دلخراش داستان بھی ہے۔ حال ہی میں جدید ایڈیشن خاص اہتمام سے شائع ہوا ہے۔ قیمت عہ

سیّدہ کی بیٹی

حضرت زینب کبریٰؑ کی مفصل کمل اور جامع سیا نحمری جو رازق الخیری صاحب کی گئی سال کی تحقیق و تلاش اور محنت و جانفشانی کا نتیجہ ہے۔ یہ حالات زندگی رسول اکرمؐ کی اس لاڈلی کے ہیں جس نے اسلام کے استحکام کے لئے حسینؑ جیسے پیارے بھائی پر جگر کے ٹکڑے قربان کرنے کے بعد ایسی ایسی تکلیفیں اٹھائیں کہ ان واقعات کے خیال سے قلب انسانی تھرا جاتا اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ بزرگوں کے خون، تربیت، ماحول اور صحبت کا انسان کی طبیعت پر کس قدر گہرا اثر پڑتا ہے سیدہ کی بیٹی بتائے گی کہ اسلام کسے کہتے ہیں انسانیت کیا چیز ہے۔ دنیاوی تعلقات کا مطلب کیا ہے۔ شوہر کی رضامندی بچوں کی تربیت، ماں باپ کی خدمت اور بہن بھائیوں کی محبت کیا معنی رکھتی ہے اسلامی تاریخ سے واقفیت ہونے کے علاوہ اس کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا کے حقیقی اسباب کیا تھے۔ اور کربلا نے کے بعد کیا ہوا۔ دشت کربلا کا حال کس قدر دردانگیز ہے اس کے متعلق یہی کہنا کافی ہے کہ مصنف "وداع راشد" کے قلم سے یہ واقعات ادا ہوئے ہیں۔ ناممکن ہے کہ سنگدل سے سنگدل انسان بغیر آنسو بہائے پڑھ سکے شیعہ سنی دونوں فرقوں میں پسندیدہ نظروں دیکھی جاتی جاتی ہے۔ دوسری مرتبہ آرٹ کاغذ پر چھپی ہے قیمت تین روپیہ گلابی کاغذ عمر

عصمت کی کہانی

دین دنیا کی رائے "مولانا رازق الخیری ہندوستان کے پہلے مدیر و اہل قلم ہیں جنہوں نے اس چیز کی کوشش کی ہے کہ ہندوستان کو اپنے مشہور نسوانی رسالہ عصمت کی تاریخ سے باخبر کردیں ہندوستان میں کسی اخبار یا رسالہ کا جاری کرنا اور پھر اسے قایم رکھنا اور چلانا اتنا دشوار کام ہے جس کا عام لوگ تصور بھی نہیں کرسکتے مولانا رازق الخیری نے رسالہ عصمت کی اٹھائیس سالہ زندگی پر روشنی ڈال کر یہ بتادیا ہے کہ علمی اداروں کے لیئے ہندوستان کی سرزمین کس قدر غیر موزوں ہے عصمت کی کہانی پڑھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس مشہور رسالہ کو زندہ رکھنے کے لیے مولانا راشد الخیریؒ نے کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کیں اور اس کے باوجود بھی ادبی اور لٹریری عہد تک خلق خدا کی خدمت کرتے رہے قیمت عہ

محترمہ آمنہ نازلی (ادیب فاضل) کے مختصر ڈراموں کا مجموعہ

دوشالہ

شگفتگی، سنجیدہ ظرافت، طنز و طبع ہنسی اور مذاق میں اصلاح معاشرت اور اصلاح اخلاق سے متعلق دل میں گڑتی اور کلیجہ میں اترتی ہوئی باتیں۔ بڑے اور بچے، شہری اور گنوار، تہذیب یافتہ اور جاہل ہر عمر اور ہر حیثیت اور ہر ماحول کے شخص کی بے ساختہ گفتگو جس میں تصنع اور آورد کا نام تک نہ ہو۔ اعلیٰ درجہ کی حقیقی اور صحیح کردار نگاری

یہ ہیں چند خصوصیات محترمہ آمنہ نازلی کے ان مختصر ڈراموں کی جو اکثر رسائل میں شائع ہو کر قبولیت عامہ حاصل کرچکے ہیں۔ اور اب کتابی صورت میں شائع ہوئے ہیں۔

چند ڈراموں کے عنوانات یہ ہیں :-

دوشالہ۔ ماں۔ شوہر کی شادی۔ خود۔ بھانجی سانا۔ استانی جی۔ روشن خیال دلہن وغیرہ

کاغذ بہترین سفید۔ لکھائی چھپائی اعلیٰ۔ جلد پائدار۔ گرد پوش دیدہ زیب۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ)

وداعِ راشد

حیاتِ راشد کا آخری باب

حضرت علامہ راشد الخیریؒ کی علالت اور وفات کے حالات، ذاتی اوصاف اور مختلف حیثیتوں کا تذکرہ۔

مولانا عبد الماجد دریابادی کی رائے "درد صفحہ صفحہ میں سطر سطر میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے آخر وقت کی ساری تفصیلات کا نقشہ نظر کے سامنے آجانے کے بعد کون ایسا سنگدل ہے جس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نہ جاری ہوجائیں گے؟ اردو ٹریجڈی کے بادشاہ کی کتاب زندگی کا خاتمہ یوں ہی ہونا بھی چاہیئے تھا کہ وہ خود ایک ٹریجڈی کا تحفہ دنیا کو دے جائیں۔"

مولانا رازق الخیری نے اپنے عظیم المرتبت والد کا اچھوتا طرز تحریر گویا ورثہ میں پایا ہے۔ جملہ حالات اس قدر مفصل و موثر لکھے ہیں کہ پڑھنے والوں کی آنکھوں کے آگے سینما کی فلم کی طرح نظر آنے لگتے ہیں۔ حزن نگاری کے بادشاہ کے آخری وقت کا بیان نہایت ہی رقت انگیز ہے (ساقی دہلی) ۸۰ صفحات ۲ فوٹو قیمت ۱۲؍

اور اُس نے
لائف بوائے کی
عادت سیکھی ہے!
وہ اِس وقت بہت کچھ سیکھ رہا ہے لیکن زندگی میں لائف بوائے صابن کے روزانہ استعمال کی عادت سے زیادہ کوئی چیز کام نہیں آئے گی۔ اُس کی ماں خوش ہے، اور اُسے فخر ہے کہ اس نے گرد و غبار کے اس خطرہ کے متعلق سبق دیا ہے جو ہر جگہ غیر محتاط آدمیوں پر حملہ کرنے کیلئے تیار ہے۔
LIFEBUOY
لائف بوائے ایک اچھا صابن ہی نہیں بلکہ ایک اچھی عادت ہے۔
LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED

بزمِ عصمت

(۱) بزمِ عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں خریداری نمبر کا حوالہ ہو (۲) خطوط مختصر ہوں (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جواب عصمت میں پہلے شائع ہو چکے ہیں (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا شکایات کے بارے میں کوئی بات نہ ہو۔ علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔ (ایڈیٹر)

میرے دادا جان خان بہادر ملک محمد امین خان کو سرکار عالی نے ستر کا خطاب دیا ہے۔ اس خوشی میں ۱۰؎ روپیہ کی حقیر رقم ارسال خدمت ہے۔ کسی کار خیر میں لگا کر ممنون فرمائیے۔ خاکسار سلیمہ بنت ملک عبدالسلام

میری والدہ صاحبہ اپریل ۱۹۴۵ء سے سخت علیل تھیں ڈاکٹروں نے ایکس رے کے بعد مرض ٹی بی بتایا تھا۔ ڈاکٹر مایوس ہو چکے تھے لیکن والد صاحب نے بمبئی۔ جبلپور۔ جھانسی۔ کانپور۔ لکھنؤ وغیرہ سب جگہ علاج کروایا لیکن فائدہ نہ ہونا تھا نہ ہوا۔ آخر کار آریاپور کے سینی ٹوریم میں علاج کرانے سے خدا نے اُن کو صحت بخشی اب صرف کمزوری ہے۔ اس خوشی میں پانچ روپیہ کی حقیر رقم نادار فنڈ کے لئے بذریعہ منی آرڈر روانہ کر رہی ہوں۔ قبول فرمائیے۔ حمیدہ خاتون ۳۲۱۲

اپنی اہلیہ مرحومہ سیدہ انیس ناہید کی یاد کو عصمت کے صفحات میں تازہ رکھنے کے لئے ۵ روپیہ کا حقیر نذرانہ عصمت کے نادار فنڈ میں پیش کرتا ہوں قبول فرمائیں۔ سوگوار انیس جعفری

جنوری کے پرچے میں خریدار ۳۲۹۵ بہن نے موٹاپا کم کرنے کے لئے پوچھا ہے۔ اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ صبح و شام ایک ایک گھنٹہ روزانہ بلا ناغہ ٹہلا کریں۔ اور روزانہ ایک گھنٹہ کسی تیل سے بدن کی مالش زور کے ساتھ کرائیں۔ اس کے علاوہ گھر کے کام کاج میں حصہ لیتی رہیں کھانے میں جس طرح پرہیز کر رہی ہیں اُسی طرح جاری رکھ کر ایک مہینہ کر کے دیکھیں آپ کو بہت افاقہ معلوم ہوگا۔ صرف کھانے میں پرہیز کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ فاطمہ علی

خریدار ۳۲۹۵ کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ رات کے کھانے کے بعد

شام کا کھانا چھوڑ دیں۔ دودھ۔ شکر۔ شکر قندی۔ کیلا۔ انجیر۔ اناج کچھ ہی کا استعمال نہ کریں۔ ادرک بہت زیادہ کھائیں۔ سونف چبایا کریں یا اس کا عرق پیا کریں۔ صبح نہار منہ ایک گلاس ٹھنڈا پانی شہد ملا ہوا۔ یا لیموں ملا ہوا پیا کریں۔ ورزش خوب کریں۔ چائے پیا کریں۔ لال اور کالی مرچ زیادہ استعمال کریں۔ روزانہ ٹھنڈے پانی سے نہایا کریں سرکہ۔ کانجی یا اچار اگر موافق ہو تو ضرور کھانے کے ساتھ استعمال کریں۔ اگر آپ کا موٹاپا خون کی خرابی کے باعث یا خاندانی نہیں ہے تو بہت جلد فائدہ ہوگا۔ بالوں کے لئے ناریل کا تیل مفید ہے۔

اگر کسی بہن یا بھائی کو ایسی کتاب کا پتہ معلوم ہو جس میں مرغیوں، بطخوں، راج ہنس، کبوتر کے پالنے، انڈوں بچوں کی نگہداشت اور دوا بیماری علاج وغیرہ کے متعلق ہدایات درج ہوں تو مطلع فرمائیے مشکور ہوں گی۔ ناچیز عابدہ حسین خریدار

میں عصمتی بہنوں کو نہایت ہی مسرت سے یہ خبر سناتی ہوں کہ میرے منجھلے بھائی سید محمود ام۔ اے، ایل۔ ٹی۔ ایس ہو گئے اس خوشی میں دو روپیہ کی حقیر رقم نادار فنڈ کے لئے روانہ کرتی ہوں۔

مسز حمید الدین احمد خریدار ۶۱۱۵

مجھے عرصہ ۳ سال سے مرض خنازیر کی تکلیف ہے۔ بہت علاج کیا کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ عصمتی بہنیں کسی آزمودہ دوا سے بذریعہ عصمت مطلع فرمائیں۔ خریدار ۵۵۵۹

بارہ سال سے میرے ہاتھوں میں ایگزیما ہے۔ ڈاکٹری یونانی علاج بہت کئے لیکن کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اگر کسی عصمتی بہن کو اپنا آزمودہ نسخہ معلوم ہو تو بذریعہ عصمت مطلع کیجئے۔ مسز الطاف خریدار ۶۰۵۵

میرا بدن بالکل سڈول تھا مگر اب پہلے بچے کی پیدائش کے بعد میرا پیٹ اور کولہے بہت بڑھ گئے ہیں میں کئی قسم کی ورزش کرتی ہوں خوراک میں بھی بہت احتیاط رکھتی ہوں۔ مگر اس کے باوجود کوئی فرق نہیں ہوا۔ اگر کوئی بھائی یا بہن ایسی دوا یا ورزش بتا دیں جس سے کہ میرا پیٹ اور کولہے کم ہو جائیں تو ممنون ہوں گی۔ خریدار ۵۵۳۵

عصمتی بہنوں کی خدمت میں عرض ہے کہ مجھے آملہ کا تیل بنانے کی ترکیب معلوم نہیں ہے۔ براہ کرم کسی بہن کو اس کی ترکیب معلوم ہو تو بذریعہ عصمت تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ اور ترکیب کے ساتھ تمام چیزوں کی ٹھیک مقدار بھی تحریر فرمائیں۔ خریداری ۹۴۰

فلم ستاروں کی طرح اپنی جلد کی حفاظت کیجئے
منورما
لکس ٹائلیٹ صابن
LUX TOILET SOAP

کھانے پکانے کی بہترین کتابیں

عصمتی دسترخوان حصہ اوّل جس کی ایک نمایاں خصوصیت جو اس موضوع کی اور کسی کتاب میں نہ ملے گی یہ ہے کہ تمام ترکیبیں تجربہ کرنے کے بعد لکھی گئی ہیں اس لیے ترکیبیں بالکل صحیح ہیں اور وزن بالکل درست! ہندوستان بھر کے ہر حصہ کی تقریباً ۸۰ عصمتی بہنوں نے اس کتاب کی تیاری میں حصہ لیا ہے اور ایڈیٹر صاحب عصمت کی اہلیہ محترمہ آمنہ نازلی صاحبہ نے بڑی محبت سے کتاب مرتب فرمائی ہے باورچی خانہ کے انتظام اور کھانوں کے متعلق نہایت قیمتی ہدایات اور مضامین درج کئے گئے ہیں ایک ایک چیز کئی کئی قسم کی تیار کرنے کے لیے بھی عصمتی دسترخوان سے بہتر کتاب ملنی ناممکن ہے چاول سلونے اور میٹھے۔ سوئیاں۔ کھیر فیرنی سادے اور ترکاری کے سالن۔ مچھلی۔ مرغ جیلی بسکٹ پڈنگ کباب۔ کیک۔ دالیں۔ مٹھائیاں۔ حلوے چٹنیاں مربے۔ اچار۔ سموسے۔ بڑے پوری کچوریاں پراٹھے۔ روٹی غرض ہر قسم کے کھانوں کی بڑی بڑی اچھی ترکیبیں ہیں اور ہر چیز کی کئی کئی درجن صحیح ترکیبیں!! اس کتاب کا ہر گھرانے میں ہونا ضروریات میں سے ہے بہت سی عورتیں اس کتاب کی بدولت عمدہ عمدہ ذائقہ دار کھانے پکانے لگیں لڑکیوں کو یہ کتاب اشد ضروری سمجھ کر جہیز میں دیجاتی ہے چند ہی سال میں آٹھوں ۹ ایڈیشن نکل گئے۔ قیمت ۱۲

عصمتی دسترخوان حصہ دوم عصمتی دسترخوان کا دوسرا حصہ ہے جس میں ۱۰۰ صفحوں کے نہایت ہی کارآمد اور قابل قدر مضامین ہیں مثلاً

مشرقی مغربی کھانے ہماری خوراک اور غذا کے متعلق تحقیقی مضامین کھانے کے اصول۔ کھانے کی حفاظت۔ جرمنی باورچی خانہ جاپانی باورچی خانہ۔ کچی سبزی۔ ترکاریوں کے خواص۔ کھانے کا کمرہ اناج کا صندوق۔ ایرانی دعوت وغیرہ۔ ترکیبیں سب نئی اور آزمودہ ہیں اور ایک ایک چیز کی متعدد ترکیبیں۔ عربی۔ ایرانی۔ ترکی جاپانی۔ عراقی۔ روسی۔ اطالوی انگریزی فرانسیسی کھانوں کی کئی ترکیبیں ہیں قیمت ۱۲ عصمتی دسترخوان مکمل یعنی دونوں حصوں کی قیمت۔ ۵

عصمتی ہنڈکلیا سوا سو کھانوں کی صحیح ترکیبیں بچیوں کے مطلب کی درج کی گئی ہیں۔ کھانے پکانے کے متعلق نہایت مفید مضامین اور کارآمد ہدایتیں بھی ہیں قیمت ۱۰

ناشتہ دوپہر اور رات کے کھانے سے قبل صبح اور تیسرے پہر کے ناشتے چائے کوکو شربت لسی۔ فالودہ۔ آئس کریم۔ بسکٹ کیک۔ توسٹ کٹلس وغیرہ کی کئی ترکیبیں ہیں قیمت ۱۲

بچوں کے کھانے ننھے بچوں کو اصول صحت سے کس قسم کی غذا دینی چاہیے کون سے کھانے مفید ہیں اور وہ کس طرح تیار ہوتے ہیں کئی درجن تجربہ کی ہوئی ترکیبوں کے علاوہ کارآمد مضامین بھی ملک کے قابل ڈاکٹروں کے لکھے ہوئے ہیں قیمت ۱۰

بیماروں کے کھانے بیماروں کے جو کھانے مفید ہیں اس میں صرف انہی کی ترکیبیں ہیں اور کئی قابل تجربہ کار ڈاکٹروں نے اس کی تیاری میں حصہ لیا ہے۔ ۱۲

مذاقیہ کھانے دولہا بھائی سے سمدھی سے سہیلیوں سے مہذب مذاق کرنے کے نہایت دلچسپ کتاب ہے قیمت ۴

زنانہ دستکاری کی مفید کتابیں

عصمتی کروشیا عام فہم ہدایات اور مختلف قسم کی جھالروں۔ کونوں انسرشن۔ ٹوپیوں وغیرہ کے خوبصورت نمونے چند عنوانات تاج محل جامع مسجد کلمہ طیبہ گلدان ہرن گھوڑے۔ شیر مرغ راج ہنس بچہ معہ تیر کمان گاڑی۔ عورت معہ پنکھا وغیرہ چوتھا ایڈیشن قیمت دو روپیہ ۲

عصمتی کشیدہ میزپوش پلنگ پوش چادریں رومال کرسیوں کے گدے تکیہ کے غلاف وغیرہ کے کئی سو حسین نمونے دلکش پھول دلاویز بیلیں وغیرہ چوتھا ایڈیشن ۱۲

گلدستہ کشیدہ وضع وضع کے پھول بیلیں کونے بوٹیاں چادر۔ میزپوش۔ گریبان کف وغیرہ کے لیے ۲۰ مشہور دستکار خواتین نے اس کی تیاری میں حصہ لیا ہے چوتھا ایڈیشن ۲

گلزار درخشاں کشیدہ کاری کے سو بہترین نمونے از محترمہ آر کے درخشاں ۱۲

گلشن زہرا ۲۴ بیلیں ۲۰ پھول ۳۸ کونے ۱۱ گملے ۱۱ ٹوکریاں ۵۰ مرکزی یا وسطی خاکے ۷ گریبان غرض کشیدہ کے متعدد نمونے ہیں قیمت ۱۲

مجموعہ کشیدہ کاری پہلے ۴۴ نمونے ان کے بعد نئی نئی وضع کی کڑھت کے ۷۴ نمونے پھر مختلف خواتین کے دیے ہوئے ۳۹ بہترین نمونے ہیں قیمت ۱۲

روح کشیدہ جس میں متعدد نمونے چھوٹے بڑے درمیانی پھولوں، بیلوں، گلدستوں ٹوکریوں مرکز کونوں کے ہیں قیمت ۱۲

کڑھت کی قسمیں مختلف قسم کی کڑھت کی عام فہم ترکیبیں اور ہدایتیں نمونے دیدہ زیب ۲

کراس اسٹچ ورک ترچھے ٹانکوں کے کام کی مشہور کتاب۔ چند نمونوں کے عنوانات۔ بطخ۔ چڑیا سارس جوڑہ مور۔ بلی چوہا گلہری۔ ہرن [illegible] وغیرہ پھولوں بیلوں گلدانوں وغیرہ کے بھی بہت سے نمونے ہیں [illegible]

تارکشی کا کام جس کی مدد سے کپڑے سے دھاگہ نکالنے کا کام آجا[illegible]

گلدستہ تارکشی مضامین اور ہدایتیں نہایت سلیقہ اور محنت سے لکھی گئی ہیں ۵۷ نمونے ہیں [illegible] ایک بہتر[illegible]

اونی کام سلائیوں سے نٹنگ کے بہترین نمونے مضامین اور ہدایتیں [illegible] رنگین اور سادے نمونے بہت کافی ہیں دوسرا ایڈیشن قیمت ۲

موتیوں کا کام ۴۰ پھول ۲۷ بیلیں ۲۶ جھالریں ۳ فریم ۱۱ انسرشن ۳ جالیاں ۹ حاشیے ۱۱ پنکھے ہینڈ اور منی بیگ ۹۴ پردے ان کے علاوہ متعدد اور نمونے۔ ترکیبیں مفصل اور مکمل ۲۷ عصمتی بہنوں نے یہ کتاب تیار کی ہے بار سوم قیمت تین روپیہ ۳

سلمہ ستارہ کا کام کلابتون۔ شکویس سلمہ۔ گجائی موتی ستارہ وغیرہ کے کام کے ۲۲۶ نمونے دیدہ زیب۔ مرحومہ خدیجہ بائی کی دستکاری کی یادگار ہے ۲

چمنستان خیاطی پاسوئی کا کام بچوں کے کپڑے سوٹ جانگئے۔ باڈی بچہ سینہ بند قمیص۔ زنانہ کپڑے لباس شب خوابی۔ انڈرویر۔ کالر کف، بلاوز جمپر غرض کٹائی سلائی کی ترکیبیں اور نمونے بہترین قیمت ۱۲

گلستان خیاطی کپڑے کی کٹائی سلائی کی بہترین کتاب قیمت ۱۲

جالی کا کام لیس۔ جال۔ سیدھے الٹے فیتے گملے پھول بیلیں۔ گلدستے مختلف وضع کے متعدد ہیں۔ ہدایتیں بہت آسان مگر مکمل ہیں بار دوم قیمت دو روپیہ ۲

گوٹہ کناری کا کام ہندوستان کی قدیم دستکاری صنعت پر بیش بہا کتاب سوا سو کے قریب دیدہ زیب نمونے ہیں ترکیبیں عام فہم ہیں۔ قیمت صرف دو روپیہ ۲

تعلیم سوزن کاری جس میں زری کا کام۔ ڈارجیاورک۔ کامدانی کا کام کاپنچ سے کشیدہ کاری کا کام سلک ایمبرائڈری اور کروشیا کے نمونے ڈیڑھ سو کے قریب مع ہدایات ۱۲

ملنے کا پتہ: عصمت بک ڈپو۔ کوچہ چیلان۔ دہلی

مسولانک بذر غریدہ مسولانک بذر غریدہ

(اس پرچہ میں جس قدر مضامین ... عصمت ...)

رسالہ عصمت دہلی

سینتیسواں سال	فروری سنہ ۱۹۴۵ء	جلد ۷۴ نمبر ۲

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی: (مع محصول ڈاک) پانچ روپیہ۔ بذریعہ وی پی سوا پانچ روپیہ۔ ممالک غیر سے دس شلنگ
امرا سے دس روپیہ　رؤسا سے پچیس روپیہ　والیانِ ریاست سے سو روپیہ

(باہتمام رازق الخیری صاحب پرنٹر و پبلشر، محبوب المطابع دہلی میں چھپ کر دفتر عصمت کوچہ چیلان دریا گنج دہلی سے شائع ہوا)

علامہ مرحوم کی برسی پر

سحر دم جلوہ دکھلاتا ہے مہرِ زر نگار اب بھی! — چمن زاروں میں گُل کھلتے ہیں، آتی ہے بہار اب بھی!

لبِ کہسار سے اب بھی رواں ہیں نور کے چشمے — مناظر سنتے ہیں اکثر نوائے آبشار اب بھی!

فلک کی نیلمیں مسند پہ سیاروں کی محفل ہے — نظر آتی ہے زہرہ ساز در کف نغمہ بار اب بھی!

مگر راشد کی صورت چشمِ ظاہر سے چھپی ایسی — کہ سن کر نام ہو جاتی ہیں آنکھیں اشکبار اب بھی!

جواب اُس کا، سرائے دہرِ فانی دے نہیں سکتی!
مشیت اور سب دے، اُس کا ثانی دے نہیں سکتی!

بسر ہونے کو ہو جاتی ہے سب کی دہرِ فانی میں — مگر کم ہیں جو کام آتے ہیں، اپنی زندگانی میں!

فرشتوں کو بھی رشک آتا ہے اسکی زندگانی پر — بنی آدم کی جو خدمت کرے دنیائے فانی میں!

ہے نام راشدِ مرحوم اک زندہ مثال اس کی — گنوا دی جس نے ساری زندگی اس جانفشانی میں!

رہیں گی حشر تک ممنون خاتونانِ قوم اس کی — کہ اُس نے روشنی پھیلائی، اِن کی زندگانی میں!

ادب کے آسماں پر وہ مثالِ ماہ روشن تھا!
دل اُس کا عرش تھا، سینہ فضائے طورِ ایمن تھا!

لہو روتا رہا وہ عورتوں کے خوابِ غفلت پر — عیاں کرتا رہا داغِ جگر، صفحاتِ عصمت پر!

بسر کی خدمتِ نسواں میں ساری زندگی اپنی — زبانِ خامہ سے آنسو بہائے اُن کی حالت پر!

کوئی افسانہ ہو، اصلاح سے خالی نہیں اُس کا — تھی کچھ اتنی محیط، اصلاحِ نسواں اُسکی فطرت پر!

بزرگ و پیر ایسا مل نہیں سکتا خواتیں کو — بجا ہے ناز ہو گر ان کو اُسکی شان و عظمت پر!

خواتیں اپنا خضر و مرشد و رہبر کہیں اُس کو!
تعجب کا نہیں موقع کہ پیغمبر کہیں اُس کو!

اختر شیرانی

حضرت علامہ راشد الخیری رح

پیدائش ۱۸۶۸ء

٧٩٦٣/

تذکرہ

وفات ۱۹۳۶ء

نویں برسی

۳ فروری ۱۹۳۶ء وہ منحوس تاریخ تھی جب موت کے ظالم ہاتھوں نے بیسویں صدی کے مصلحِ اعظم کا مبارک سایہ قومِ بد نصیب کے سر سے اٹھا دیا۔ یہی وہ صبح تھی جب بزمِ دہلی کی آخری شمع ہمیشہ کیلئے خاموش ہوئی، یہی وہ دوپہر تھی جب مشرق کے بے مثل حزن نگار کا پیکرِ فانی وہ محبت و انسانیت کا مجسمہ وہ شگفتہ چہرہ وہ نورانی صورت سپردِ خاک کر دی گئی!

۳ فروری ۱۹۴۵ء کو علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کی نویں برسی ہے۔

عصمتی بہنوں سے بمنت التجا ہے کہ اس تاریخ کو بعد نماز صبح کلام پاک جس قدر زیادہ سے زیادہ ہو سکے تلاوت فرمائیں اور جو بیبیاں استطاعت رکھتی ہوں وہ غریبوں، محتاجوں، یتیموں مسکینوں کو کھانا کھلا کر یا ان کی مالی امداد کر کے اپنے محسنِ اعظم کی پاک روح کو ایصالِ ثواب پہنچائیں

رازق الخیری

وکیلِ بے زباں

اے وکیلِ بے زباں تجھ پہ صد ہا رحمتیں
باغِ جنت میں ملیں تجھ کو جہاں کی نعمتیں
طبقۂ نسواں کی تو نے دور کر دیں زحمتیں
تیری مشہورِ زمانہ سب ہیں قومی خدمتیں

تیری قومی خدمتیں دائم ہیں دل میں جاگزیں
بھول جانے کی نہیں! یہ بھول جانے کی نہیں!

تیری تصنیفات، وہ علمی و ادبی شاہکار
مستفید اب خلق جن سے ہو رہی ہے بار بار
دائمی ہیں راشد الخیری یہ تیری یادگار
نام تیرا زندہ ہے جب تک ہیں یہ لیل و نہار

ملتا تھا دنیا میں جو کچھ وہ سبھی تجھ کو ملا
اور قیامت میں بھی اس کا تجھ کو رب دیگا صلا

صنفِ نازک کے لئے سارا زمانہ تنگ تھا
ان غریبوں کا عدم سے آنا وجہ ننگ تھا
ہر طرف سے "گاڑ دو زندہ" یہی آہنگ تھا
فرقۂ نسواں کی یہ حالت تھی اور یہ رنگ تھا

مل چکی تھیں خاک میں تو نے اجاگر کر دیا
کوششوں سے ان کو مردوں کو برابر کر دیا

صنفِ نازک پر کئے ہیں تو نے احسان گراں
کوششوں سے تیری روشن ہو گئی اردو زباں!
ہے دعا پھولے پھلے اردو ادب کا گلستاں
تجھ پہ رحمت ہو خدا کی اے شفیقِ بے کساں!

نخل بندانِ چمن کا نام بھی روشن رہے!
رہنمایانِ وطن کا کام بھی روشن رہے!

قیصر جہاں قیصر
بنت حضرت بصیر بدایونی

راشدِ عالی وقار

ہمدرد و خیر خواہ تھا خدمت گزار تھا — خوش خلق تھا حلیم تھا الفت شعار تھا
کوشاں تیری بھلائی میں لیل و نہار تھا — اے قوم! جان و دل سے جو تجھ پہ نثار تھا
وہ کون تھا؟ وہ راشدِ عالی وقار تھا

صورت اگر تھی خوب تو سیرت تھی لاجواب — اللہ نے فضیلتیں بخشی تھیں بے حساب
کچھ آرزوئے صلہ، نہ اندیشۂ عتاب — بے جا خوشامدوں سے رہا جس کو اجتناب
وہ کون تھا؟ وہ راشدِ عالی وقار تھا

چشمِ جہاں میں تا نہ رہیں وہ ذلیل و خوار — تحصیلِ علم پر ہی دیا زور بار بار
برسوں رہا جو ان کی جہالت پہ اشکبار — احسان عورتوں پہ کئے جس نے بے شمار
وہ کون تھا؟ وہ راشدِ عالی وقار تھا

تعلیمِ راشدی سے ہوئیں جب وہ بہرہ ور — اپنے حقوق کی انہیں سب ہو گئی خبر
مردوں میں احترام سے کرنے لگیں بسر — جس کی ہر ایک بات میں ہوتا تھا کچھ اثر
وہ کون تھا؟ وہ راشدِ عالی وقار تھا

ان کے لئے ہی لکھی جو لکھی کوئی کتاب — ہوتی ہیں جس کے پڑھنے سے دن رات فیضیاب
دنیا میں زندگی کو بناتی ہیں کامیاب — یوں جس نے کر دیا انہیں مائل بانقلاب
وہ کون تھا؟ وہ راشدِ عالی وقار تھا

الفاظ چست، رنگ نیا، بندشیں عجیب — یہ ساری باتیں ہوتی ہیں کس کو بھلا نصیب
باغِ سخن کا سب جسے کہتے تھے عندلیب — اب تک نہ جس کے پایہ کا دیکھا کوئی ادیب
وہ کون تھا؟ وہ راشدِ عالی وقار تھا

مضمونِ غم کو باندھے گا ایسا نہ پھر کوئی — مالک تھا اپنی طرزِ ادا کا وہ آپ ہی
ہے لاجواب دیکھ لو تصنیف کوئی بھی — ہر محفلِ ادب میں بڑی قدر جس کی تھی
وہ کون تھا؟ وہ راشدِ عالی وقار تھا

دنیا کو رام کر لیا اپنے کلام سے — طبعِ رسا کی داد لی ہر خاص و عام سے
واقف نہ تھا جو بغض و عداوت کے نام سے — الفت رہی ازل جسے ہر نیک کام سے
وہ کون تھا؟ وہ راشدِ عالی وقار تھا

ابو الاعجاز ازل لاہور

علامہ راشد الخیری اور صنفِ نازک

اُردو ادب نے اپنا چراغ، چونکہ فارسی ادب کے ہی چراغ سے روشن کیا، اس لئے صنفِ نازک کا تصور کم و بیش اُردو کے ادیبوں کے یہاں بھی عرصہ تک وہی رہا جو فارسی ادیبوں کا تھا۔ حالات و واقعات کے تقاضوں، ماحول کی تبدیلی، اور سماجی نظاموں کی بدلی ہوئی کیفیتوں نے ان کو کسی حد تک مختلف ضرور کر دیا ہے لیکن ویسے وہ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ فارسی ہی کے زیرِ اثر اردو میں غزل کا رواج ہوا اور ایک زمانے میں اس کی شاعری کا سرمایہ، سوائے غزل کے کچھ بھی نہ رہا۔ غزل ہی اس کے لئے سب کچھ تھی۔ گویا غزل اور ادب ہم معنے اصطلاحیں ہو گئی تھیں۔

غزل میں صنفِ نازک کا جو تصور پیش کیا گیا ہے۔ اس میں انسانی زندگی کے صرف ایک رُخ کی ترجمانی نظر آتی ہے یعنی اردو کے غزل گو شاعر صنفِ نازک کو محبوب سمجھتے ہیں۔ اور اس کی ہستی کو سوائے ایک کیفِ سرور کی دنیا کے اور کچھ نہیں جانتے۔ چنانچہ کم و بیش تمام غزل گو شاعروں کے یہاں ان کے ظاہری حسن کی تعریف ملتی ہے اور کہیں ان کے عشوہ و ناز و ادا کا بیان! کہیں وہ ان کے فراق میں تڑپتے ہیں اور کہیں ان کے وصال سے خوشیاں مناتے ہیں۔ کہیں وہ ان کی خاطر دیوانوں کی طرح صحراؤں کی خاک چھانتے ہیں اور کہیں انہیں کے کوچے میں دیوار سے سروں کو پھوڑتے ہیں۔ غرض اسی قسم کی کیفیات کے بیانات سے ان کی شاعری بھری پڑی ہے۔ پھر سماجی حالات نے ان کے اس محبوب کو بڑی حد تک، قریب قریب سب کے یہاں بازاری محبوب بنا دیا ہے۔ کیونکہ شریف گھرانوں کی خواتین کے ساتھ تو وہ اس طرح کھل نہیں سکتے تھے۔ اس لئے وہ اس طرف رجوع ہوئے اور رجوع کیا ہوئے۔ وہ مجبور ہو گئے۔ اس طرف رجوع ہونے کے لئے! کیونکہ ان کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار ہی نہ تھا ان کی جنسی زندگی سماج کی آہنی زنجیروں میں جکڑی ہوئی پڑی کراہ رہی تھی جس کی تسکین کے لئے ان کی فکر نے یہ راستہ اختیار کر لیا۔ شاعری ہی پر منحصر نہیں، بلکہ بہترین لکھی ہوئی قصے کہانیوں کے اندر بھی اسی قسم کی باتیں نظر آتی ہیں۔ ان کے اندر بھی لکھنے والوں نے مافوق الفطرت عناصر کے ساتھ ساتھ حسن و عشق کی مختلف کیفیات کا بیان اس طرح کیا ہے کہ صنفِ نازک بالکل ایک دل بہلانے کا کھلونا معلوم ہوتی ہے۔

اردو ادب کا یہ پہلو کسی قدر عجیب ضرور ہے لیکن اگر حالات کی تہہ تک جا کر دیکھا جائے تو یہ کیفیت ایسی زیادہ عجیب نہیں معلوم ہوتی۔ جس پر تعجب کیا جائے۔ ہمارے پرانے ادیبوں کے ماحول نے ان کو تعیش پسند اور لذت پرست بنا دیا تھا۔ جس کا باعث تھا ایک ساختی اور جاگیردارانہ نظام! انہوں نے صنفِ نازک کے دوسرے پیچیدہ مسائل کو نظر انداز کر کے صرف اس کو اسی حیثیت سے دیکھا۔ حالانکہ اگر ان ادیبوں کو حالات سے پوری واقفیت ہوتی اور ان کا شعور صنفِ نازک کی ان کراہوں کی درد بھری آواز سن سکتا جو عرصہ تک فضاؤں میں بلند ہوتی رہی تھیں۔ تو شاید اردو ادب کی صورت ہی بدل جاتی۔ ان دنوں ایک طرف صنفِ نازک کا وہ طبقہ تھا جو امیروں اور جاگیرداروں کے لئے صرف دلچسپی کے سامان فراہم کرتا اور جس کو بازاری کہنا زیادہ مناسب ہے۔ اور دوسری طرف وہ جماعت تھی جو پوری طرح مردوں کی دست نگر تھی یعنی وہ اپنی زندگی گھروں کی چہار دیواری میں رہ کر کاٹ دیتی تھیں اور جن کو کسی معاملے میں بھی اُف کرنے کی مجال نہ تھی۔ ان کے آقا ان کو جس طرح بھی رکھتے وہ اسی میں خوش تھیں۔

تو صنفِ نازک کے ان دونوں طبقوں کی زندگی، اس میں تو شک نہیں کہ بُری طرح سینہ فگار تھی۔ بظاہر تو وہ دونوں خوش نظر آتے تھے لیکن ان کے جسموں پر رنگین ملبوسوں کے نیچے نہ جانے کتنے زخموں کے نشانات تھے جنہوں نے ناسوروں کی شکل اختیار کر لی تھی۔ بازاری عورت بھی پریشان تھی اور گھر میں بیٹھنے والی بیوی بھی! مرد کی معاشی غلامی نے ان دونوں کو کہیں کا بھی نہیں رکھا تھا۔ ان دونوں کی ہستیاں بالکل ان کھلونوں کی مصداق تھیں جن سے بچے صرف دلچسپی لیتے اور دل

بہلانے کی غرض سے کھیلتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ انہوں نے اپنے گرد و پیش کے حالات سے موانست حاصل کرنے کے بعد بڑی حد تک اپنی زندگی کی رفتار کو ان سے ہم آہنگ کر لیا تھا لیکن اس کے باوجود ان کی زندگی کے چند بہت ہی اہم مسائل تھے یہ تو ہندوستانی عورت اور خصوصاً مسلمان ہندوستانی عورت کا طرۂ امتیاز ہے کہ وہ اپنے ماحول کے سانچے میں اپنے آپ کو اس طرح ڈھال لیتی ہے کہ سطحی نظر سے دیکھنے والوں کو اس کی تکلیفوں اور پریشانیوں کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ وہ اس کے ہونٹوں پر کھیلتی ہوئی مسکراہٹ دیکھتے ہیں لیکن وہ اس کی تہہ میں گریہ وزاری کی وہ دلدوز آوازیں نہیں سنتے جو ان مسکراہٹوں کے نیچے بسیرا لیتی ہیں۔

ہمارے پرانے ادیبوں نے بھی اس طرف توجہ نہیں کی۔ بات یہ تھی کہ صدیاں اسی طرح گزر گئی تھیں۔ اور کسی نے بھی اس پر غور نہیں کیا تھا۔ دوسرے سماجی، سیاسی، اور معاشی حالات نے ان کو کچھ ایسی باتیں سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ موت و حیات، دُنیا و عقبیٰ، جنت و جہنم اور اسی طرح دوسری مابعد الطبیعیاتی باتوں کے متعلق سوچ سکتے تھے۔ سماجی مسائل کے متعلق سوچ بچار کا تو اس زمانے میں سرے سے فقدان نظر آتا ہے۔ تیسرے ایک بات یہ بھی تھی کہ قدما میں کوئی ایسی شخصیت کا ادیب پیدا بھی نہیں ہوا۔ جو حالات و واقعات کے بہتے ہوئے دھاروں کے رُخ کو تفکر کے سہارے موڑ سکتا۔ ان سب کی نظر اپنے ذاتی اور شخصی حالات پر زیادہ پڑتی تھی۔ وہ باہر نظر نہیں دوڑا سکتے تھے۔ چنانچہ ان کی شاعری بھی شروع سے آخر تک داخلی ہے خارجیت کا اس میں پتہ نہیں۔ ان حالات میں ان سے اس بات کی توقع رکھنی کہ وہ صنفِ نازک کے بنیادی مسائل کو اپنا موضوع بناتے، ایک لایعنی سی بات ہے۔

لیکن یہ صورت ہمیشہ ایک سی رہنے والی نہ تھی۔ وقت نے کروٹ لی۔ زندگی نے نیا رخ اختیار کیا۔ حالات بدلے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ ادیبوں کے شعور میں بھی جب بیداری پیدا ہوئی، تو یہ مسائل ان کا خاص موضوع بن گئے۔ اور اس کا آغاز اس وقت سے ہوا۔ جب غدر کے بعد مسلمانوں میں ایک نشاۃ الثانیہ کا آفتاب طلوع ہوا۔ یہ زمانہ وہ زمانہ تھا جب ہر طرف تفکر کا دور دورہ ہوا جس کے تحت زندگی کے ہر شعبے میں ریفارم کا رنگ بھرنے کی کوشش کی گئی۔ سر سید اور ان کے رفقائے کار حالی، شبلی، آزاد اور ڈاکٹر نذیر احمد اس زمانے کے بڑے مفکر اور مصلحین قوم ہیں۔ ان سب نے اپنی اپنی افتادِ طبع کے مطابق زندگی کے مختلف شعبوں پر توجہ کی اور زندگی ان کی اشاعت میں صرف کر دی۔

تحریکات کے زیرِ اثر مولانا حالی۔ اور ڈاکٹر نذیر احمد نے صنفِ نازک کے بنیادی مسائل پر عقل کی روشنی میں غور کیا۔ چنانچہ حالی کی شاعری میں تغزل کی لطافت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی حسن و عشق کی مختلف کیفیات کا بیان بھی ملتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ صنفِ نازک کی سماجی اہمیت کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ چنانچہ "چپ کی داد" میں ہندوستانی عورتوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں ؎

اے ماؤں، بہنو، بیٹیوں — دُنیا کی عزت تم سے ہے
ملکوں کی بستی ہو تمہیں — قوموں کی عزت تم سے ہے
تم گھر کی ہو شہزادیاں — شہروں کی ہو آبادیاں
غمگیں دلوں کی شادیاں — دُکھ سُکھ میں راحت تم سے ہے

یہ اشعار صاف بتلاتے ہیں کہ ان کی سماجی زندگی میں وہ صنفِ نازک کی ہستی کو بے حد اہم خیال کرتے تھے۔ ان کے خیال میں بغیر اس کے ذہنی سکون، جو مسرت کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے انسان کو میسر ہی نہیں آسکتا۔ لیکن اس کے باوجود یہ احساس ان کو ہمیشہ ستاتا رہا کہ مرد صنفِ نازک کے ساتھ، وہ سلوک نہ کر سکے جو ان کو کرنا چاہیئے تھا۔ اس کو انہوں نے پورے طور پر اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر رکھنا چاہا۔ اور ذہنی اعتبار سے ان کو بلند کرنے کی کوشش نہیں کی۔ چنانچہ وہ اس پہ کڑھتے ہیں ؎

گو مرد دنیا میں تمہارے نام کے عاشق رہے — پر نیک ہوں یا بد رہے ہیں متفق اس رائے پر
جب تک جیو تم علم و دانش سے رہو محروم یاں — آئی ہو جیسی بے خبر جاؤ بھی ویسی بے خبر
تم اس قدر مجہول اور گمنام دنیا میں رہو — ہو تم کو دنیا کی نہ دنیا کو تمہاری کچھ خبر
جو علم مردوں کے لئے سمجھا گیا آبِ حیات — ٹھیرا تمہارے حق میں وہ زہرِ ہلاہل سر بسر

آتا ہے وقتِ انصاف کا نزدیک ہے یوم الحساب
دنیا کو دینا ہوگا ان حق تلفیوں کا واں جواب

اس کے علاوہ انہوں نے بچپن کی شادی اور بیوگی پر بھی خون کے آنسو بہائے ہیں۔ اور اس سلسلے میں ان کی نظم "بیوہ کی مناجات" مشہور ہے۔ جو اردو ادب میں ایک بڑے مرتبے کی مالک سمجھی جاتی ہے اسی نظم میں انہوں نے بیوہ کے جذبات و احساسات کی تصویریں بڑی ہی فن کاری کے ساتھ کھینچی ہیں۔ بہرحال حالی نے صنفِ نازک کی زندگی کے دوسرے پہلوؤں پر نظر ڈالی۔ اور اسی اعتبار سے اردو ادب میں ان کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔

حالی کے ساتھ ہی ساتھ ڈاکٹر نذیر احمد بھی نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ناولوں، قصوں اور کہانیوں میں صنفِ نازک کے بنیادی مسائل کو سمو کر ان کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر نذیر احمد کی قریب قریب تمام تحقیقات اسی ایک محور کے گرد گھومتی ہیں۔ وہ صنفِ نازک کے مرتبے کو بلند کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی تمنا ہے کہ گھروں میں بیٹھنے والیاں بیویاں تعلیم یافتہ، عقلمند، اور سلیقہ شعار ہوں۔ کیونکہ خود مرد کی انفرادی زندگی میں سکون و اطمینان بغیر اس کے ممکن نہیں۔ اور دوسرے اگر صنفِ نازک ان خوبیوں کی حامل نہیں تو قوم و ملک کی آیندہ نسلوں کا ترقی کی شاہراہ پر آسانی سے گامزن ہونا مشکل ہے۔ کیونکہ قوم کے بچے ماؤں کے سایے ہی میں پرورش پاتے ہیں۔ وہ ان کو جیسا بھی چاہیں بنا سکتی ہیں۔ اگر بچہ تعلیم یافتہ، عقلمند اور سلیقہ شعار ماں کے سائے میں پرورش پائے گا تو یقیناً وہ خود بھی ان تمام خصوصیات کا حامل ہوگا۔ ان کو عورتوں کی کمزوری اور زبوں حالی کا بھی احساس ہے۔ چنانچہ ان کو پکار کر یہ پیغام دیتے ہیں: "میں نے عورتو! کیا تم کو ایسے بُرے حالوں جینا کبھی خوش نہیں آتا اپنی بے اعتباری اور بے وقری پر کبھی افسوس نہیں ہوتا۔ کیا تمہارا جی نہیں چاہتا کہ مردوں کی نظروں میں تمہاری عزت ہو۔ تم نے اپنے ہاتھوں اپنا وقر کھو رکھا ہے۔ اپنے کو ان نظروں سے گری ہوئی ہو۔ تم کو قابلیت ہو تو مردوں کو کب تک خیال نہ ہوگا۔ تم کو لیاقت ہو تو مردوں کو کہاں تک پاس نہ ہوگا۔ مشکل تو یہ ہے کہ تم صرف اسی روٹی دال پکا لینے اور پھٹا پرانا سی لینے کو لیاقت سمجھتی ہو۔ ... اسے چھوڑو تو تم مردوں کے دل کا بہلاؤ، ان کی زندگی کا سرمایۂ عیش، ان کی آنکھوں کی باغ و بہار، ان کی خوشی کو زیادہ اور ان کے غم کو غلط کرنے والیاں ہو۔ ... سوائے پڑھنے لکھنے کے اور کیا تدبیر ہے کہ تمہاری عقلوں کی ترقی ہو بلکہ مردوں کی نسبت عورتوں کو پڑھنے کی زیادہ ضرورت ہے، مرد تو باہر کے چلنے پھرنے والے ٹھہرے۔ لوگوں سے مل جل کر بھی تجربہ حاصل کر لیں گے تم گھروں میں بیٹھے بیٹھے کیا کرو گی۔ سینے کی بقچی سے عقل کی پڑیاں نکال لوگی۔ یا انار کی کوٹھری سے تجربے کی جھولی بھر لاؤ گی۔ پڑھنا سیکھو کہ پردے میں بیٹھے ہوئے تمام دنیا کی سیر کر لیا کرو۔ علم حاصل کر کر اپنے گھروں میں زمانے بھر کی باتیں تم کو معلوم ہوں" تو اس طرح وہ لڑکیوں کو ان کمتریوں کا احساس دلا کر ان کے شعور میں بیداری پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہوں نے ان کو یہ بھی بتایا ہے کہ دنیا میں ان کی ہستی بڑی اہمیت کی مالک ہے۔ ان کو علم حاصل کرنا چاہئے۔ تاکہ وہ خود اپنے لئے اور اپنے مردوں کے لئے زیادہ مفید اور کارآمد ثابت ہوں۔ یہ تو تھا لڑکیوں کے متعلق! آگے چل کر ماؤں کے متعلق کہتے ہیں: "مائیں تو باتوں باتوں میں وہ سکھاتی ہیں، جو استاد برسوں کی تعلیم میں بھی نہیں سکھا سکتا۔ اور ماؤں کی تعلیم میں یہ کیسا لطف ہے کہ لڑکوں کی طبیعت کو وحشت نہیں ہونے پاتی۔ اور شوق کو ترقی ہوتی جاتی ہے۔" بہرحال یہ تمام خیالات اس بات کی دلالت کرتے ہیں کہ ڈاکٹر نذیر احمد عورتوں کی نفسیات کے بھی ماہر تھے، انہوں نے عملی طور پر اس کو بخوبی سمجھا بھی تھا۔ ان کے دل میں صنفِ نازک کی بڑی اہمیت تھی جس کے پیش نظر انہوں نے اس کو اپنا موضوع بنایا۔ اور جس نے اردو افسانوں اور ناولوں میں بالکل ایک نئے باب کا افتتاح کیا۔

علامہ راشد الخیری رح کے یہاں جو صنفِ نازک کا تصور ہے، اس کو جب تک اس پس منظر میں نہیں دیکھا جائے گا اس وقت تک وہ پورے طور پر سمجھ میں نہیں آسکتا۔ علامہ راشد الخیریؒ ڈاکٹر نذیر احمد کے سچے شاگرد نظر آتے ہیں۔ اور جس کام کی ابتداء ان کے ہاتھوں ہوئی تھی اس کو انہوں نے پورا کر دکھایا۔ یعنی یہ کہ صنفِ نازک کے اسی تصور کو، جو ڈاکٹر نذیر احمد نے پیش کیا، بہت بڑی حد تک وسیع کر دیا۔ انہوں نے اس کی زندگی کے ہر پہلو پر غائر نظر ڈالی۔ چنانچہ ان کے ناولوں میں صنفِ نازک کے متعلق مشکل ہی سے کوئی ایسا مسئلہ ہوگا جس کا حل نہ پیش کیا گیا ہو

ان کی عورت ہندوستانی عورت ہے جس کی پامالی کس مپرسی اور زبوں حالی پر وہ خون کے آنسو بہاتے ہیں۔ ان کی تحریر کے ایک ایک لفظ میں ہمدردی کا رنگ اس قدر رچا ہوا ہے کہ پہلی ہی نظر میں ساری تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے، اور چونکہ ہندوستانی عورت کی زندگی کا پس منظر بہت ہی دردناک اور غم انگیز ہے، اس لئے اس کی زندگی کے نشیب فراز کا بیان کرتے وقت ان کا انداز بہت ہی زیادہ دردناک اور الم انگیز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قریب قریب ان کے تمام ناولوں میں رنج والم کا عنصر غالب ہے۔ انھوں نے اپنی تخلیقات میں ہندوستانی عورت کے زخمی جذبات و احساسات کی چیخوں آہوں، اور کراہوں کی تصاویر کھینچی ہیں۔ جن کا مجموعی تاثر اگرچہ پڑھنے والے کو رنجیدہ کر دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کے دل میں ہمدردی کے جذبے کا ایک سیلاب سا امنڈ نے لگتا ہے۔ بہرحال وہ اپنی عورتوں کو غمگین، اداس اور زبوں حال پیش کرتے ہیں۔ ان پر ایسی ایسی بپتائیں پڑتی ہیں کہ جن کو سن کر کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے لیکن وہ ان سب کو نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کرتی ہیں۔ کیونکہ وہ بہادر ہیں۔ ان میں ہمت ہے۔ استقلال ہے۔ وہ گھبر‌اتی نہیں بلکہ حوادث کے طوفان کا مقابلہ کرتی ہیں۔ چاہے اس میں ان کا کچھ ہی حال کیوں نہ ہو جائے۔

وہ عموماً اپنی عورتوں کو پست حالت میں پیش کرتے ہیں ان کے عیوب ایک ایک کر کے گناتے ہیں۔ صرف اس خیال کے پیش نظر کہ اس کا تاثر پڑھنے والوں پر زیادہ گہرا اور زیادہ دیرپا ہو۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک ایسا کردار بھی پیش کر دیتے ہیں، جس کی حیثیت آئیڈیل ہوتی ہے۔ وہ سب اچھی باتیں کرتا ہے۔ دو مختلف کرداروں کا مقابلہ، اس چیز کو خاص طور پر واضح کر دیتا ہے، جو وہ کہنا چاہتے ہیں۔ یعنی ایک اصلاح کا پیغام! ایک بہتر بنانے کی صورت! ترقی کرنے کا ایک لائحہ عمل!

ان کی پیش کی ہوئی عورت باحیا ہوتی ہے۔ اور اس کو باحیا ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہی اس کا سب سے بڑا زیور ہے۔ وہ حسن و عشق کی محفلیں منعقد نہیں کرتے، کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ ہندوستانی عورت اس بازاری اور چھچھورے قسم کی محبت سے بہت دور ہے، جس کی کہانیاں ہم آئے دن سنتے رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک عورت کو محبت کرنی چاہیئے، کیونکہ وہ بھی اس کا ایک زیور ہے لیکن وہ محبت صرف شوہر ہی سے ہو سکتی ہے، اور وقت پڑنے پر اس کو اپنے شوہر کا غضب سے بڑا سہارا ثابت ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس دنیا میں خصوصاً ہندوستانی سماج کے اندر عورت کے لئے شوہر کی ہستی ہی بہت کچھ ہے۔ بغیر شوہر کے اس کی زندگی بیکار بلکہ وبال ہے، ان کے خیال کے مطابق عورت کو مرد سے اپنے جائز حقوق تسلیم کرانے چاہئیں لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کو یہ بات بھی فراموش نہ کرنی چاہیئے۔ کہ مرد کا خوش رکھنا اس کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہیں ہوگا تو گھریلو زندگی عورت اور مرد دونوں کے لئے جان کا عذاب بن جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے متعدد جگہ ان خیالات کا اظہار کیا ہے کہ عورت کے اندر گھرداری کو چلانے اور مرد کو خوش رکھنے کا سلیقہ ہونا ازبس ضروری ہے جس کی تعلیم اس کو باقاعدہ دی جانی چاہیئے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوگا تو ازدواجی زندگی میں مسرت کا نصیب ہونا مشکل ہو جائے گا۔

علامہ راشد الخیری رح کے وقت تک آتے آتے حالات بہت کچھ بدل چکے تھے۔ اور مغربیت کا سیلاب بہت تیزی سے بڑھتا آرہا تھا۔ جس کے زیر اثر عورتوں میں فیشن پرستی اور اسی طرح کی لغو اور گمراہ کن باتیں گھر کرنے لگی تھیں۔ ظاہر ہے کہ جو فیشن پرستی مغربیت سکھاتی ہے۔ اس کو کم از کم ہندوستان کا سماجی نظام برداشت نہیں کر سکتا، کیونکہ اس سے ہماری تہذیب، اخلاقیات اور معاشرت کی بنیاد کے ہل جانے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ وہ مغربیت اور فیشن پرستی کے مخالف تھے۔ اور خواتین کے لئے ان کو بے حد مضر، اور نقصان رساں خیال کرتے تھے۔ انہی خیالات کے پیش نظر انہوں نے خواتین کے دامن کو ان تحریکوں سے بچانے کی کوشش کی۔ وہ ہندوستانی عورت کا ہندوستانی رہنا سب سے بہتر سمجھتے ہیں۔

اور نہ صرف یہ بلکہ وہ ہر ہندوستانی عورت کو اسلام کی صحیح اسپرٹ سے واقف کرانا اور اس کے زرین اصولوں پر عمل کرانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ بغیر اس کے کوئی عورت بھی زندگی میں صحیح راستے پر نہیں چل سکتی۔ چنانچہ وہ صنف نازک کے سامنے قرون اولی کی مسلمان خواتین کے کارنامے پیش کرتے ہیں۔ تاکہ ان کے دلوں میں جوش، خیالات میں بلندی، اور ارادوں میں استواری پیدا ہو۔ وہ انہیں کے نقش قدم پر چلیں۔ ہر مسلمان عورت سے وہ متوقع ہیں کہ وہ قرون اولیٰ کی مسلمان خاتون بنے، قرون اولیٰ کی سی مسلمان بیوی بنے، اور قرون اولیٰ کی سی مسلمان بیٹی بنے۔ تاکہ ان کی اولادیں، اور ان کے سائے میں پرورش پائے ہوئے سماج کے افراد حریت اور آزادی اور جان نثاری

قربانی کے جذبات سے سرشار رہوں تاکہ ہر وقت ملک و ملت کے کام آسکیں۔ وہ صنف نازک کے لئے مذہبی احکام کی پابندی کو سب سے زیادہ ضروری سمجھتے ہیں، کیونکہ ان، احکام کا بجالانا، ان کے دلوں میں خلوص و محبت اور نیک چلنی و پاکبازی کے خیالات کو جاگزیں کرتا ہے۔ چنانچہ ان کی پیش کی ہوئی خواتین اسلامی احکام کی پابندی کرتی ہیں۔ روزہ، نماز، ان کے لئے بہت ضروری ہے اور علامہ راشد الخیری ان چیزوں کی ضروریات کو پوری طرح ذہن نشین کراتے ہیں۔ وہ اپنے تاثر کو زیادہ گہرا کرنے کے لئے چند ایسی عورتوں کو پیش کرتے ہیں، جو ان خصوصیات کی حامل نہیں ہوتیں۔ اور جن کے نتیجے میں ان کو طرح طرح کی پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ قدامت پرست اور تنگ نظر ہیں۔ ان کے نزدیک جدت پسندی بھی کوئی بری چیز نہیں لیکن صنف نازک کے لئے ایسی جدت پسندی جو ان کی روایات کا خون کردے اور ان کے نظام حیات کے شیرازے کو بکھیر دے، ان کو نہیں بھاتی۔ اسی وجہ سے وہ جدت پسندی کے خلاف ہیں جس سے گھریلو زندگی کی گاڑی کا چلنا دشوار ہو جائے۔ اور صنف نازک اپنی نسوانیت کو چھوڑ کر مرد بننے کی تمنا میں زمین آسمان کے قلابے ملا دے۔ اسلامی تہذیب اور اسلامی معاشرت کے دائرے میں رہ کر اگر صنف نازک جدت پسند اور جدت پرست ہو تو ان کے نزدیک مناسب نہیں ہے۔

صرف حالات و واقعات کے تقاضے کے پیش نظر وہ صنف نازک کو گھروں میں بٹھائے رکھنے کے قائل ہیں لیکن اگر حالات بدلیں زندگی کوئی نئی کروٹ لے اور کوئی ایسی ہی بات آن پڑے تو وہ زندگی کی کشمکش میں صنف نازک کو مردوں کے دوش بدوش بھی لاکر کھڑا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اسلامی تاریخ اور اس کے واقعات، اور اس کی شخصیتوں کا طرز عمل جو ان کے نزدیک آدرش کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے ذریعہ انھوں نے اس چیز کو پیش کیا ہے کہ صنف نازک ملکی و ملی کشمکش میں مرد کا ہاتھ بٹا سکتی ہیں۔ وہ میدان جنگ میں لڑنے سے بھی باز نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ "یاسمین شام" میں انہوں نے جہاں مجاہدین اسلام کی آدرشی شخصیتوں کو پیش کیا ہے وہاں یہ بھی دکھایا ہے کہ مسلمان خواتین بھی میدان جنگ میں ان کے ساتھ دشمنوں سے برسر پیکار ہیں علامہ راشد الخیری ام کے نزدیک صنف نازک کو ان لایعنی رسم و رواج کا پابند نہیں ہونا چاہئے۔ جن سے کوئی خاص سماجی فائدہ نہیں پہنچتا، بلکہ جو شروع سے آخر تک ان کے لئے نقصان دہ اور مضرت رساں ہیں۔ چنانچہ انہوں بعض ناولوں میں اس چیز کو بھی پیش کیا ہے لیکن مذہبی رسوم کی پابندی ان کے لئے از بس ضروری ہے۔ کیونکہ بغیر اس کے وہ تکمیل کی اس منزل تک نہیں پہنچ سکتیں جہاں ان کے لئے پہنچنا سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

غرض یہ کہ علامہ راشد الخیری نے صنف نازک کا جو تصور پیش کیا ہے، وہ اپنے ماحول کے اعتبار سے زیادہ سائنٹفک اور صحت مند ہے۔ اس میں نہ انتہا پسندی کو دخل ہے۔ اور نہ قدامت پرستی کو! ان کا راستہ اعتدال کا راستہ ہے۔ وہ نہ بہت زیادہ ترقی پسند ہیں اور نہ زیادہ رجعت پسند! بلکہ اعتدال کے راستے پر چل کر وہ صنف نازک کو سماج کے لئے زیادہ مفید، اور انسانی زندگی کے لئے زیادہ اہم ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس کی زبوں حالی پر کڑھتے بھی ہیں۔ اس کی پامالی اور کس مپرسی پر خون کے آنسو بھی بہاتے ہیں۔ اور یہ کیفیت تو ان کے یہاں زیادہ ہے۔ ان کی تمام تخلیقات میں رنج و غم کے عناصر غالب ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے شعور نے ہندوستانی مسلمان عورت کو آنکھ کھول کر جب دیکھا تو وہ بری طرح سینہ فگار تھی۔ اس کو وہ حیثیت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ جو ایک تہذیب یافتہ سماج میں عورت کو حاصل ہونی چاہئے۔ انہوں نے ان حالات کو بدلنے کی کوشش کی۔ اور اپنی پیش کی ہوئی تخلیقات کے تاثر کو زیادہ گہرا اور زیادہ دیرپا بنانے کے خیال سے انہوں نے اپنی پیش کی ہوئی عورتوں پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے، تاکہ پڑھنے والوں کے دل ان کی ان حالتوں کو دیکھ کر پسیجیں اور وہ ان کو ان پریشانیوں کے بھنور سے نکالنے کی جان توڑ کوشش کریں۔

صنف نازک کے لئے علامہ مرحوم کا کام بڑا اہم ہے۔ اور انہوں نے اس کی حیثیت کو بہت بلند کر دیا ہے۔ جس کے بار سے وہ کبھی بھی سبکدوش نہیں ہو سکتی!

عبادت بریلوی ام۔ اے،

علامہ راشد الخیری کا آرٹ

ناول نگاری اور انشاپردازی کے سنگم پر

جہاں باقی ناقدین نے ناولوں کو دو حصوں میں منقسم کیا ہے ایک حصہ میں ان ناولوں کا مجموعہ ہے جن میں ڈرامائی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ان ناول نگاروں کا مقصد کردار نگاری یا کسی سیاسی اور معاشرتی ماحول کا انکشاف نہیں ہوتا بلکہ صرف واقعات میں ہم آہنگی اور تسلسل قائم رکھ کر وقت کے گزرنے کے احساس کو تیز کرنا ہوتا ہے۔ واقعات کا سلسلہ تیزی کے ساتھ منتہٰی (climax) کی طرف بڑھتا جاتا ہے، ناول میں ایک لفظ بھی بیکار یا زیادہ استعمال نہیں ہوتا اور ہر جملہ پلاٹ کو آگے بڑھا دیتا ہے۔ ناولوں کی دوسری قسم وہ ہے جس میں مصنف یا تو ماحول کے انکشاف کو مدِ نظر رکھتا ہے یا کردار نگاری کی طرف ملتفت رہتا ہے۔ واقعات کا سلسلہ کہیں کہیں ٹوٹتا ہوا اور اکثر بالکل منقطع نظر آتا ہے، لہٰذا نہ تو ڈرامائی کیفیت ہی ظاہر ہوتی ہے اور نہ وقت کے گزرنے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اول الذکر قسم کے ناولوں کا قریب قریب ہر زبان میں فقدان ہے۔ چنانچہ انگریزی زبان میں "ایملی برنٹے" کے ناول "وُدرِنگ ہائٹس" کو چھوڑ کر ایک ناول بھی پوری طرح سے ڈرامائی کہلانے کا مستحق نہیں ہے اور اگرچہ "جین آسٹن" ڈرامائی ناول نگار کہلاتی ہے لیکن اس کا ایک ناول بھی ڈرامائی ناول کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔ انگریزی کا مشہور ناول نگار ڈکنس بھی کہیں کہیں واقعات کے سلسلہ کو چھوڑ کر اپنے زمانے کے سیاسی اور معاشرتی ماحول پر نکتہ چینی کرنے لگتا ہے اور اسی طرح "تھیکرے" نے اپنے ناولوں میں جا بجا زندگی کے مختلف مسائل پر اپنی ذاتی رائے کا اظہار کیا ہے جیسے [illegible] (Ma Vaincent) کو بہت [illegible] نقصان پہنچا ہے [illegible] کی تحریر گئی ہے۔

علامہ راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ بھی ڈرامائی ناول نگار نہ تھے ان کے سامنے تمدنی اصلاح کا بلند نصب العین موجود تھا۔ اس کے علاوہ وہ اردو زبان کے جیتم بالشان انشاپرداز تھے لہٰذا انہوں نے اپنے ناولوں میں جہاں زور اور تاثیر پیدا کرنے کی کوشش کی وہاں ادبی جوہر ابھر آئے۔ اور جو زبان اعلیٰ ذہن رکھنے والے طبقہ (Intelligentsia) میں استعمال ہوتی ہے اس کے پاکیزہ اور پرشکوہ نمونے پیدا ہو گئے مگر ساتھ ہی ساتھ قصہ کی طرف سے توجہ ہٹ گئی اور ناول میں ڈرامائی رنگ پیدا نہ ہو سکا۔ یہ کیفیت قریب قریب ان کے تمام ناولوں میں پائی جاتی ہے اور قصہ چند صفحوں پر یکسوئی کے ساتھ چلنے پاتا ہے کہ یکایک انشاپرداز کی شخصیت ناول نگار کی شخصیت پر غالب آجاتی ہے۔ مثلاً "جوہر قدامت" میں قصہ کا سلسلہ یکایک منقطع ہو جاتا ہے اور زبان میں ادبی شان پیدا ہو جاتی ہے۔

"... بسا غنیمت تھی انیسویں صدی بیسوی کہ مغرب کی خوشنمائی کا حسن صرف مردوں ہی کی آنکھیں مسخر کر رہا تھا اور اسلام کے سدا بہار پھول گھروں کے چپہ چپہ پر مہک رہے تھے مگر قیامت تھا بیسویں صدی کا آغاز کہ یہ نو اشتی ہوئی گھروں کے اندر پہنچی اور مایہ ناز ہستیاں جو عورت کی حیثیت میں سابق اسلام کے نقش پاک کا نشان دے رہی تھیں شکار ہو گئیں۔ تعلیم نسواں کا غلغلہ در و دیوار سے بلند اور ترقی اور قوم کی صدائیں ذرہ ذرہ سے اونچی ہوئیں۔ یہ کوشش معقول اور صدا احسن تھی۔ کاش دائرہ مذہب کے اندر اصول اسلام سے وابستہ ہوتی مگر زمانہ کی رفتار خود [illegible] ہاتھوں سے نکل گئی [illegible] کر اور [illegible] چھانٹ [illegible] کہیں سے آئی جو [illegible] اللہ [illegible] مذہب [illegible] کر دینے [illegible]

آزادی کی ہوا میں ترقی کے نعرے لگاتی مشرق پر لعن طعن کرتی مغربی میدان میں اتریں۔ مذہب کے جگمگاتے زیور اتار کر الگ پھینکے اور آج وہ وقت ہے کہ جن گھروں میں صدائے اللہ اکبر کلیجے دہلا دیتی تھی۔ اور گھر والوں کے سر مالک حقیقی کے حضور میں جھک جاتے تھے، وہاں مؤذن کی اذان گونجتی ہوئی پہنچی اور موسیقی سے ٹکرا کر واپس ہوتی ہے۔"

اعلیٰ اور معیاری زبان کے یہ جواہر پارے ان کے تمام ناولوں میں جابجا بکھرے نظر آتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انشا پرداز، شاعر اور خطیب کی متحدہ شخصیتیں پس پردہ کام کر رہی ہیں۔ مگر ناول نگار کا پتہ نہیں ہے۔

بے شک راشد الخیری رح ایک اچھوتے کردار نگار تھے انہوں نے زندگی کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا تھا اور اس کے تمام حسین اور بدنما پہلوؤں سے واقف تھے۔ ان کے ناولوں کے تمام کرداروں میں زندگی کا عکس نظر آتا ہے۔ مگر اس میدان میں بھی ناول نگاری اور انشا پردازی کا تصادم ناگزیر ہو گیا۔ ایک طرف اصلاحی تحریک (Reformative instinct) کام کر رہی تھی۔ اور دوسری طرف زبان میں زور اور اثر پیدا کرنا مقصود تھا۔ اور خالص کردار نگاری سے ایک بھی مقصد پورا نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ہر کردار کو صرف ایک پہلو سے پیش کیا۔ اور اس پہلو پر بہت گہرا رنگ چڑھا دیا۔ چنانچہ زاہدہ، نسیمہ، صالحہ وغیرہ خوبیوں کا مجسمہ ہیں۔ اور شاہدہ جیسے کردار تمدن میں انتشار اور تخریب پیدا کرنے والی طاقتوں کی تمثیلی تصویریں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ راشد الخیری کے تمام کردار ای۔ ایم۔ فورسٹر کے نظریہ کے مطابق ہموار (Flat) ہیں۔ اور ان کے ناولوں میں ایک بھی مدور (Round) کردار کا پتہ نہیں چلتا جس طرح ایک مصور کینوس (Canvas) کی سطح کو صرف اپنی مصوری کے جوہر دکھانے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اور کینوس اس کی نظر میں محض ایک پس منظر پیش کرنے سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اسی طرح راشد الخیری بھی اپنے کرداروں کو اپنی انشا پردازی اور اصلاحی مقصد کے اظہار کا ذریعہ بناتے ہیں۔ چنانچہ صاف ظاہر ہے کہ ان کے کرداروں کو بھی کینوس کی سطح کی طرح ہموار ہونا لازمی تھا۔ مگر بہ حیثیت صناع (Literary artist) کے وہ مدور کرداروں کی تخلیق سے بھی ناواقف نہ تھے۔ اور اس قسم کے کردار بھی ان کے ناولوں میں آتے ہیں۔

جہاں تک پلاٹ کا تعلق ہے۔ ڈرامائی بہاؤ اور قصہ میں یگانگی (Homogeneity) نہ ہونے کی وجہ سے قصہ خود بخود آگے نہیں بڑھتا۔ بلکہ راشد الخیری اس کو اپنی فنی ترکیب (Artistic device) سے آگے بڑھاتے ہیں۔ اور اس میں انہیں حیرت انگیز کامیابی حاصل ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے ناولوں میں اتحادِ اثر (Unity of effect) کا بھی کچھ زیادہ خیال نہیں رکھا۔ چنانچہ شب زندگی میں ذرا سی دیر میں قصہ کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔ اور ہم نسیمہ سے وسیم دلہن اور نسترن تک پہنچ جاتے ہیں اور شب زندگی کے آخری صفحات میں نسیمہ بالکل وہمی (Fantastic) شخصیت بن جاتی ہے اور واقعات کے پردہ پر اس کا ایک دھندلا سا عکس رہ جاتا ہے۔ مگر ہم نسیمہ کی مقناطیسی شخصیت کو فراموش نہیں کر سکتے۔ اور شب زندگی حصہ اول کے آخری حصہ میں وہ وسیم دلہن اور نسترن کے کرداروں کے واسطے ایک خوشنما پس منظر کا کام دیتی ہے۔ اور یہ علامہ راشد الخیری رح کی ناول نگاری کا نہیں بلکہ ان کی انشا پردازی اور خطابت (Rhetoric) کا ایک نادر کارنامہ ہے۔ کہ ان کے کرداروں کو مقناطیسی شخصیت حاصل ہو جاتی ہے۔

محمد مرغوب صدیقی

ایم۔ اے۔ ایل ایل بی

کیا راشد الخیریؒ قدامت پسند تھے؟

کہا جاتا ہے کہ شمع گل ہونے سے پہلے بہت زور سے بھڑکتی ہے، چنانچہ ۱۸۵۷ء کے زبردست تہلکے کے بعد ہندوستان میں مغربی تمدن کا تسلط شروع ہوا اور مشرقی تہذیب رخصت ہونے لگی۔ تو تین سو برس کی اسلامی روایات نے آخری مرتبہ انگڑائی لی۔ ایک طرف سر سید اور ان کے رفقائے کار نے مسلمانوں کو جو تنزل اور پستی کی طرف مائل تھے، وقت کے ساتھ نباہ کرنے کی اصلاح دی۔ دوسری طرف مصلح ادیب اور شاعروں نے نئے تمدن کی خوبیاں بیان کر کے رخصت ہوتے ہوئے طرز معاشرت کو از سر نو زندہ کرنے کی کوششیں کیں۔ یہ کوششیں مختلف زاویوں سے کی گئیں۔ عبدالحلیم شرر نے اپنے ناولوں میں مسلمانوں کی قرون وسطیٰ کی فتوحات کے شاندار مرقعے کھینچے، نذیر احمد نے نئے دور کے تباہ کن اثرات کو ناول کا ملبوس عطا کیا، حالی نے شاعری میں پرانی رسوم کے مدفن پر خون کے آنسو بہائے۔ اور اکبر الٰہ آبادی نے مغربی تہذیب کی کورانہ تقلید اور اس کے مہلک اثرات کو ظرافت کے پیرایہ میں ادا کیا۔ نئی تہذیب کے خلاف ردعمل کرنے والوں کا یہ سلسلہ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم تک بہت شدید کے ساتھ جاری رہا، راشد الخیریؒ اس سلسلہ کی آخری کڑی تھے۔ انہوں نے بھی اپنے ناولوں میں قدیم زمانہ کی اخلاقی اور معاشرتی خوبیوں کو پس منظر بنایا اور نئی تہذیب کی خوبیوں کو واضح کر کے ان پر تیز و تند الفاظ میں نکتہ چینی کی۔ یہی وجہ ہے کہ ناقدین نے اکبر الٰہ آبادی کی طرح راشد الخیری پر بھی قدامت پسندی کا الزام لگایا۔

اگرچہ یہ صحیح ہے کہ راشد الخیری اسلاف کی شان و شوکت سے بہت متاثر تھے اور ان کی نظریں اسلام کے شاندار ماضی پر ہر وقت جمی رہتی تھیں۔ انہوں نے "جوہر قدامت" "بنت الوقت" "سراب مغرب" اور دوسرے افسانوں میں مغربی تہذیب کی دلدادہ لڑکیوں کے طرز عمل کی افسوسناک تصویریں کھینچی ہیں اور ان کی زندگیوں کے عبرتناک نتائج دکھلائے ہیں۔ مگر ان کو قدامت پسند ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ انہوں نے پرانی تہذیب کے مٹنے پر اظہار افسوس کرنے قدیم رسوم کے جوہر نہاں پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ نئے دور کی خوبیوں کو ہمیشہ بنظر توصیف دیکھا اور بیسویں صدی کے آغاز میں ہندوستان میں تعلیم نسواں کا جو غلغلہ بلند ہوا۔ اس کو انہوں نے صدائے مستحسن قرار دیا۔ چنانچہ جوہر قدامت میں لکھتے ہیں "تعلیم نسواں کا غلغلہ در و دیوار سے بلند ہوا۔ اور ترقی اور قوم کی صدائیں نیچے اوپر سے اونچی ہوئیں۔ کوشش معقول اور صدا مستحسن تھی۔ کاش ... مذہب کے اندر اور اصول تعلیم سے وابستہ ہوتی" صاف ظاہر ہے کہ ان کی جدوجہد نئی تہذیب کے خلاف نہیں بلکہ اس کے تخریبی اثرات کے خلاف تھی۔ اقبال کی طرح ان کے نزدیک بھی مسلمانوں کی پستی کا سبب ان کا مذہب سے انحراف تھا اور چونکہ سمندر پار سے آئی ہوئی نئی تہذیب نے اسلامی اصولوں پر ضرب کاری رسید کی تھی۔ وہ اس تہذیب سے مطمئن نہ تھے، اور مسلمانوں کی گمراہی اور تنزل کا سبب اس نئی تہذیب کو بتاتے تھے۔ درحقیقت راشد الخیری ایک قومی مصلح تھے۔ انہیں قدیم اور جدید سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ وہ ہر دور کی خرابیوں کو خواہ وہ نئی ہوں یا پرانی، بری نظر سے دیکھتے تھے۔ اور ان کی تردید لازمی سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے طبقہ نسواں کی مظلومیت پر آنسو بہائے اور اس کو رسمی پابندیوں سے نجات دلانے کی کوشش کی۔ یہ طبقہ سالہا سال سے کس مپرسی میں مبتلا تھا اور ایک طویل مدت اس کی کس مپرسی، اور مظلومیت پر مہر تصدیق ثبت کر چکی تھی۔ مگر انہوں نے رسم و رواج کی پرواہ کئے بغیر اس کی مظلومیت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ اس کے علاوہ خواتین کی جہالت ان کی گمراہی اور بیباکانہ طرز عمل کے خلاف آواز اٹھائی۔ چنانچہ ایک طرف خلع اور خواتین کے دوسرے حقوق کی حمایت کی۔ تو دوسری طرف ان کی ہٹ دھرمی بے وفائی اور شوہروں سے عدم اطاعتی پر بہت کچھ لعنت ملامت کی ...

بقیہ دیکھئے صفحہ ۱۴۳ پر

راشد الخیری

مرحبا اے راشد الخیری کہ تیری آہ نے
قوم کی مردہ رگوں میں بھر دیا خونِ حیات

صنفِ نازک تھی اسیرِ رسم و راہِ کافری
جہل کے ہاتھوں لٹی جاتی تھی ساری کائنات

شرک کی آندھی سے لرزاں تھا چراغِ نورِ حق
بن رہے تھے اہلِ ایماں کے گھروں میں سومنات

علم و عرفاں کی شعاعیں تھیں حجاب اندر حجاب
قوم پر چھائی ہوئی تھی جہل کی تاریک رات

تیری صبحِ زندگی نے نور پیدا کر دیا
ہند کے مسلم گھرانوں میں اُجالا کر دیا

دخترانِ قوم کو تو نے بصیرت بخش دی
کٹ گئے حلقے رواجِ کہنہ کی زنجیر کے

قوم کے طرزِ تمدن کو بدل کر رکھ دیا
تو نے فقروں سے لئے جو کام تھے شمشیر کے

عظمتِ رفتہ کے پھر آثار پیدا ہو گئے
بل نکل کر رہ گئے الجھی ہوئی تقدیر کے

وہ دل و دیدہ جنہیں تو نے دیا درسِ حیات
منتظر ہیں آج پیغامِ لبِ تصویر کے

مغربی تہذیب ہے آتش بجامِ زندگی
جھلملائی جا رہی ہے شمعِ "شامِ زندگی"؟

جہل کی لعنت سے چھٹکارا ملا تو کیا ہوا
ارتقا بھی ہے رخِ انسانیت پر اک حجاب

صنفِ نازک چاہتی ہے پھر کوئی تازہ پیام
دخترِ حوا ہے جوشِ ارتقا میں بے نقاب

مغربی سیلاب میں سب دین و ایماں بہہ گئے
آج عریانی ہے کل کی شرمِ بیجا کا جواب

عصمتیں رقصاں ہیں سازِ مغربی کی تان پر
قوم کو برباد کر دے گا یہ تازہ انقلاب

زندگی کی رات کو روشن بنانے کے لئے
پھر کوئی پیغام دے سارے زمانہ کے لئے

مغیث الدین فریدی

صفحہ ۹۷ کا بقیہ

ان کی واقعیت پسندی کی تلمیح ہے۔ نہ تو وہ شررؔ کی طرح مسلمانوں کے قرونِ وسطیٰ کی فتوحات سے بے حد متاثر ہو کر ماضی کی خیالی تصویریں کھینچتے ہیں اور نہ ڈاکٹر نذیر احمد کی طرح سماج پر سطحی نظر ڈالتے ہیں۔ بلکہ ان کے ناولوں میں دورِ حاضرہ کے تمدنی حالات کا ایک سچا عکس نظر آتا ہے۔

مشیر فاطمہ حمیدی بدایونی

علامہ راشد الخیری

انسانی زندگی کا ماحصل خدمتِ خلقِ خدا ہے

ہر قوم کے عروج کا انحصار اُس کی خواتین کو جلد تعلیم سے آراستہ کرنا مانا گیا ہے ان ہی لطیف خوبیوں کے جذبے کا مادہ خداوند کریم نے خاص طور پر عطا کیا ہے ہمارے بچے بچیوں کو جو پہلا سبق ملتا ہے وہ اپنی ماں سے حاصل ہوتا ہے علامہ راشد الخیری نے اس باریک نکتہ کی اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا اور تعلیمِ نسواں کے ہر شعبہ پر پوری پوری روشنی ڈالی ان کے زندگی کے دور کا کوئی مسئلہ احاطۂ تحریر میں لانے سے فروگذاشت نہیں کیا۔ اور اپنے پیام کو دلنشین کرنے کی خاطر اُن پر مذہبی انداز کی مہر ثبت کر دی۔ مولانا نے کثیر تعداد میں مختلف کتابیں مضامین اور افسانے اسی رنگ میں ڈوبے ہوئے لکھے۔ یہ ذخیرہ باغِ ادب میں ایک خوشنما گلدستہ کا مقصد ادا کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔ ان کا لٹریچر علمی مذاق سے پُر اور پند و نصائح سے لبریز ہے۔ جو صاحبِ ممدوح کی یاد کو ہمیشہ تر و تازہ رکھیگا۔ مولانا کو اپنی فرض کی تکمیل کے لئے نہایت دشوار راستوں سے گزرنا پڑا۔ ایک طرف تو وہ عورتوں کو تاریکی سے نکال کر تعلیم و ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کی تلقین کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ وہ مردوں سے کسی طرح بھی پیچھے نہ رہیں۔ لیکن یہ بات بھی ان کو ایک آنکھ بھی نہ بھاتی تھی۔ کہ خواتین شمعِ انجمن بن کر تمدن اور معاشرت کے حدود سے آگے بڑھ جائیں۔ ایسے اہم اور باریک مسائل کو عام بنانے کے لئے مولانا کو سخت جد و جہد کرنا پڑی جس کی کامیابی پر وہ اپنے ہم جنسوں میں کامیابی کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں اور بلا شک وہ [illegible] کے مستحق ہیں۔

ثریا کشن گنجور

عصمت دہلی

مٹی کے پاؤں

"کچھ سُنا سیٹھانی جی!" مصرانی نے سر کی چادر کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "چھوٹی بہو نے آج استری سماج میں لکچر دیا ہے۔ کہتی ہے طلاق چاہئے۔ طلاق!"

"اور پتی کی جائداد کا حصہ بھی" مہترانی نے جھاڑو بغل میں دباتے ہوئے کہا۔

"یہ سب کچھ شاستر کے ورودھ ہے۔" سیٹھ کانتی لال کی بیوی کھلم کھلا یہ کہتی پھرے۔ ہرے رام۔ ہرے رام۔" یہ کہہ کر پنڈت جی نے کتھا ختم کی اور اپنی لمبی مونچھوں پر ہاتھ پھیرا۔

آنگن میں کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ شریمتی ستیہ دیوی استری سماج سے آ رہی تھی۔ کالج کے زمانہ میں بحث ومباحثہ میں کافی حصہ لیا تھا لیکن عورتوں کے جم غفیر کے سامنے تقریر کرنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ اور وہ خوش تھی۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ اس نے طلاق اور جائداد کے حصہ پر کافی مدلل تقریر کی۔ برسوں سے دبی ہوئی عورتوں کی پُرشور تالیاں اور چند ایک کے پُرجوش نعرے وہ اب بھی سن رہی تھی۔

"آ گئی بہو رانی" سیٹھانی نے بسور کر کہا۔ "کہو کتنی عورتوں کو بغاوت پر آمادہ کیا؟"

"بغاوت؟ ماجی!"

"چپ رہو، سب کچھ سن چکی ہوں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ شیو داس وکیل کی اکلوتی بیٹی کے یہ لچھن ہوں گے۔"

سیٹھ ہرنارائن جی بھی کھانستے کھانستے باہر نکلے غصہ سے نتھنے پھول رہے تھے۔ اور چہرہ کے اتار چڑھاؤ سے معلوم دیتا تھا کہ ستیہ دیوی کے سسر کچھ برہم ہیں۔

"شیو داس وکیل کو آج ہی لکھے دیتا ہوں کہ اپنی بیٹی کو لے جائے۔ سال بھر بیاہ کو نہیں ہوا اور طلاق مانگ رہی ہے۔ ہمارے خاندان کی ناک کاٹ ڈالی۔ اور بھی بہوئیں ہیں۔ کیا مجال گھر سے باہر قدم رکھیں۔ ہم اپنے بیٹے کا اور بیاہ کریں گے۔"

"پتا جی! میں نے تو صرف رائو بل کی وضاحت کی ہے" ستیہ نے گھونگٹ کی اوٹ سے کہا۔

"تمہاری وضاحت کے بنا کام تھوڑی چلے تھا۔ بڑی آئی بولنے والی۔" ستیہ کے دیور نے بھابی کو دھکا دیتے ہوئے کہا "یہ گھر ہے گھر۔ استری سماج نہیں۔ ہمارے پتا کے سامنے جواب دیتی ہو۔ آ لینے دو کانتی لعل کو کہوں گا۔ بھیا اس گھر میں رہنا ہے تو بھابی کو کہو منہ میں لگام دے۔"

بہو رانی روتی روتی اپنے کمرہ میں جا بیٹھی۔ نند اور دیورانیاں الگ منہ پھلائے کھڑی تھیں

"مصرانی جی!" سیٹھانی نے کہا۔ "کوئی بہو تلاش کرو۔ اگلے ماہ کانتی لعل کا دوسرا بیاہ رچائے دیتی ہوں۔ دیکھنا ایسی بہو نہ ہو۔"

"دھوکہ کھا گئی تھی سیٹھانی جی۔ ظاہری شکل وصورت پر ریجھ گئی تھی۔"

"یہ لو پچاس روپیہ" یہ کہہ کر سیٹھانی نے دھوتی کے پلّہ سے دس دس کے پانچ نوٹ نکال کر مصرانی کے ہاتھ پر رکھے۔ "کام بھی پکا کر آنا۔ اور اگر وہ پوچھیں تو کہہ دینا کہ پہلی بہو بانجھ ہے۔ اور اس کی مرضی کے مطابق الگ کر دیا ہے۔"

ستیہ دیوی اپنے کمرہ میں بیٹھی سب کچھ سن رہی تھی آنکھیں رو رو کر سوج گئیں۔ اور وہ سوچ رہی تھی کہ اب کیا ہوگا۔ آج سے ایک سال پہلے اس کا بیاہ ہوا تھا۔ گھر میں قدم رکھتے ہی سب بہورانیوں نے اسے گلے سے لگایا۔ کئی دن جشن ہوتا رہا۔ شہر کے کئی اخباروں نے اس کے فوٹو چھاپے اور پاس تو اسے لکشمی کہہ کے پکار رہے تھے۔ وہ خیال کر [illegible]

خوش نصیب عورت ہے۔ جسے کانتی لال جیسا شوہر ملا۔ کانتی لعل
شہر کا مشہور سوشل ورکر تھا۔ درجنوں انجمنوں کا ممبر۔ اور زنانہ
انجمنوں کا کئی سالوں سے صدر رہا۔ آیا تھا کئی بار ایسے بھی اس
کی تقریر سننے کا اتفاق ہوا معلوم ہوتا تھا کہ زبان میں جادو
ہے۔ جس مضمون کو لیا۔ اسے اس فصاحت اور بلاغت سے
بیان کیا کہ انھڑ سے انھڑ آدمی بھی ذرا سی دیر میں اس مضمون
سے ٹنا سا ہو جاتا۔ ایسے آدمی کی پتنی کیا کم خوش نصیب ہے؟

اسی دن ایک بھاری جلسہ میں کانتی لال تقریر کر رہے تھے
"ہندو عورت ایک دیوی ہے۔ دیوی کی پوجا کی جاتی ہے اور
دھرم کوئی کام بھی تب تک پورا نہیں ہوتا جب تک اس میں
عورت کا حصہ نہ ہو۔ عورت گھر کی ملکہ ہے اور گھر کی چار دیواری
میں اس کا سکہ چلتا ہو گر یہی دیوی جائداد زمین۔ ہاتھی اور گھوڑوں
کی بانٹ میں پڑ جائے تو جانتے ہو کیا ہو گا؟ دال جوتوں میں بٹے
گی۔ بہن اور بھائیوں میں مقدمہ بازی ہو گی۔ اس پاک ذات کو
اس غلاظت سے بچانے کے لئے ہمارے شاستر نے عورت کو
ان جھگڑوں سے پاک رکھا۔

دیوی کی جگہ جائے پرستش ہے۔ جائداد کا حصہ نہیں۔

اگر یہ بل پاس ہو گیا تو ہندو دیویاں عدالتوں کی ٹھوکریں
کھائیں گی۔ اور ہندو قوم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔

طلاق رسم انگلستان اور امریکہ میں رائج ہے۔ شادی کا
جس قدر مذاق ان دو ملکوں میں اڑایا جاتا ہے۔ اس کی نظیر شاید
ہی کسی ملک میں ملے۔ آج شادی ہوئی۔ کل میاں بیوی الگ
ہو گئے بچوں کا خدا ہی حافظ۔ ہم ہندو سوسائٹی کے ٹکڑے نہیں
ہونے دیں گے۔ اور ہر ممکن طریقہ سے اس بل کی مخالفت کریں گے"۔

ادھر ستیہ دیوی سوچ رہی تھی۔ کیا ایک عورت سچ مچ
دیوی ہے۔ کنوار پن میں بھائیوں کی طعن و تشنیع سہن کرنی پڑتی
ہے۔ ماں باپ اسے پرایا دھن سمجھتے ہیں۔ پتی کے گھر میں اس
کا جھوٹا کھانا پڑتا ہے۔ اس کی ہاں میں ہاں۔ اس کی نہیں
میں نہیں۔ اس کی زندگی ہے۔ اور اس کی مخالفت اس کی موت۔
پتی چاہے ہمیشہ بیمار رہتا ہو۔ تو بھی بیوی اس کی آوارہ ہو بدمعاش
ہو تو بھی بیوی کی جا اس کے پاؤں میں۔ اُف کتنی مصیبتیں ہیں
جو بیچاری عورت کو اٹھانی پڑتی ہیں۔

اتنے میں دروازہ کھلا۔ کانتی لعل تشریف لائے چہرہ کے
تیور بگڑے ہوئے تھے۔ ماں باپ بھائی بہنوں نے جھوٹ
موٹ سکھا دیا۔ اور اس جلتی پر تیل کا کام یہ خیال کہ جس بل
کی اس کی بیوی حمایت کر رہی ہے۔ اس کی مخالفت انکا دھرم

"دیکھو جی تم بہت منہ پھٹ ہوتی جا رہی ہو۔ یہ گھر میرا ہے
اور تم میری بیوی ہو۔ میری مرضی کے بغیر تم ایک قدم نہیں
اٹھا سکتیں" کانتی لعل نے گرج کر کہا۔

ستیہ نے پاؤں پکڑ لئے "پتی دیو! میں نے صرف اپنی
بہنوں کے حقوق کی خاطر لکھ دیا۔ کیا آوارہ۔ بدمعاش آدمی سے
طلاق حاصل کرنا شاستر کے خلاف ہے۔ میں نے آپ کے خلاف
کچھ نہیں کہا۔ اس پر آپ بھی برس رہے ہیں؟"

"دیکھا بھیا" دیور نے بات کاٹتے ہوئے کہا "انہیں
عقل سکھا رہی ہے پتا جی کے سامنے منہ پھاڑ کر بکو اس کی۔
مصرانی۔ مہترانی۔ اور پنڈت جی کے سامنے ماتا جی کی بے عزتی
کی۔ اور تم ہو کہ چپ بیٹھے رہو۔ اور بھابی کو یہ نہ کہو کہ کیا کیا
بک دیتی ہے۔ سنتے ہو شہر بھر میں چرچا ہے۔ لاؤ بل پر میاں
بیوی کی موافقت نہیں"۔

بھابی سے اب برداشت نہ ہو سکا "تو کیا خیالات کا
اظہار بھی تمہاری لغت میں جرم ہے۔ میں یوں نہ دبوں گی۔ نہ
تمہاری دبیل ہوں اور نہ تمہاری اماں کی"۔

کانتی لعل نے ستیہ کو ایک تھپڑ لگایا۔ اس پر وہ چلانے
لگی۔ بس پھر کیا تھا گھونسوں لاتوں کی بارش شروع ہو گئی۔
بالوں سے گھسیٹ کر دونوں بھائی اسے برآمدہ میں لے آئے۔
نند اور دیورانیوں نے ہاتھ اور پاؤں سے زیور اتار لئے۔ ساس نے
پکڑ کر گھر سے باہر دھکیل دیا۔

"لے اب طلاق لے لینا۔ جائداد کا حصہ بھی جا جو جا کے لے لے"۔

یہ کہکر سیٹھانی نے دروازہ بند کرلیا۔

سارے شہر میں ستیہ کا کوئی سہارا نہ تھا۔ وہ جلد ہی ماں بننے والی تھی۔ جائے تو کہاں جائے۔ استری سماج کے دفتر میں آٹھ پہر پاس کوڑی نہ تھی۔ کچھ دن تو چند جان پہچان کی عورتوں کی امداد پر گزر کیا۔ لیکن کب تک۔ پتا کے ایک ہی خط نے ہمت توڑ دی لکھا تھا "میرے گھر میں تمہارے لئے جگہ نہیں۔ تم پرایا دھن تھیں جس کی تھیں اسی کی ہو رہو" سہیلیاں کئی دفعہ سیٹھ کانتی لعل کے پاس گئیں۔ اسے اس کے ہونے والے بچہ کا واسطہ دیا لیکن وہ تو پتھر کا دل تھا۔ موم کیسے ہو جاتا۔ تنگ آکر ستیہ نے پتی کے نام ایک خط لکھا:-

"پتی دیو۔ میرا کیا قصور تھا جس کی یہ سزا مل رہی ہے۔ آپ جانتے ہیں میں جس حالت میں ہوں۔ مانگ کر گزران ہو رہا ہے اور اس پر ایک بچہ کا بوجھ۔ ذرا سوچو۔ پرماتما کے آگے جوابدہ ہو گے اتنا مت ستاؤ کہ ایک عورت پاگل ہو جائے۔" تمہاری تیتی ستیہ

اس خط کو بھی کانتی لعل نے حقارت کی نظر سے دیکھا۔ ستیہ اب مایوس ہو چکی تھی۔ اسے کچھ نہیں سوجھتا تھا کہ وہ کیا کرے۔ ایک زبردست کشمکش میں مبتلا تھی۔ نزدیک ہی جلسہ ہو رہا تھا اور لاؤڈ سپیکر پہ کانتی لعل کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

"دائو بل دھرم کی جڑوں پر کلہاڑا ہے۔ ہمارا دھرم عورت کو مساوی حقوق کبھی نہیں دیتا۔ اس بل کے پاس ہو جانے کا یہ مطلب ہوگا کہ جس دھرم کا ہم پالن کر رہے ہیں۔ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ بھائی اور بہن آپس میں دست بگریباں ہو گے۔ اور ہندو عورت اپنے اونچے مسند سے اتر کر جھگڑوں میں پڑ جائے گی۔"

یہ سن کر ستیہ اٹھی۔ انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرہ پر وحشت ٹپک رہی تھی۔ جلسہ کی طرف بڑھتی گئی اور ایک کاغذ کے پرزہ پر لکھ کر صاحب صدر کی طرف بھیجا ... کہ ایک عورت بھی دائو بل پر تقریر کرے گی۔ حاضرین میں سناٹا چھا گیا۔ ستیہ آگے بڑھی مائیکروفون کو ...

"خدا کے بندو! انصاف سے کہنا۔ کیا سچ مچ تم اپنی ماں بہن اور بہو بیٹیوں کو دیوی سمجھتے ہو۔ تم مرد ہو۔ موجودہ رواج کے مطابق تم سب کچھ حق رکھتے ہو۔ جو چاہو کر ڈالو۔ لیکن گریبان میں منہ ڈالکر دیکھو کیا تم عورتوں سے انصاف کر رہے ہو۔ ہماری ہلکی سی لغزش ایک بھیانک گناہ بن جاتی ہے جس کا کفارہ جیتے جی ناممکن ہے اور تمہارا منہ کے بل گرنا بھی ارتکاب گناہ کی ذراسی کوشش۔ یہ تفریق کیوں؟ کیا قوم کی ترقی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تکمیل شادی یا تنسیخ شادی پہ ہماری رائے کی وقعت ہو کیا ہم میں وہی جان نہیں جو آپ میں ہے۔ ہم مساوی حقوق نہیں مانگ رہے صرف یہ چاہتے ہیں کہ عورت کو طلاق کا حق ہو اور پتی کی جائدادیں اس کا حصہ ہو۔ یہ نہیں کہ ہم دیوار پر تصویر بنکر ٹنگی رہیں اور جب تمہارا جی چاہے توڑ کر پھینک دو۔ یا پاؤں کا کنکر جسے جہاں چاہو پاپوش سے ٹھکرا دو۔ دنیا کی آدھی مخلوق پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔ خدا کے واسطے انصاف کرو۔ یاد رکھئے جب تک عورتوں کو اُن کے جائز حقوق نہ دیئے جائیں گے اس وقت تک تمہارا سماج ہستی کے پاؤں پر کھڑا رہے گا جسے بادِ مخالف کی ہلکی سی سرسراہٹ زمین پر پھینک کر ریزہ ریزہ کر دے گی۔"

جلسہ میں ایک شور بلند ہوا۔ کئی آوازیں "بیٹھ جاؤ بیٹھ جاؤ۔"

"ارے یہ کون ہے۔ کانتی لعل کی بیوی۔ بھئی واہ! بیوی کا راستہ الگ میاں کا الگ۔" "اسے پکڑ کر نیچے پھینک دو۔ یہ کیا بک رہی ہے۔"

اتنے میں ایک منچلے نے سٹیج کی روشنی گل کر دی۔ بس پھر کیا تھا کئی آدمی بے بس ستیہ پر ٹوٹ پڑے۔ کمزور اور نحیف جسم سے ایک آہ نکلی اور بس۔

کانتی لعل ہانپتا ہانپتا مائیکروفون پر چلایا "یہ عورت پاگل ہے۔ اس کی مت سنو۔" "پاگل نہیں تمہاری بیوی ہے" حاضرین میں سے چند ایک نے کہا بلکہ تمہاری داسی جس کی تم پرستش کرتے ہو لیکن داسی کی پرستش۔"

نرملا دیوی ... [illegible]

رضامندی کی شادی

نئی تہذیب اور نئے رسم و رواج کی رُو سے مہذب روشن خیال افراد نے عورت کا مرتبہ سوسائٹی میں اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا ہے یہ ہر شخص کے علم میں ہے کہ اگر کسی جگہ چند مرد اور عورتیں جمع ہیں تو وہاں عورتوں کے بیٹھنے کے لئے سب سے پہلے کرسیاں وغیرہ پیش کی جاتی ہیں عورتوں کی موجودگی میں بیہودہ قسم کے الفاظ بولنے سے احتراز کیا جاتا ہے۔ اور جب کوئی خاتون کمرے میں داخل ہوتی ہے تو اس کی تعظیم کے لئے مرد کھڑے ہو جاتے ہیں جب تک وہ بیٹھ نہ جائے تعظیماً کھڑے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ عورت کو اور دیگر چیزوں میں بھی کافی آزادی دیدی گئی ہے مثلاً اعلیٰ تعلیم کے لئے آسانیاں پردہ کی قید سے رہائی اور سب سے بڑی چیز شادی بیاہ کے معاملہ میں آزادی رائے کے علاوہ رضامندی کی شادی ہے۔

قدیم زمانہ کی تہذیب و رسم و رواج پر نظر ڈالئے تو حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں معاملہ برعکس تھا۔ عورت کی اتنی قدر و منزلت نہ تھی اس کی رضامندی و نارضامندی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا اس وقت شادی کے بارے میں رضامندی کا جو خیال عورت کے ذہن میں تھا وہ ایک گیت کے اس شعر کے مضمون سے واضح ہو جاتا ہے۔

ہم تو رے بابل کھیتوں کی گائیں
جدھر ہانکو ہنک جائیں رے سن بابل مورے"

غرض قدیم زمانہ کی عورت یا یوں کہئے کہ متوسط زمانہ کی عورت کا ہندوستان میں جانور سے زیادہ مرتبہ نہ تھا۔ موجودہ دور میں تعلیم نسواں نے مستورات میں بیداری پیدا کی اور اب ان کو احساس ہوا کہ ہم بھی انسانیت سے دنیا میں رہنے کا حق رکھتے ہیں ہمیں بھی ترقی کی راہ میں گامزن ہونا چاہئے۔

جب نئے زمانہ کی عورت نے سوسائٹی میں اپنا رتبہ بلند پایا اور ترقی کی سیڑھی میں قدم بڑھانا شروع کیا تو وہ یہ بھول گئی کہ سالہا سال کی غفلت اور ناتجربہ کاری کے باعث وہ معمولی سے معمولی کام میں بھی دھوکا کھا سکتی اور ناکام رہ سکتی ہے۔ گو مرد عورت کی تعظیم جوش و خروش سے کرتا ہے مگر باطن میں وہ متوسط زمانہ کی عورت کی جو درگت دیکھ چکا ہے اس کو پسند کرتا ہے۔ اس کے دل میں موجودہ دور کی عورت کے لئے صحیح معنوں میں عزت پیدا نہیں ہوئی۔ وہ عورت کو اب بھی منوجی کی بتائی ہوئی عورت خیال کرتا ہے وہ عورت کی عزت صرف اتنی ہی کرنا جانتا ہے جتنی کہ مہاتما بدھ نے تلقین کی ہے کہ "اگر عورت خواہ وہ تمہاری ماں ہی کیوں نہ ہو کسی گڑھے میں گر جائے تو اس کو ہرگز مت نکالو۔" موجودہ دور کے نوجوانوں نے بہروپئے کا سا سوانگ اختیار کر رکھا ہے۔ وہ سوسائٹی میں عورت کی بیحد تعظیم کرتے ہیں۔ اس کی حمایت میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے رہتے ہیں۔ مگر جو زہر اُن کے دماغوں میں سرایت کر چکا ہے اس کے لئے ابھی تریاق کی سخت ضرورت ہے۔ اگرچہ چند سال سے ہندوستانی عورت کا مرتبہ بلند کر دیا گیا ہے۔ لیکن مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں ہے کہ ہمارے ملک کے مردوں کو حقیقی معنوں میں انسان بننے کے لئے عورت کو مساوی حقوق ملنے اور صحیح معنوں میں عورت کو مرد کی شریک غم سمجھنے کے لئے ابھی کئی سال درکار ہیں

آپ کسی نوجوان مرد یا عورت سے دریافت کیجئے کہ شادی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ شادی والدین کی اجازت یا رائے سے کی جائے یا اپنی رضامندی سے تو فوراً یہ جواب ملے گا۔ ممی آپ بھی کیسی بچوں کی سی باتیں کرتی ہیں۔ جو شخص اپنی شادی کرنا چاہتا ہو وہ اپنے متعلق زیادہ سمجھ سکتا ہے یا اس کے والدین

غرض کہ محبت کی شادی کا سیلاب روز بروز بڑھتا ہی جا رہا ہے اور جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکی ہوں۔ عورت ناتجربہ کاری کے باعث کسی معاملہ میں صحیح رائے قائم نہیں کر سکتی۔ اسی طرح شادی کے معاملہ میں بھی اس سے چوک ہو جاتی ہے جس کا درد انگیز نتیجہ اس کو عمر بھر خون کے آنسو بہانے پر مجبور کرتا ہے۔ میں رضامندی کی

شادی کی مخالف نہیں ہوں۔ بلکہ میں یہ نہایت ضروری خیال کرتی ہوں کہ شادی سے قبل لڑکے اور لڑکی کو موقع دیا جائے کہ وہ ایک دوسرے کے خیالات اور رجحانِ طبع کو اچھی طرح سمجھ سکیں اور اپنی رضامندی اور یا نارضامندی کا اظہار بے خوف کر سکیں مگر اس بات کا ضرور خیال رکھیں کہ ان کی بخت جگر کہیں دھوکا نہ کھا جائے اور ریا کار مرد کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر حقیقت کو فراموش نہ کر دے۔ ہماری پیش نظر کئی مثالیں ہیں جو اس بات کی شاہد ہیں کہ محبت کی شادی ناکام ثابت ہوتی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ ان اصولوں کا جو محبت کی شادی کے لئے ضروری ہیں خاص خیال رکھا جائے۔ ناتجربہ کار لڑکیوں کو فریق ثانی سے ملنے کی بس اتنی ہی آزادی دی جائے کہ وہ اپنے رجحانِ طبع اور خیالات کی یکسانیت وغیرہ کا پتہ لگا سکیں۔ اس کے بعد والدین کو چاہئے کہ لڑکے کے مزاج اس کے خاندان کے بزرگوں کے کچھ حالات معلوم کریں۔ یعنی یہ کہ اس کے خاندان والوں کا مزاج اور برتاؤ کیا ہے۔ اس کے والدین کی ازدواجی زندگی کیسی بسر ہو رہی ہے۔ دوسری بات یہ کہ لڑکا واقعی عورت کی کس حد تک توقیر کرنی جانتا ہے۔ جب ان باتوں کی طرف سے تشفی ہو جائے تو شادی کی اجازت دی جائے۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے جس خاندان میں عورت کی صحیح معنوں میں عزت نہیں کی جاتی اس خاندان کے لڑکے خواہ کتنے ہی مہذب و تعلیم یافتہ ہوں۔ عورت کی صحیح قدر و منزلت کو نہیں سمجھ سکتے کیونکہ بچپن کی تربیت اور واقعات ان کے ذہن میں نقش ہو جاتے ہیں جو ان کے دماغ میں عورت کی تذلیل کے جراثیم پیدا کر دیتے ہیں جو اعلیٰ تعلیم کی بدولت مردہ سے ہو جاتے ہیں۔ مگر جب شادی ہو جاتی ہے تو خود مختاری کے زعم میں مرد اپنا مصنوعی لباس اتار پھینکتے ہیں اور بیوی کی اتنی ہی قدر و منزلت کرتے ہیں جس کی ان کو بچپن میں تعلیم ملی تھی۔

افراط و تفریط سے پرہیز لازمی ہے۔ بعض والدین لڑکیوں کو شادی کے معاملہ میں حد سے زیادہ آزادی دیدیتے ہیں اور بعض والدین سخت پابندیاں عائد کر دیتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں سم قاتل ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکیوں کو یہ آزادی ضرور ملنی چاہئے کہ وہ محبت کی شادی اگر کرنا چاہیں تو اس میں والدین یا دیگر اشخاص رکاوٹ نہ ڈالیں۔ کیونکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی میں اپنی مدد آپ کرنے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے جس کے باعث یہ ڈر نہیں رہتا کہ اگر شادی کامیاب ثابت نہ ہوئی تو لڑکی کا کیا حشر ہوگا۔ اگر شادی ناکام رہے بھی تو ایسی لڑکی جو اپنی روزی آپ پیدا کر سکتی ہو اس کو اپنا مستقبل کبھی خوفناک نظر نہیں آ سکتا۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ہمارے سامنے ایسی مثالیں موجود ہیں جن سے ہم یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ والدین جنہوں نے اپنی لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم دلا کر اس قابل کر دیا کہ وہ شوہر کی یا دیگر عزیزوں کی محتاج نہ رہیں۔ انہوں نے بھی لڑکیوں کی مرضی کا خیال نہ رکھا اور ان کی ازدواجی زندگی ناخوشگوار ہی نہیں بنا دی گئی بلکہ ان کو زندہ درگور کر دیا گیا۔ مجھے تعجب ہوتا ہے ان حضرات پر جو اپنے کو عورتوں کا ہمدرد اور حامیٔ نسواں خیال کرتے ہیں مگر اپنے قلم اور عمل میں اختلاف رکھتے ہیں۔ میں ایک چشم دید واقعہ سے اس بات کو واضح کرنے کی کوشش کروں گی کہ کس طرح ایک صاحب نے جو حامیٔ نسواں کے لقب سے اپنے کو منسوب کرتے ہیں اور عورت کی حمایت اور اس کی آزادیٔ رائے کے بارے میں جو کچھ قلم کی زبان سے اظہار کرتے تھے اس سے ان کا عمل کس قدر جداگانہ ہے۔

ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی محبت کی شادی کو والدین کی رضامندی کی شادی پر فوقیت دیتی تھی وہ چاہتی تھی کہ اس کی شادی اس شخص سے ہو جس کو وہ پسند کرتی ہے وہ ذات برادری کے جھگڑوں اور اختلافات کی قائل نہیں ہے وہ صرف یہ خیال کرتی تھی کہ ذات برادری کوئی چیز نہیں ہے۔ شادی کے لئے عورت اور مرد کا ہم مذہب ہونا ہی کافی ہے۔ اس لڑکی کے والدین قدامت پرست ہیں انہوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ لڑکی اپنے خیال سے باز آ جائے مگر وہ والدین کے بھروسہ پر نہ تھی کیونکہ وہ اپنی روزی آپ پیدا کر سکتی تھی جب اس نے دیکھا کہ اس کی پسند کی شادی نہیں ہو سکتی (صفحہ ۹۰ کالم اولیٰ)

ہدایات القرآن

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

(۱) بحیثیت باپ

اس موضوع پر قرآن کریم میں چند احکام ہیں۔ ہم ان کو نقل کئے دیتے ہیں۔

(۱) ولا تقتلوا اولادکم ... ان قتلہم کان خطأً کبیرا (بنی اسرائیل ۳ پ ۱۵) اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ہم ان کو بھی روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی۔ بیشک اولاد کو قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔

ایام جاہلیت میں عربوں کا دستور تھا کہ اولاد کو مار ڈالتے تھے کہ مفلسی میں اپنا پیٹ تو بھرتا نہیں اولاد کو کہاں سے کھلائیں گے۔ اسلام نے اس دستور بد کی روک تھام کی۔

(۲) اولاد میں لڑکیاں بھی ہیں اور علاوہ خوف افلاس کے لڑکیوں کو عار کی وجہ سے بھی قتل کر ڈالتے تھے۔ چنانچہ سورۃ التکویر ع ۱ پ ۳۰ میں اس کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے کہ:۔ "واذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت" اور جب زندہ درگور سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور کی پاداش میں قتل کی گئی۔

ہم تو ان لوگوں کو جو دولت کے لالچ میں اپنی لڑکیوں کو بڈھوں یا بدکرداروں سے بیاہ دیتے ہیں۔ اسی زمرے میں سمجھتے ہیں۔ زندہ درگور لڑکیاں سسک سسک کر چند گھنٹوں میں جاں بحق ہو جاتی ہیں اور یہ زندہ درگور برسوں سسک سسک کر جان دیتی ہیں۔

(۳) قوا انفسکم واھلیکم نارا ... اپنے آپ کو اور اپنے بال بچوں کو آگ سے بچاؤ ...

یہ ایک چھوٹی سی آیت ہے مگر نہایت جامع۔ اہل کو اور اپنے تئیں آگ سے بچانے کے لئے لازمی ہے کہ انسان ان امور سے واقف ہو جو آگ میں جھونکنے والے اور جو آگ سے بچانے والے ہوں۔ ان کی تشریح کے لئے ہم کو احادیث النبی صلعم کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے اور یا پھر قرآن کریم کے جملہ امر و نواہی حلال و حرام، عقائد اور عبادات کی فہرست پیش کرنی پڑتی ہے لیکن چونکہ یہ موضوع باپ کے اولاد کے ساتھ تعلقات کا ہے اور آیت میں بھی اولاد ہی کا حکم ہے۔ اس وجہ سے زیادہ مناسب یہی ہے کہ ہم اس کی حدیثی تشریح پیش کر دیں۔

"ما نحل والد ولدہ من نحل افضل من ادب حسن۔ (ترمذی)

کسی باپ نے اپنی اولاد کو نیک ادب سے بڑھ کر عطیہ نہیں دیا۔

حسن ادب میں بڑوں کی توقیر، چھوٹوں پر رحم، والدین کی فرمانبرداری حد شریعت تک، اسراف و تبذیر سے بچنا، مسخرہ پن کی روک۔ غیبت اور بہتان کا انسداد۔ چغل خوری سے باز رہنا شامل ہے۔

افسوس ہے کہ یہ تربیت آجکل عنقا ہے۔ والدین اندھی محبت میں بھر کر بیجا ضدیں اٹھاتے ہیں جس سے نافرمانی کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ لاڈ میں اسراف و تبذیر کا عادی بنا دیتے ہیں کسی دوسرے کی چیز کو دلوا کر حق تلفی کا مادہ پیدا کرتے ہیں بچوں کو چپ کرنے کے لئے جھوٹ بول کر اور دھوکے دے کر اپنا اعتبار، وقعت اور توقیر کھوتے ہیں۔ مسخرے پن سے نفس ذلیل ہو کر خودداری جاتی رہتی ہے۔ اور بے حیائی اس کی جگہ لیتی ہے۔ دوسروں کی اور گھروں کی باتیں پوچھ پوچھ کر غیبت بہتان اور چغل خوری کی خصلت پیدا کر دی جاتی ہے [illegible] اگر درشت مزاج اور سخت گیر ہیں۔ تو ان کی اولاد بھی [illegible] ہوتی ہے۔ نیز مکار اور حیلہ ساز بن جاتی ہے۔

ادب حسن یہی ہے کہ یہ برائیاں پیدا نہ ہونے دی [illegible] کیونکہ اول تو یہ قومیت کے لئے مہلک ہیں۔ دوم خود [illegible]

حالت میں بھی اسی دنیا کی زندگی میں دوزخ سے کم نہیں ہے نیز آخرۃ بھی برباد ہے۔ آیت مذکورہ بالا میں " نارًا " انہی پر بیٹھ امور کے لئے آیا ہے اور یہ امور آج مسلمانوں میں عادت ثانیہ بن چکے۔ اور بنتے جا رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے قومیت اور جماعت کا احساس جاتا رہا۔ شیرازہ منتشر ہو گیا۔ فرقہ بندیوں کی کثرت ہو گئی۔ ساکھ جاتی رہی۔ ہمتیں پست ہو گئیں قوت عمل قریب فنا کے آ گئی اور مایوسی دلوں پر چھا گئی ہر بُرائی بتدریج اپنا کام کیا کرتی ہے اور اس کا احساس اس وقت ہوتا ہے۔ جب وہ نشوونما پا جاتی ہے اور ابتدائی حالت میں لوگوں کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ گھن لگنا شروع ہو گیا ہے ان برائیوں سے خود بچنا اور اپنے اہل و عیال کو بچانا ہر مسلم پر فرض ہے۔ کیونکہ یہ آگ قوم کو جھلس دیتی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے عتاب اور غصہ کا مستحق بنا کر ابدی آگ یعنی جہنم میں پہنچا دیتی ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں خراب ہو جاتی ہیں۔

" واذا بشر احدھم بالانثی ۔ ۔ الا ساء ما یحکمون "
(النحل ع ۷، پ ۱۴) اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ اس کا چہرہ کالا ہو جاتا ہے۔ اور وہ ضبط کرتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔ بوجہ بیٹی کی خوشخبری کے عار کے سوچتا ہے کہ ذلت پر بیٹی کو رکھے یا اس کو مٹی میں دفن کر دے دیکھو بہت ہی بُرا ہے۔ جو یہ کرتے ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں عام طور پر بیٹی کی پیدائش پر نہایت رنج و غم ہوتا تھا۔ عرب میں لڑکیوں کو زندہ دفن کرتے تھے اور ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت کے ابتدائی زمانہ تک دختر کشی کا رواج تھا۔ اب بھی خود بعض مسلمانوں میں بیٹی کی پیدائش پر بہت ہی رنج و غم کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اسلام نے آ کر اس کا قلع قمع کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " جس کی بیٹی ہو اگر وہ اس کو زندہ در گور کرے نہ اس کو حقیر اور ذلیل سمجھے اور نہ بیٹے کو بیٹی پر ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ (ابوداؤد)

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کسی کو کسی پر برتری نہیں بجز اس فضیلت کے جو خود اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی۔ عورت بھی اپنی تخلیق میں اسی طرح کامل ہے۔ جس طرح مرد ہے۔ جو کام اللہ تعالیٰ نے عورت کے ساتھ خاص کئے ہیں۔ مرد ان کو انجام دے ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح عورت بھی مرد کے مخصوص کاموں کو نہیں کر سکتی۔ اب جو کچھ فضیلت ہے وہ دراصل سیاسی لحاظ سے ہے۔ پس بیٹی سے چڑنا اور بیٹے سے خوش ہونا۔ حماقت اور جاہلیت کی دلیل ہے اور مسلم کی شان نہیں۔

(۲) شوہر

" ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجۃ (البقرۃ ع ۲۸ پ ۲) اور جیسا حق عورتوں کا مردوں پر ہے۔ ویسا ہی مردوں کا حق عورتوں پر ہے۔ اور مردوں کو عورتوں پر ایک گونہ برتری ہے۔

حقوق کے لحاظ سے دونوں یکساں ہیں۔ مرد جس بات کی توقع عورتوں سے رکھیں لازم ہے کہ اسی طرز کو عورتوں کے لئے خود بھی برتیں۔ ہاں مردوں کو عورتوں پر ایک گونہ برتری ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ :۔

" الرجال قوامون علی النساء ۔ ۔ وبما انفقوا من اموالھم (نساء ع ۶ پ ۵) مرد برتر ہیں عورتوں پر اس وجہ سے کہ (۱) اللہ تعالیٰ نے بعض کو ان میں سے بعض پر فضیلت دی ہے اور (۲) اس وجہ سے کہ مرد اپنے مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں۔

مردوں کی برتری کی دو وجہیں بتائیں۔ پہلے یہ کہ بوجہ مرد ہونے کی عورتوں کی حفاظت مردوں کے ذمہ ہے کہ وہ بیویوں کی عزت آبرو اور ناموس کی حفاظت کریں۔ دوسری یہ کہ بیویوں کے نان و نفقہ کے ذمہ دار ہیں۔ شوہر کا فرض ہے کہ دستور کے مطابق بیوی کی جائز ضروریات کا جو ان کو ان کے وسعت

فارغ البال ہو کر ہی عورت اپنے فرائض منصبی کو با طمینان ادا کر سکتی ہے۔ اگر مرد ان دونوں امور کے ادا کرنے میں کوتاہی کرے یا کر ہی نہ سکے تو اس کی فوقیت۔ برتری اور فضیلت باقی نہیں رہتی۔ ایسا مرد مثل چوپائے کے ہے۔

"والتی تخافون نشوزھن فعظوھن۔ ۔ ۔ فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا" (نساء ع ۶ پ ۵) اور اگر جن بیویوں کی سرکشی کا تم کو خوف ہو تو ان کو سمجھاؤ اور ان کے بستر کو الگ کر دو اور ان کو مارو۔ پھر اگر وہ مان جائیں تو تم بھی ان پر راستے نہ ڈھونڈو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اعمال حسنہ کھول کر بیان فرما دیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا طریق عمل بتا دیا۔ جب ان کی مخالفت ہو تو وہی سرکشی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیوی کو چاہیئے کہ شوہر جس سے کراہیت کرے اس کو نہ آنے دے یعنی ایسے رشتہ دار جن کے چال چلن اور اخلاق خراب ہوں ان سے ملنے جلنے کی ممانعت شوہر کر سکتا ہے۔ نیز منکرات شرعی سے روکنا شوہر پر فرض اور عورتوں پر اطاعت واجب ہے۔ لیکن اگر شوہر کسی ممنوع کام کے کرنے کا حکم دے تو اس کی اطاعت ہرگز نہیں ہے پس شوہر کا ازالہ کرنے کے لئے پہلے نصیحت کرے سمجھائے نہ مانے تو بیوی کا بستر الگ کر دے۔ پھر بھی بیوی نہ مانے تو آخری درجہ پر مارنے کی اجازت دی گئی۔ اس مار کی کیفیت حضور صلعم نے یوں تلقین فرمائی کہ:۔

"عورتوں کے معاملہ میں میری وصیت سنو۔ ان کے ساتھ بھلائی کرو۔ وہ تمہارے پاس بیویاں بن کر آئی ہیں اس سے زیادہ تم کو ان کے اوپر کوئی ملکیت (حق) نہیں ہے بجز اس صورت کے کہ وہ کوئی کھلی بے حیائی کا کام کریں ڈھٹ اور ضد کے ساتھ منکرات پر مصر ہوں۔ اگر ایسی سرکشی کریں تو تم ان کا بستر الگ کر دو۔ پھر ان کو ایسی مار مارو جو نشان نہ ڈالنے والی ہو (یعنی غصہ سے نہ مارو بلکہ نرمی سے نصیحت کے لئے مارو)"۔

"وعاشروھن بالمعروف۔ ۔ ۔ ۔ ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا ہ" (نساء ع ۳ پ ۴) ان کے (بیویوں) ساتھ سلوک سے رہو۔ پس اگر وہ تم کو کسی وجہ سے ناپسند ہوں۔ تو عجب نہیں کہ کوئی بات تم کو ناپسند ہو اور اللہ نے اس میں بڑی بھلائی رکھی ہو۔

مردوں کو حکم ہے۔ کہ بیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ اور سلوک رکھیں۔ اور اگر کچھ باتیں ناپسند بھی ہوں۔ تو درگزر کیا کریں ممکن ہے کہ انہی باتوں میں کوئی بھلائی مضمر ہو جس کو انسان کی سطحی نظر نہ دیکھ سکے۔ چھوٹی موٹی ہر بات کی گرفت نہ کرنی چاہیئے۔ کوئی انسان ایسا نہیں جس میں کوئی برائی نہ ہو۔

دنیا میں سلوک سے رہنے کا ایک ہی طریقہ ہے یعنی معمولی غلطیوں سے چشم پوشی۔ تحمل اور بردباری۔ مگر آج کل زمانہ کی حالت یہ ہے کہ غیروں کے ساتھ سب کچھ برتا جاتا ہے اور گھر میں کہرام مچا رہتا ہے۔ اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حقیقت میں اچھا وہ ہے۔ جو گھر والوں کے ساتھ اچھا ہو۔ گھر سے باہر تو آدمی ریاکاری اور تصنع سے بھی کام لے سکتا ہے مسلم کی شان یہ ہے کہ وہ گھر والوں کے ساتھ اچھا ہو جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ بذاتہ اچھا ہے۔

"واحل لکم ما وراء ذالکم ان تبتغوا باموالکم۔ ۔ منھن فاتوھن اجورھن فریضۃ" (نساء ع ۴ پ ۵) ان کے علاوہ باقی تمہارے لئے حلال ہیں بشرطیکہ اپنے مالوں کے ساتھ ان کو اپنی بیویاں بناؤ نہ کہ نفسانیت کے لئے پھر جن سے تم نے تمتع حاصل کیا ہو ان کا مہر ان کو دیدو۔

اسلام نے حکم دیا ہے کہ بیویوں کو مہر دیدو۔ مگر ہم نے اپنی سہولیت دیکھ کر مسئلہ گھڑ لیا اور "واؤ" اور "ع" کا شاخسانہ کھڑا کر کے پھر بھی یہ رعایت اپنے لئے رکھی کہ اگر مہر معجل ہو تو بیوی کے مانگنے پر دیا جائے نہ مانگے تو ہضم اور اگر موجل ہو تو ہم مانگنے کے کھٹکے سے بھی آزادی حاصل ہو گئی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ اگر تم نے تمتع کیا ہے تو مہر ادا کرو۔ یہ حکم ہے

ہم کو ادا کرنے کا۔ کوئی شرط نہیں کہ بیوی مانگے تو دو۔ حضرت علی رضؓ نے اپنی زرہ گروی رکھ کر مہر ادا کیا۔ اسی پر غور کر لینا کافی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ عورت اپنے مہر سے کسی عرصہ کے لئے کیوں محروم رکھی جائے اور اپنے زرِ مہر کے استفادہ سے کیوں باز رکھی جائے۔

ان احکامِ ربانی سے واضح ہے کہ مرد کو چاہیئے کہ بیوی کو نباہنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ اس کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے۔ میٹھی زبان رکھے۔ نرمی برتے۔ اور صرف اس صورت میں کہ بیوی سر پر چڑھ جائے اور گھر کا انتظام درہم برہم ہونے لگے۔ مرد کو لازم ہے کہ نصیحت کرے اور نصیحت ہمیشہ نرم ہوتی ہے اگر نہ مانے تو اظہارِ ناراضگی کے لیے بستر الگ کر دے۔ اس پر بھی باز نہ آئے تو سرزنش کی اجازت ہے۔ اور وہ بھی نصیحت کے لئے نہ کہ غصہ اُتارنے یا انتقام کی خاطر۔ پھر اگر معلوم ہو کہ اب اتفاق اور نباہ مشکل ہے تو:۔

"فابعثوا حکماً من اھلہ وحکماً من اھلھا ان یریدا اصلاحاً یوفق اللہ بینھما۔ (النساء ع ۶ پ ۵)" ایک حکم (پنچ) شوہر کی طرف سے اور ایک بیوی کی طرف سے ہو یہ دونوں صلاح کی کوشش کریں تو اللہ دونوں میں موافقت کر دے گا۔

یعنی یہ دونوں حکم مل کر وجوہاتِ نزاع معلوم کریں اور دونوں کو ان کے فرائض منصبی اور ادائیگی حقوق پر توجہ اور رغبت دلائیں، جو اللہ تعالےٰ نے ان کے لئے مقرر اور معین کئے ہیں، اور چونکہ یہ دونوں میاں بیوی مسلم اور مومن ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے جھک جائیں گے۔ اور موافقت پیدا ہو جائے گی۔

بعض اوقات حالت ایسی بھی ہوتی ہے کہ بلا وجہ ایک دوسرے کی طرف انسیت اور الفت کا مادہ نہیں ہوتا۔ اور یہ فقدان گھر کے امن اور بچوں کی تربیت کے لئے جن پر آئندہ قوم کی ترقی اور استحکام کا دار و مدار ہے۔ نہایت مضر ہے۔ لہذا اگر مرد دیکھے کہ اس کے دل میں بیوی سے انس و محبت کا جذبہ نہیں ہے۔ تو وہ الگ کر دے۔ اور اگر بیوی ایسی حالت کو اپنے اندر محسوس کرے تو خلع کرائے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ گاڑی تیسرے ہی بل پر چلے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے دونوں کو بے نیاز کر دے گا۔ پڑھو سورۂ نساء ع ۱۹ پ ۵ میں:۔

"وان یتفرقا یغن اللہ کلاً من سعتہ" اور اگر جدا ہو جائیں تو اللہ اپنی قدرت کاملہ سے دونوں کو بے نیاز کر دے گا۔ (باقی آئندہ)

محمد عبد الغفار الخیری

سیّدہ کی بیٹی روزانہ اخبار سرفراز لکھنؤ لکھتا ہے:۔ "یہ کتاب مقبول عام راشد الخیری مرحوم کے فرزند مولانا رازق الخیری نے تصنیف فرمائی ہے جس کا خاص ایڈیشن تین روپیہ کو اور اس سے کمتر قسم کا ایڈیشن دو روپیہ کو عصمت بکڈپو دہلی سے ملتا ہے۔ یہ کتاب حضرت زینب صلوٰۃ علیہا کی سوانح عمری ہے جس کو موصوف نے بڑی دلاویز اُردو اور دلّی کی ٹکسالی زبان میں تحریر فرمایا ہے۔ اس کی طباعت اور کاغذ بہت اچھی قسم کا ہے ۱۶۸ صفحے کی اچھی خاصی ضخیم کتاب ہے واقعات کو بڑے دلچسپ اور دل پسند عنوان سے لکھا ہے۔ اختصار کے ساتھ اس قدر جامع عنوان سے خشک سے خشک تاریخی مضمون کو اتنا دلچسپ بنا کر اس کتاب میں جگہ دی ہے کہ انشاء پردازی کا ایک معجزہ ساری کتاب ہو گئی ہے۔

حضرت زینب کی زندگی اور کربلا اور اس کے بعد کے واقعات جن کا تعلق حضرت زینبؓ کے مخصوص کارنامے سے ہے جس نے امام حسینؑ کی شہادت کے جوہر چمکا دیئے ان کے بیان کے لئے رازق الخیری ہی کی زبان اور قلم کی ضرورت تھی۔ اس میں خاندانی شجرہ پیدائش سے وفات تک کے واقعات، خانہ داری کا ذکر، کربلا کی خدمات، امام حسینؑ کی شہادت کے بعد سفر کوفہ، حضرت زینبؓ کی معرکۃ الآرا تقریر، ابن زیاد کے دربار کا مکالمہ دمشق میں قیام اور بہ حیثیت رکن خاندان بنی ہاشم اُن کی اعلیٰ سیرت وغیرہ کا اس خوبی سے ذکر کیا ہے کہ اپنی خاندانی خصوصیات اور بے تعصبی کا نقش دل پر بٹھلا دیا جس قدر دیکھو کمرہ کو کیا گیا اس نے دل پر خاص اثر کیا۔"

بچپن کی عادتیں

اکثر عورتوں اور مردوں کی بعض بُری عادتیں ایسی ہوتی ہیں، جن کے بغیر انہیں چین نہیں آتا۔ اور کوشش کے باوجود وہ ان عادتوں کو ترک نہیں کر سکتے۔ بہت سے لوگ تو اپنی عادتوں کی وجہ سے دوسروں کے لئے تکلیف کا باعث بن جاتے ہیں۔

دراصل یہ نتیجہ ہوتا ہے۔ والدین کی غفلت کا، کیوں کہ عادات و اطوار بہت کچھ وہی ہوتے ہیں جو والدین بچپن میں بنا دیتے ہیں، اور بچپن میں جو بُری عادتیں پڑ جاتی ہیں، بڑے ہو کر ان کا چھٹنا یا ان پر قابو پانا ناممکن سا ہو جاتا ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ بچپن کی عادتیں بھی پختہ ہوتی جاتی ہیں۔ اور انسان ان عادات کا غلام بن جاتا ہے، اسی لئے والدین کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کی اچھی تربیت کریں۔ تاکہ ان میں بُری عادتیں نہ پڑیں۔

اکثر والدین سوچتے بھی نہیں کہ بچہ کیا کرتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے، اُسے کرنے دیتے ہیں۔ اس کی حرکتیں دیکھ کر اور اس کی باتیں سنکر خوش ہوتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا بچہ بہت ہوشیار ہے۔ اور بچہ بھی یہ سمجھتا ہے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ بہت اچھا ہے۔ اور رفتہ رفتہ وہ اس کی عادت بن جاتی ہے۔

بہت سے لوگ جو اپنی عادتوں سے مجبور ہیں، ان کو کہتے سُنا ہے۔ "کیا کریں، بچپن سے عادت ہو گئی ہے، اب بھلا چھوٹ سکتی ہیں۔"

بعض لوگوں میں یہ عادت ہوتی ہے کہ ہر چیز میں نقص نکالتے ہیں۔ کچھ پکائیے۔ کچھ بنائیے، وہ نقص نکالے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کسی کے یہاں مہمان جا کر بھی وہ اپنی اس عادت سے باز نہیں آتے۔ آپ ہی بتائیے میزبان بیچارے نے بہت ہی محنت و کوشش سے اپنے مہمان کے لئے اچھی اچھی چیزیں پکائیں، اب اگر مہمان اس میں کچھ نقص نکال دے تو میزبان کو کس قدر رنج پہنچے گا۔ اور وہ اپنے دل میں مہمان کے متعلق کیا خیال کرے گا۔

ایسی بھی بہت سی تکلیف دہ عادتیں ہوتی ہیں۔ مثلاً خوشامد پسندی۔ خود غرضی، ناشکر گزاری، بے مروتی، ان عادتوں کے پڑ جانے کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ بچہ کبھی کسی چیز میں نقص نکالتا ہے۔ یا کسی سے خوشامد کرواتا ہے۔ تو والدین کہتے ہیں "بہت ذہین و عقلمند ہے، اتنی سی عمر میں اتنی تمیز" اور "کس قدر خوددار ہے" وغیرہ وغیرہ۔ گھر بھر میں اس کی ذہانت۔ عقل مندی، خودداری کا چرچا ہونے لگتا ہے، اور اس کی ان عادتوں کو سراہا جاتا ہے۔ بچہ اپنی تعریف پر پھولا نہیں سماتا اور خوش ہو کر وہی کرنے لگتا ہے۔ بس پھر کچھ نہ پوچھئے۔ بچے میں ان عادتوں کا بیج پڑ گیا۔ اس لئے والدین کو چاہئے کہ اپنے بچوں کے سامنے ہمیشہ اچھی باتیں مناسب طور پر پیش کریں تاکہ بچے خود اُن پر عمل کریں۔ اور اچھی عادتوں کے مالک بن کر اپنے لئے صحیح راستہ منتخب کریں۔

اکثر دیکھا گیا ہے۔ والدین تربیت اطفال کے لئے مار پیٹ۔ جبر و تعدی ضروری سمجھتے ہیں۔ اور مار پیٹ کر بچوں کو درست کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان باتوں سے بچوں کو ضد آ جاتی ہے۔ وہ سوچتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ماریں گے۔ اور کیا کریں گے۔ اور اس مار کی انہیں کچھ پرواہ نہیں رہتی۔ وہ ان باتوں کو سوچ کر اپنی ضد پر قائم رہتے ہیں۔ بچوں کی ضد تو مشہور ہے۔ جہاں بچہ میں پیدا ہوئی۔ اس کی عادتیں درست کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بچوں کا ماحول ایسا بنایا جائے کہ وہ شکر گزاری، مروت، ہمدردی، ایثار اور دوسرے اعلیٰ اخلاق کا سبق سیکھ سکیں۔ اور خود بخود بہترین

وصاف اختیار کریں۔

گھر کے تمام سمجھدار آدمیوں اور والدین کو اس قسم کے انتظام کی طرف توجہ دینی چاہئے۔ اس طرح ان کے بچے ایسی اچھی عادات اختیار کریں گے۔ جو جبراً اُن کے دماغ میں ٹھونسنے سے بھی کسی طرح پیدا نہیں ہوسکتیں۔ وہ عادتیں جنہیں وہ خود اختیار کریں گے۔ بہت ہی مضبوط ثابت ہوں گی۔ اور بعد میں بھی ان کے بگڑ جانے کا اندیشہ نہ رہے گا۔

کاش! والدین اس طرف زیادہ غور فرمائیں تاکہ ان کے بچے بڑے ہوکر بچپن کی اختیار کی ہوئی اپنی قبیح عادتوں سے دوسروں کے لئے باعث تکلیف نہ ہوں۔

خالدہ شمیم ناگپور

رضامندی کی شادی (بقیہ صفحہ ۸۹)

تو اس نے شادی کرنے ہی سے انکار کر دیا۔ مگر اس کے والدین جوان لڑکی کا غیر شادی شدہ رہنا بھی اپنے لئے بدنامی کا باعث خیال کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے حامی نسواں صاحب سے مدد مانگی۔ آپ کو حیرت ہوگی۔ کہ وہ شخص جو عورت کی ترقی اس کی آزادی کے نعرے بلند کرتا ہو۔ کس طرح اس بے کس لڑکی کے خلاف کارروائی پر تیار ہوگیا۔ اور اس کی مدد اور مشورہ سے اس مظلومہ کے جذبات اس کی آزادی اور اس کے حقوق کو پامال کیا گیا۔ اور زبردستی اس کو برادری کے ایک شخص سے ہمیشہ کے لئے وابستہ کر دیا۔ اب وہ آزاد تعلیم یافتہ لڑکی قفس میں تڑپنے اور مر مر کے جئے جانے کے لئے بند کر دی گئی ہے

صدیقہ بانو۔ ہاوڑہ

نیلا (بقیہ صفحہ ۹۸)

ماں نیلا کو بلانے آئی تاکہ وہ آخری اور پہلی بار اپنے دولہا کو دیکھ لے۔ وہ کانپ اٹھی۔ شادی سے پہلے اس نے کیا کچھ سوچا تھا۔ اور ان تین مہینوں میں کیا کیا ارادے کئے تھے۔ باپ کے قصور کی سزا یا اپنے بدصورت ہونے کی سزا؟ اور سزا بھی کتنی سخت احساس بولی۔ "بیٹی دیر نہ کرو اسے تو معلوم بھی نہ ہوگا کہ تم کون ہو!"

نیلا آئی۔ اپنے خوابوں کی دنیا کے مالک کو موت کے کنارے پایا۔ اپنی امیدیں اجڑتی نظر آئیں۔ امیدوں کے بر آنے کی امید تو اسے کبھی بھی نہیں تھی۔ لیکن جب تک امید ہے، زندگی ہے۔ جب امید نہ رہے تو زندگی بھی نہیں رہتی۔

اس نے جان توڑ کر خدمت کی ڈاکٹر پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے اجازت دے دی۔ کہ جب مریض ہوش میں ہو تو نیلا کمرے میں رہ سکتی ہے۔ اکثر جب وہ ہوش میں آتا تو دیکھتا کہ ایک ناتواں سی، سانولی سی لڑکی اس کے پاؤں دبا رہی ہے، اور رو رہی ہے۔ ایک دن اس نے ماں سے پوچھا "ماں! یہ لڑکی کون ہے؟ نرسیں تو اتنے خلوص سے تیمارداری نہیں کرتیں"۔ تو اس نے جواب دیا "تمہاری بیوی" "لیکن وہ یہاں کیسے آئی؟" اس نے حیران ہوکر کہا۔

"میں لائی تھی بیٹا! اپنی صحت یابی کی خوشی میں میرے اس قصور کو نظر انداز کر دو۔" "نہیں ماں ایسا مت کہو۔ میں بھٹک رہا تھا تم نے مجھے سیدھا رستہ دکھایا۔ آخر نیلا نے کونسا ایسا قصور کیا تھا جس کی سزا میں نے اسے اس قدر سخت دی۔ ماں بلاؤ اسے۔"

وہ دروازے کے ساتھ لگی ہوئی اپنی قسمت کا فیصلہ سن رہی تھی ساس کی آواز سن کر وہ اندر آئی۔ دولہا نے اپنے پاس بٹھا کر کہا "ماں! ادھر دیکھو۔ کیا اس سے بہتر جوڑ میرے لئے ہوسکتا تھا" اور تینوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیر رہے تھے۔

سکینہ عبید

"فراموش" کا مذاق آپ نے کسی نہ کسی عزیز سے ضرور کیا ہوگا۔ عام طور پر دو جڑے ہوئے پھل آموں کے دنوں میں آم، امرود کی فصل میں امرود، لیچی کے موسم میں لیچی، اور دوسرے پھلوں کے دنوں میں دوسرے پھل، فراموش کی تفریح میں کام لائے جاتے ہیں۔ خربوزوں کے دنوں میں بارہ پھانکوں والا خربوزہ بھی فراموش میں مش کیا جاتا ہے۔ یہ مذاق اس طرح کیا جاتا ہے کہ اگر آپ فراموش کرنے والی ہیں، تو اپنے شکار کو نوٹس دے دیتی ہیں کہ تم سے فراموش کیا جائے گا۔ ہوشیار رہنا بس اب کھیل شروع ہوگیا۔ آپ کوشش کرتی ہیں کہ کسی نہ کسی طرح دو جڑے ہوئے پھلوں کا ایک پھل یا بارہ پھانکوں والا خربوزہ نوٹس پانے والے عزیز کے ہاتھ میں دے دیں۔ آپ کی عزیزہ باتوں میں مصروف ہیں۔ آپ اچانک کوئی چیز احتیاط سے لپٹی ہوئی کسی نہ کسی بہانے سے ان کے ہاتھ میں دیدیتی ہیں اگر وہ پہلے سے چوکنی ہیں۔ تو اس چیز کو ہاتھ میں لینے سے پہلے کہہ دیں گی "مجھے یاد ہے" اور آپ کھسیانی ہنسی ہنس کر رہ جائیں گی۔ یا اگر ان کو یاد نہیں رہا۔ اور جیسے ہی اُن کے ہاتھ میں چیز پہنچی۔ آپ فوراً چلا اٹھیں "فراموش" تو پھر سب کے سب خوب خوب قہقہے لگائیں گے۔ اور آپ کی عزیز شرمندہ ہو ہو جائیں گی۔ اور تاویلیں پیش کریں گی کہ فراموش ہوا ہی نہیں۔ کیونکہ آپ نے ان کے بولنے سے پہلے ہی زبردستی ان کے ہاتھ میں مصنوعی پیکٹ جس میں وہی فراموش والا پھل پوشیدہ تھا، ٹھونس دیا تھا۔ مگر ان کی تاویل نہیں چلے گی۔ اور ان کو ہار ماننی پڑے گی۔ اور اپنی حیثیت کے مطابق یا شرط کے مطابق اسے یا اگوکرے آموں کے یا امرودوں کے یا نگھاڑوں کے یا خربوزوں کے آپ کی خدمت میں پیش کرنے ہی پڑیں گے۔ اور آپ کے سہیلیاں اور دیگر اعزا ان "فراموشی" پھلوں کو داد دے دے کر کھائیں گے اور اس طرح یہ مذاق ختم ہو جائے گا۔

آپ فراموش کن عزیزوں کے ساتھ کر سکتی ہیں؟ عموماً بہنوئی یا نندوئی، ہم عمر بہن بھائی، میاں بیوی، ہمجولیوں یا سہیلیوں سے فراموش کریں، آپ انتہائی احتیاط سے کام لیں ورنہ شکار آسانی سے دھوکے میں نہ آئے گا۔ اور جتنی بار آپ اسے دھوکا دینے کی کوشش کریں گی۔ اتنی بار وہ یہ کہہ کر آسانی سے بچ جائے گا کہ "مجھے یاد ہے"۔ پچھلی گرمیوں کی چھٹیوں میں ایسا موقعہ ہوا کہ میں اپنے ان عزیزوں کے یہاں پہنچا ہوا تھا جہاں میری حیثیت "دولھا بھائی" کی بھی تھی۔ لڑکے اور لڑکیوں نے مجھے تاکا اور فراموش کا نوٹس دے دیا۔ بس کیا بتاؤں کیا کیا ترکیبیں مجھ غریب کو پھانسنے کی کی گئیں۔ اور آخر مجھے دام میں آنا ہی پڑا۔ جس دن نوٹس دیا گیا۔ اسی دن دوپہر کو ہم سب بیٹھے کھیل رہے تھے۔ مجھے تکیہ کی ضرورت پڑی۔ میری بے چینی کو دیکھ کر ایک بہن بہت معصومانہ انداز میں بولیں "بھائی تکیہ لادوں"۔ میں نے کہا "ہاں" وہ گئیں اور اسی طرح معصومانہ انداز میں تکیہ لئے ہوئے آپہنچیں۔ مگر خیر ہوئی۔ میں تکیہ پکڑنے کو تھا کہ وہ کچھ مسکرادیں۔ اور میں نے سنبھل کر ہاتھ کھینچ لیا۔ یقین مانئے ایک خطرناک خربوزہ تکیہ میں چھپا بیٹھا تھا۔ اس ہولناک واقعہ کے بعد کئی اور حملے مجھ پر کئے گئے مگر میں بال بال بچ گیا۔ ایک دفعہ تو ایسا ہوا کہ مجھ پر فراموش ہو گیا تھا مگر خیریت یہ ہوئی کہ اس فراموش کو بڑی لڑکیوں نے شاید رشک کی وجہ سے قابل پذیرائی نہیں سمجھا۔ واقعہ یوں ہوا کہ ایک دن دوپہر کو کھانے کے بعد میں نے پانی طلب کیا تو ہم سب کے چھوٹی سی معصوم خالہ نے فوراً گلاس میں پانی پیش کر دیا۔ کیا بتاؤں

آپ کو گلاس ہاتھ میں لیتے ہی مجھ کو گھبراہٹ اور اس شریر چھوکری پر شرارت سوار ہوئی تو پانی دسترخوان پر اور دوسرے لوگوں پر گرتے گرتے بچا۔ گلاس کی تلی میں ایک آم کی کیری جو در اصل دو کیریوں کا مرکب تھی۔ بڑے اطمینان سے تشریف فرما تھیں۔ خیر اب میں نے طے کر لیا تھا کہ چاہے کچھ ہو ان شریر لڑکے اور لڑکیوں کے بس میں نہیں آؤں گا۔ چنانچہ سوتے جاگتے، اٹھتے، بیٹھتے، باتیں کرتے، غرض ہر وقت ایک ہی وظیفہ وردِ زبان تھا — فراموش، فراموش، فراموش — مگر کب تک۔ تیسرے دن مغرب کے وقت میں لیٹا ہوا لڑکے اور لڑکیوں کی بے وقوفی پر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا کہ ان لوگوں نے اب تک مجھ پر ہاتھ صاف نہیں کیا۔ طرح طرح کی ترکیبیں میرے دل میں آ رہی تھیں کہ اگر وہ یہ کرتے اور فلاں وقت کرتے تو میں دام میں آ جاتا۔ اسی وقت، ٹھیک اسی وقت ایک صاحبزادے (جو خدا کے فضل سے ایم۔اے۔ ایل۔ ایل بی ہیں) ایک تربوز لئے ہوئے مکان میں داخل ہوئے۔ ایک نے کہا اس وقت تربوز کیوں آیا ہے؟ دوسرے نے کہا کہ چھوٹا سا تربوز کس کس کی ناک پر رکھو گے۔ تیسرے نے کہا۔ آخر کیا ہے ذرا ذرا سا سب چکھ لیں گے۔ انہوں نے کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ اطمینان سے میرے پلنگ پر بیٹھ گئے۔ نوکر کو حکم دیا کہ چاقو لاؤ۔ چاقو آیا۔ شاید آپ نے چاقو سے تربوز کاٹنا بھی کم سے کم میں نے تو یہی سمجھا۔ تربوز کاٹ کر مجھ سے مخاطب ہوئے کہنے لگے "بھائی صاحب! دیکھئے تو کیسا اچھا تربوز ہے" میں اٹھ بیٹھا۔ اور کہا "دیکھوں تو" انہوں نے بہت بھولے پن سے پورا تربوز میرے ہاتھ میں دیدیا۔ اور فوراً ہی سارا گھر قہقہوں سے گونج اٹھا۔ مجھ پر فراموش ہو گئی تھی۔ تربوز کے اندر کا گودا نکال لیا گیا تھا۔ اور اس کی بجائے وہی نامراد فراموش والا خربوزہ نہایت احتیاط سے رکھ دیا گیا تھا۔

ہم کیا یہ ممکن ہے کہ فراموش کسی سے بالکل ہی نہ کی جا سکے؟ میرا خیال یہ ہے کہ یہ ناممکن ہے۔ اس لئے نہیں کہ میں خود اس کا شکار بن چکا ہوں۔ نہیں بلکہ اس لئے کہ نفسیات کی رو سے یہ امر ناممکن ہے کہ آپ وقت کے ہر لمحے فراموش کو یاد رکھ سکیں دماغ مجموعہ ہے بہت سے افعال کا۔ اس کے علاوہ فطری تحریکات اور رجحانات، بدرجۂ اتم ہمارے افعال کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ توجہ اور دلچسپی اور دماغ کا وہ حصہ جسے ہم غیر شعوری حصہ کہتے ہیں۔ ہماری حرکات قابو رکھتے ہیں۔ اور پھر قوتِ حافظہ قریب قریب ہر کام کی نگرانی کرتی ہے۔ اب آپ فراموش کے نفسیاتی پہلو پر غور فرمائیے۔ فراموش کرنے والے کی در اصل یہ خواہش ہوتی ہے کہ فراموش آپ کے غیر شعوری دماغ میں پہنچ جائے۔ یا آپ کو یہ یاد نہ رہے کہ آپ پر فراموش ہونے والی ہے۔ یہ دونوں باتیں چاہے دو چار سیکنڈ کے لئے ہی ہوں۔ اس کا مطلب حل ہو جاتا ہے اور آپ اس کے دام میں آ جاتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ آپ نہایت ذہین اور طباع ہیں۔ آپ کا حافظہ بہت قوی، آپ کا غور و فکر و استدلال نہایت تیز زور، آپ کی فطری تحریکات اور رجحانات حد درجہ ترقی یافتہ اور غیر شعوری دماغ پر قابو پانے کی قوت بے حد زوردار ہے، مگر کیا یہ ممکن ہے کہ آپ کی روز مرہ زندگی میں ایک لمحہ بھی ایسا نہ آئے کہ آپ کی توجہ کو فوراً ہی ایک کام سے ہٹا کر دوسری طرف مبذول کیا جا سکے۔ یا یہ کہ کسی چیز کی یادداشت ایک لمحہ کے لئے ہی آپ کے غیر شعوری دماغ میں پہنچ سکے۔ بات چیت میں منہمک ہو کر، کسی مسئلہ میں الجھ کر، کسی کتاب کے مطالعہ میں کھو کر، یا کسی اور موقعہ پر جس میں آپ کا دماغ پوری طرح مصروفِ عمل ہو، آپ اس بات کو جسے آپ یاد رکھنا چاہتی ہیں، بھول سکتی ہیں، چاہے یہ بھول کتنی ہی تھوڑی دیر کے لئے کیوں نہ ہو۔ اور اسی بھول کو ہم "بے خیالی" کہتے ہیں۔ قوتِ حافظہ کے اصولوں میں بھول کے متعلق یہ اصول ہے کہ جس بات کو آپ بھولنا چاہتی ہیں وہ زبردستی یاد ہو جاتی ہے اسی طرح میرا خیال ہے کہ جس بات کو آپ یاد رکھنا چاہتی ہیں وہ

نیلا

نیلا کے جیون ساتھی۔ بننے کے امیدوار کئی آتے کیونکہ امیر باپ کی اکلوتی بچی تھی۔ اور ہونے والے داماد کو منہ مانگی قیمت مل سکتی تھی۔ لیکن جو آیا نیلا کے معمولی سے نقشے کو دیکھ کر واپس چلا گیا تین چار سال کے عرصہ میں اس کے نسوانی غرور کو اتنی دفعہ ٹھیس لگی۔ اس کی حساس طبیعت پر اتنا اثر ہوا کہ وہ کسی محرم کے سامنے جانا نہیں چاہتی تھی۔ پھر بھی یہ جانتے ہوئے کہ نتیجہ کیا ہوگا۔ اسے اپنا عزم بار بار توڑنا پڑا۔ اتنے امیر باپ کی اکلوتی بچی، شادی کے بغیر رہے، ناممکن تھا۔ جو لڑکے اسے دیکھے بغیر شادی کو تیار ہوتے، ان کی مالی حیثیت اچھی نہ ہوتی اور اس کے باپ کی خواہش تھی کہ کسی صاحب حیثیت داماد کے خسر کہلائیں۔ کچھ سماج کے چکر اور کچھ باپ کی ضد نیلا انہی میں پسی جا رہی تھی۔

ایک لکھ پتی کے اکلوتے خوش شکل بیٹے کا پیغام دوسرے شہر سے آیا۔ نیلا کے والد نے محسوس کیا کہ یہ آخری خواستگار ہے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ یہ لڑکا نیلا کو ناپسند نہیں کرے گا وہ ہاری ہوئی بازی جیت کر رہیں گے۔

دولھا نیلا کو لینے آیا۔ لڑکی والے دولھا اور برات کو دیکھ کر خوش ہوتے رہے۔ اور لڑکے والے جہیز کو۔ دولھا نے گھر پہنچتے ہی چچی کے کان میں کہا "ماں! ذرا جا کر دلھن تو دیکھ آؤ میں جانوں انہوں نے ہمیں دھوکا دیا ہے۔ جو لڑکی میں نے دیکھی تھی وہ خوبصورت اور سفید رنگ کی تھی۔ رسم شادی کے وقت دلھن کی شکل تو میں دیکھ نہیں سکا لیکن جو ہاتھ چلتے وقت میرے ہاتھ میں دیا گیا وہ کالا تھا۔ اگر لڑکی بدصورت ہے تو اتروانا نہیں۔"

چچی گئیں اور چلاتی ہوئی واپس آئی۔ "انہوں نے ہمیں دھوکا دیا لڑکی دکھائی اور۔ اور بھیجی اور۔ لے جائیں واپس اسے۔ میرے چاند سے دولھا کی ایسی بدصورت دلھن"۔ اور چچی نے سر پیٹ لیا

گھر میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ سب نیلا کے باپ کو کوس رہے تھے۔ دولھن موٹر میں بیٹھی سب سن رہی تھی۔ اسے اپنی بدصورتی کا سب سے زیادہ احساس تھا۔ جب دولھا کو لڑکی دکھائی گئی تو وہ کئی بار دروازے تک آئی لیکن دہلیز کو پار نہ کر سکی عین شادی کے وقت وہ چاہتی تھی کہ اپنا گھونگھٹ اٹھا دے۔ لیکن باپ کی بدنامی کا خوف، دنیا والوں کی باتیں۔ وہ انجام کے تصور سے کانپ رہی تھی لیکن گھونگھٹ نہ اٹھا سکی۔

دولھا کو چچی نے پرورش کیا تھا۔ ماں مہمان بن کر آئی ہوئی تھی۔ اس نے یہ حال دیکھا تو دلھن کو اتروا کر اپنے کمرے میں بٹھایا خود دولھا کو سمجھانے لگی لیکن چچی اور وہ کسی طرح نہ مانے۔

اگلے دن نیلا کو لینے اس کے والد آئے۔ جو کچھ انہوں نے دیکھا اور سنا اسے دیکھ کر اور سن کر زیادہ حیران نہ ہوئے انہوں نے دولھا کی سب باتوں کا صرف ایک ہی جواب دیا۔ "لڑکی میں واپس لئے جاتا ہوں لیکن آپ کسی کو یہ کہنے سے روک نہیں سکتے کہ نیلا اس گھرانے کی بہو ہے۔ اور آپ میرے داماد۔"

تین مہینے گزر گئے۔ نیلا کے ماتھے پر سہاگ کا تلک لگے ہوئے دنیا کی رسم ادا ہو چکی تھی اور کچھ عرصہ کے لئے سماج کی نکتہ چینی بھی بند ہو چکی تھی۔

نیلا شادی کے وقت خاموش رہی سب کچھ جانتے ہوئے اس نے یہ خطرناک کھیل کھیلا۔ اندھیرے میں ایک کرن کبھی کبھی چمک اٹھتی تھی۔ میں انہیں اپنا بنا لوں گی۔ لیکن ناکام رہی تو خود ان کے راستے سے ہٹ جاؤں گی۔ ان کا کیا بگڑتا ہے۔ اور اس کرن کے سہارے اس نے اندھیرے میں چھلانگ لگا دی تھی لیکن اب وہ سوچتی "لیکن اپنا کیسے بناؤں وہاں تک رسائی ہی نہیں۔" وہ زندگی کی بازی ہار چکی تھی۔

دولھا بیمار ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا (باقی صفحہ ۱۰۱ کالم ۱ پر)

سکون کس طرح حاصل ہوا

زندگی کی راہوں میں مشکلوں سے کسے دوچار نہیں ہونا پڑتا؟ اور کون ہے جس پر زندگی کے کسی منحوس دور میں غموں کے پہاڑ نہیں ٹوٹے؟ غالب مرحوم کہہ گئے ہیں ؎

قیدِ حیات وبندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

مگر شاعر کی زندگی تو تھی ہی ایک مسلسل دُکھ، اور اس لئے اس کا دل یہ کہنے پر مجبور تھا۔ اور آج ہم میں سے جو اس شعر کو پڑھتا ہے اپنے حالات کے مطابق سمجھتا ہے، انسانی فطرت ہمیشہ اپنے کو غم زدہ سمجھنے پر مجبور رہی ہے، ورنہ حقیقتاً ہم سب کی زندگی غالب کی طرح افسردہ وغمگین تو نہیں، بلکہ اس کی وجہ ہماری طبیعتوں کا ایک نیا اضطراب اور بےچینی ہے، ہماری تہذیب جدید نے تعصب، بےدردی اور بےرحمی کے جذبات ہمارے سینوں میں کوٹ کوٹ کر بھر دیئے ہیں۔ ہم ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ ایثار ومحبت کے نقوش صفحۂ دہر سے مٹتے جارہے ہیں۔ اور یقیناً یہی وجہ ہے کہ آج ہمیں زندگی میں سکون نظر نہیں آتا وہ چاروں سمت سے مشکلوں اور مصیبتوں سے گھری ہوئی نظر آتی ہے، اس دنیا میں انسانی دل کو غم سے آشنا ہونا ہی پڑتا ہے، مگر فطرت انسانی کی کمزوری ہے کہ ہم جس طرح خوشیوں اور راحتوں کے منتظر رہتے ہیں مشکلوں اور ناکامیوں کے منتظر نہیں رہ سکتے۔ حالانکہ ہر تازہ مصیبت ہمارے لئے ایک نیا تجربہ لاتی ہے، زندگی کی کٹھن راہوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ہمیں بہت کچھ سوچنے اور سمجھنے کا موقع دیتی ہے، اور کامیابی کی چوٹیوں پر درخشاں ہونے کے لئے ہمیں سچی راہوں سے آگاہ کرتی ہے۔ وہ زندگی ہی کیا جو غم سے آشنا نہ ہوئی ؛ اگر توں کو سنبھالنے اور گمراہوں کو سیدھی راہ دکھانے کا یہی ایک لاجواب ذریعہ ہے۔ ہزارہا نوجوان جو آوارہ مزاج ہو چکے، اور جو زندگی کے مقاصد کو بھول چکے تھے، مشکلیں پڑنے پر خود بخود سنبھل گئے، اپنی بربادی سے اُن کی آنکھیں کھل گئیں، کاش! ہم میں اتنی پختگی ہوتی کہ ہم مصیبت کو مصیبت سمجھ کر نہیں کامیابی کا راز سمجھ کر "بےچینی" سے اس کا انتظار کر سکتے۔ مگر انسانی فطرت ہر قہقہے کو آنسو بنا سکتی ہے۔ ہر آنسو کو قہقہہ نہیں بنا سکتی۔

مصیبت ایک ایسا کانٹا لئے ہوئے آتی ہے۔ جو ہمارے دل کو چھلنی کر دیتا ہے۔ مگر ہمارا دماغ جن راہوں پر جارہا ہے، وہ راہیں پہلے سے کہیں زیادہ کانٹوں سے صاف ہو جاتی ہیں مسرت ایک حسین پھول ہے، جو ہمارے دل کو راحت وفرحت بخشتا ہے، لیکن ہمارا دماغ اس خوشی وراحت کے درمیان نیم دیوانہ ہو جاتا ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ اس عارضی پھول کے مرجھانے سے پہلے خود ہمارا دماغ مرجھا جاتا ہے۔ اور ہم پھر قسمت ہی کے شاکی رہ جاتے ہیں۔ بہت کم ہیں وہ لوگ جو اس حقیقت کو سمجھتے ہیں۔ اور مسکراہٹوں اور قہقہوں سے زیادہ آہ وفغاں کے منتظر رہتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ بہت کم ہستیاں ہمیں زندگی کے درجۂ کمال تک پہنچی ہوئی نظر آتی ہیں۔ انسان راحت ومسرت کی تلاش میں اپنی زندگی مٹا دیتا ہے۔ مگر سکونِ حقیقی اُسے دنیا کے کسی گوشے میں بھی نصیب نہیں ہوتا، یہ بےچاری کم عقل اور کمزور فطرت انسان نہ معلوم کیوں اس کی ناکام جستجو میں ازل سے ڈانواڈول ہے، اور اس کی سرگردانیوں میں اپنے رہے سہے سکون کو بھی کھوتا جارہا ہے۔

آج دنیا میں سیاسی ابتریوں کی بدولت زندگی کی پریشانیاں اور بھی بڑھی ہوئی ہیں۔ اشیاء کی گرانی کے باعث جہاں غریبوں کو کئی کئی وقت کا کھانا نصیب نہیں، وہاں امیروں کے دسترخوانوں کی رونق بھی کم ہوتی جاتی ہے۔

جہاں غریبوں کو پرانے چیتھڑوں میں پیوند لگانے پڑتے ہیں وہاں امیروں کا لباس بھی اب سوتی دکھائی دینے لگا ہے اگر خدا نے ہمیں عقل دی ہے تو ہم سوچ سکتے ہیں کہ یہ سب مصیبتیں قدرت کی طرف سے ہم پر نازل نہیں کی گئیں بلکہ ان کی وجہ انسانی حرص کے سوا کچھ بھی نہیں۔ انسانی فطرت ہی ایسی بنائی گئی ہے۔ ہم یہ بھول چکے ہیں کہ برتری کی یہ خواہش محض فطرت کی حرص ہے، اور ہم اپنی لامحدود خواہشات کو زندگی کی ضروریات میں سے سمجھنے لگے ہیں۔ ہماری خواہشیں بڑھتی جا رہی ہیں، مگر ہماری ہمتیں پست اور ہماری طاقتیں محدود ہوتی جاتی ہیں۔ یہی تو وجہ ہے کہ آج ہمارے دلوں پر اضطراب و ناامیدی کے بادل چھاتے جا رہے ہیں۔ آپ میں بھی بہت سی خواتین میدانِ جنگ میں جانے والے نوجوانوں کی بہنیں، مائیں، یا بیویاں ہوں گی، آپ ان کے لئے حتی الامکان دعا کرتی ہیں۔ مگر آپ کے دل کو سکون نہیں ملتا آپ کے گھروں میں ابتری پھیلی ہوئی ہے، اور آپ چین نہیں پا سکتیں، انسان کا دل اس دنیا میں بہت کم سکون پاتا ہے آپ کو اگر اپنی ایک تمنا پوری ہوتی نظر آتی ہے، تو ایک اور تمنائے جدید آپ کے سینے میں ابھرنے لگتی ہے۔ نفسِ انسان کبھی بھی مطمئن نہیں ہوتا۔ ہم جسے بھی دیکھتے ہیں، روتا، بسورتا نالاں، پریشان۔ عجب تماشا ہے کہ زندہ رہنا تو سب چاہتے ہیں مگر زندگی کی تعریف کوئی بھی نہیں کرتا۔ دنیا اور یہ دنیاوی زندگی قادرِ مطلق کی طرف سے ہمارے لئے ایک حسین خواب تھی، مگر انسانی جہالت اور سیاسی ابتریوں نے اسے بد سے بدترین بنا ڈالا۔ سکون ملے تو کیسے؟ مگر دنیاوی کاموں میں کامیابی کے لئے طبیعت کا سکون ایک لازمی امر ہے اور ہر شخص اس کا متمنی نظر آتا ہے لیکن گراں بہا چیزیں جان جوکھوں سے حاصل ہوا کرتی ہیں۔ بڑے گراں ایثار کے بعد آپ سکون کے مفہوم کو سمجھ سکیں گے اور وہ اس طرح کہ دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں سے مقدم جانئے۔ اپنی مسرت بیچ کر اوروں کی مسرت خریدیں۔ غریبوں، یتیموں اور محتاجوں کی مدد کیجئے، ظاہری شان و شوکت کی بجائے روحانی عظمت و سکون کی تلاش کیجئے۔ علامہ راشد الخیری کی تصانیف میں زندگی کے پُر شفاف آئینوں کو دیکھئے، سکون کا حسین چہرہ آپ کو انہی میں اپنا عکس دکھا سکے گا۔ اور زندگی آپ کو پُر معنی نظر آنے لگے گی۔

آپ کسی مذہب سے تعلق رکھتی ہوں۔ اگر آپ انسانیت کی مالک ہیں تو صرف یہی جوہر آپ کو دوسروں کا محسن بنا سکتا ہے مذہب یہ سکھاتا ہے کہ جب کھانے لگو تو اپنے ہمسائے میں دُور دُور تک دیکھ لو۔ کوئی بھوکا تو نہیں۔ مگر ہماری یہ حالت ہے کہ ہم دوسروں سے چھین کر کھا جاتے ہیں۔ اور احساس نہیں ہوتا۔ جھوٹ کہنے سے ہمیں عار نہیں، اور اگر سینکڑوں کو پھنسا کر ہم آزاد ہو جائیں تو ہمیں مسرت ہوتی ہے۔ ہم اپنے ضمیر کی آواز سننے کے لئے اپنے کانوں کو بہرا بنا لیتے ہیں، یا شاید خود ہمارا ضمیر ہی گونگا ہو گیا ہے کہ ہمیں حق و ناحق سے آگاہ نہیں کر سکتا۔ اچھا ہو اگر ہم اپنی تمام تر جھوٹی تمناؤں کو سینے کی گہرائیوں میں چھپا کر دنیا کے کاموں میں منہمک نظر آئیں، اپنے فرائض کی ادائیگی سے نہ چوکیں۔ اپنے دل میں جذباتِ ہمدردی پیدا کریں، زندگی کی راہیں یقیناً کانٹوں سے صاف ہو جائیں گی۔ کامیابی کی چوٹیاں درخشاں نظر آئیں گی۔ مسرت خود ہمارے لئے قدم چومنے آئے گی۔ مشکلیں خود بخود دب جائیں گی دُکھ سُکھ سے بدل جائے گا۔ زندگی میں ایک ہلکا سا سکون مل جائے گا۔ اور بس . . . . اس سے زیادہ اور چاہئے بھی کیا ——!!

سعیدہ اختر تسنیم

تبدیلیٔ پتہ کی اطلاع
خریداری نمبر کے حوالہ سے دفتر کو فوراً دیجئے
ورنہ پرچہ نہ ملنے کی ذمہ دار آپ خود ہوں گی۔ منیجر

پہلے دو سال

(بچّہ کی نشوونما کا خاکہ)

پہلے دو سال میں بچّہ کی نشوونما بہت تیز ہوتی ہے اس قلیل عرصہ میں جتنا بیّن تغیر و تبدل ہوتا ہے۔ اتنا اس کی زندگی کے اور کسی حصے میں نہیں ہوتا۔

اس کے قویٰ جسمانی، گفتگو، خارجی اشیا و اشخاص سے واقفیت کی نشوونما کچھ تو اس کی جسمانی و ذہنی قوتوں کی فطری ترقی کے ساتھ ہوتی ہے اور کچھ تعلیم و تجربے سے۔ بچے کے مکمل ارتقا کے لئے یہ دونوں چیزیں نہایت ضروری ہیں۔ بعض باتوں میں فطری ترقی زیادہ اہم ہوتی ہے۔ مثلاً جب تک بچے کی گردن نہ ٹھیر جائے ہم اسے چلنا نہیں سکھا سکتے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ چلنا ہم سکھا نہیں سکتے۔ چلنے کی صلاحیت بچے میں خود بخود فطری طور پر پیدا ہوتی ہے، جب اس میں بدن سادھنے اور پاؤں چلانے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ بولنے کے لئے بھی فطری نشوونما زیادہ ضروری ہے۔ بچہ جب تک بڑبڑانا اور شور کرنا نہیں سیکھ لیتا اس وقت تک الفاظ کا استعمال نہیں سیکھ سکتا۔ لیکن بولنے میں چلنے کی نسبت مشاہدے اور تجربے سے سیکھنے کا زیادہ دخل ہے۔ بچہ بڑی حد تک ان الفاظ کا تابع ہوتا ہے جو ہم بولتے اور اس کے بعد دہرایا کرتے ہیں۔

ماں اور اتا کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچے کی فطری نشوونما سے واقف ہوں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ بچہ کونسی حرکتیں کس وقت شروع کرتا ہے۔ مثلاً بیٹھنا، سرکنا، چلنا، بولنا، صفائی کا خیال رکھنا وغیرہ، تاکہ وہ صحیح وقت صحیح طریقے سے بچے کی مدد کر سکیں۔

بچے میں جسمانی اور ذہنی نشوونما ساتھ ساتھ ہوتی ہے جسمانی نشوونما صرف تندرستی کے لئے ضروری نہیں بلکہ وہ بچے کی خواہشات، میلانات اور خیالات کا آئینہ بھی ہوتی ہے۔

ماہرین نفسیات و تعلیم نے سینکڑوں بچوں کا مطالعہ کر کے ان کی تدریجی نشوونما کی اوسط عمر دریافت کی ہے۔ بچوں کی اکثریت کے متعلق یہ مشاہدات صحیح ہیں، لیکن اس بات کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے کہ بعض بچے مختلف مزاج کے ہوتے ہیں اور ان میں نشوونما کی صلاحیت یا تو اوسط سے زیادہ ہوتی ہے یا کم۔ بہرحال عام طور سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ بچہ کس عمر میں بیٹھنا سیکھتا ہے کس عمر میں چیز کو پکڑنا سیکھتا ہے، کس عمر میں چلنا اور بولنا سیکھتا ہے۔ اگر یہ کہا جاتا ہے کہ آٹھ مہینہ کا بچہ چھوٹی گولی انگلی اور انگوٹھے سے پکڑ سکتا ہے، جبکہ ساتھ مہینہ کا بچہ اتنی چھوٹی چیز پکڑنے کے لئے پوری ہتھیلی استعمال کرتا ہے تو اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ بیشتر بچے اس عمر میں یہ حرکت کر سکتے ہیں لیکن ایسا ممکن ہے کہ بعض بچے اس عمر سے کم میں یہ کام سیکھ لیں اور بعض بعد تک نہ سیکھ سکیں۔ بچوں کا یہ انفرادی اختلاف بھی ایسا ہی اہم ہے جیسے یہ عام اصول۔ ماں یا اتا کا تعلق انفرادی بچے سے ہوتا ہے عام بچے سے نہیں ہوتا۔ بچوں کی ترقی کے عام مشاہدات و اصول ہر ایک کے لئے ایک رہبر کا کام دے سکتے ہیں۔ لیکن ان سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ہر بچے کو اس عمر میں وہی کام سیکھ لینا چاہئیں۔

بچے کی نشوونما خاص طور سے کھیل کے ذریعہ ہوتی ہے وہ اپنی نشوونما کے اعتبار سے مختلف طریقوں سے کھیلتا ہے۔ کھیل کے ذریعہ وہ نہ صرف اپنی انگلیوں، آنکھوں اور زبان کو استعمال کرتا ہے بلکہ اپنے گرد و پیش کی اشیا سے واقفیت بھی پیدا کرتا ہے۔ وہ معلوم کرتا ہے کہ کون سی چیزیں ایک سی معلوم ہوتی ہیں۔ اور کون سی مختلف نظر آتی ہیں جب وہ انہیں جھنجھوڑتا، پھینکتا یا جمع کرتا ہے تو کیا ہوتا ہے وہ مختلف طرح کی آوازیں نکالتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس کی ماں، اتا یا دوسرے لوگوں پر کیا اثر ہوتا ہے۔ تندرست بچہ

دو مہینے کی عمر سے کھیلنے لگتا ہے۔ جوں جوں وہ بڑھتا جاتا ہے وہ اپنی انگلیوں، اعضاء، کھلونوں وغیرہ سے کھیلتا ہے اور بیدار زندگی کا زیادہ وقت اس میں صرف ہوتا ہے۔ صحیح وقت پر صحیح کھلونے مہیا کرکے ہم اس کی نشو ونما کو خوشگوار اور بہتر بنا سکتے ہیں۔

بچے کی نشو ونما کے چار خاص پہلو یہ ہیں: (الف) بچے کے جسم کا استعمال (۲) اس کی زبان (ج) اس کا چیزوں کو سمجھنا (د) اس پر دوسرے لوگوں کا تاثر۔ ان عنوانوں کے ماتحت بچے کے پہلے دو سالوں کی نشو ونما کا خاکہ حسب ذیل ہے جس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:-

پہلا مہینہ: (۱) جب کندھے سے لگا ہو تو کبھی کبھی سر اٹھاتا ہے جب پیٹ کے بل لیٹا ہو تو سرکنے کی کوشش کرتا ہے چت لیٹا ہو تو سر اٹھانے کی کوشش کرتا ہے یا ادھر ادھر موڑتا ہے۔

(ب) بھوک، درد اور تکلیف کے لئے مختلف چیخیں نکالتا ہے آوازوں کو سنتا ہے۔

(ج) کھڑکی یا کسی بڑی چیز کی طرف غور سے دیکھتا ہے بڑی متحرک شے کے ساتھ ساتھ آنکھ پھراتا ہے۔ اگر بڑا حلقہ سامنے لٹکا ہو تو شوق سے دیکھتا ہے۔ حلقے کو ہاتھ میں پکڑ لیتا ہے۔

(د) جو لوگ اس کے پاس رہتے ہیں ان کے چہروں سے دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔

دوسرا مہینہ:- (۱) کندھے سے لگا ہو تو ذرا دیر کے لئے گردن اٹھا سکتا ہے۔ پیٹ کے بل لیٹا ہو تو سینہ کچھ اوپر اٹھا سکتا ہے چت لیٹا ہو تو ہاتھ ہلاتا ہے۔ نہاتے میں پاؤں کھینچتا اور چلاتا ہے۔

(ب) گفتگو کو سنتا ہے مختلف قسم کی آوازیں نکالتا ہے لوری یا گیت سے چپ ہو جاتا ہے۔

(ج) اپنے چہرے سے خوشی یا ناگواری کا اظہار کرتا ہے۔ نگاہیں چلتے ہوئے آدمی کا تعاقب کرتی ہیں۔ ٹہلتے ہوئے حلقے کو زیادہ دیر تک دیکھتا ہے۔

(د) گفتگو کی آواز کی طرف گردن موڑتا ہے۔ دوسرے کی گود میں اپنے جسم کو سادھ لیتا ہے۔

تیسرا مہینہ:- (۱) کندھے سے لگا ہو تو اپنا سر آسانی سے اٹھا لیتا ہے۔ کروٹ لے سکتا ہے۔ پٹ لیٹا ہو تو ہاتھوں کے بل اٹھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنی انگلیوں سے کھیلتا ہے۔

(ب) مختلف آوازوں کے ذریعے خوشی کا اظہار کرتا ہے۔

(ج) نگاہیں چھوٹی متحرک چیز کا تعاقب کرتی ہیں مختلف چیزوں اور آدمیوں کو دیکھنے کے لئے آسانی سے سر پھیر سکتا ہے۔ چت لیٹا ہو تو سامنے کی چیزوں کو اشتیاق سے دیکھتا ہے بڑے حلقے کو کھیل میں مختلف طرح گھماتا ہے۔

(د) اپنے تیوروں سے گھور کر یا مختلف اضطرابی اشاروں سے یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ حالات کی تبدیلی کو محسوس کر رہا ہے۔ کھانے کی تیاری کو سمجھ لیتا ہے۔ اور اشتیاق میں منہ کھول دیتا ہے۔

چوتھا مہینہ:- (۱) اٹھانے یا جھلانے میں اپنے سر کو قائم رکھتا ہے۔ چت لیٹا ہو تو بیٹھنے کی کوشش میں سر اور کندھوں کو اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ تکیوں کے سہارے کچھ دیر بیٹھ سکتا ہے۔ اپنے ہاتھ سے کھیلتا ہے۔ نہاتے میں پانی پر ہاتھ مارتا ہے۔

(ب) زور سے ہنستا ہے۔ دوسروں کی بات کا اپنی آواز سے جواب دیتا ہے۔ کھیل کھیل میں خود بخود آوازیں نکالتا ہے۔

(ج) لٹکتے ہوئے حلقے کو لیٹے لیٹے اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیتا ہے۔ ماں کی گود میں لیٹے لیٹے اپنے پاس کی چیزوں کو چھونے کی کوشش کرتا ہے۔ کسی چھوٹی چیز کو غور سے دیکھتا ہے۔ اپنے پاس سے سرکتی ہوئی چیز کو دیکھنے کے لئے سر پھیرتا ہے۔

(د) گود میں اٹھتے وقت اپنے جسم کو سنبھالنے کی کوشش کرتا ہے۔

پانچواں مہینہ:- (۱) چت لیٹا ہو تو لڑھک کر پیٹ کے بل ہو جاتا ہے۔ ذرا سے سہارے سے بیٹھ جاتا ہے اور پلنگ پر سے کسی چھوٹی شے کو ہاتھ میں اٹھا لیتا ہے نہاتے میں کھیلتا ہے۔

(ب) گھنٹی وغیرہ کی آواز سننے پر سر موڑ کر دیکھتا ہے آواز کے اتار چڑھاؤ سے شوق کا اظہار کرتا ہے اگر کوئی چیز اس سے چھین لی جائے تو آواز سے تکلیف کا اظہار کرتا ہے۔

(ج) پیٹ کے بل لیٹا ہو اور جھنجھنا قریب ہو تو اٹھا لیتا ہے۔

اگر کاغذ کا ٹکڑا اس کے سامنے کیا جائے تو پکڑنے کے لئے بڑھتا ہے۔ قریب کی چیز دیکھنے اور لینے کے لئے اس کی آنکھیں اور ہاتھ ساتھ کام کرتے ہیں۔

(د) آس پاس کے بڑے آدمیوں کی حرکتوں کو غور سے دیکھتا ہے

چھٹا مہینہ: (۱) اگر صحیح طرح بٹھایا جائے تو ذرا دیر بغیر سہارے بیٹھ سکتا ہے کسی چیز کو ساری انگلیوں کی مدد سے پکڑ سکتا ہے دونوں ہاتھوں میں ایک ایک چیز تھوڑی دیر تک لے سکتا ہے چمچے کو بجاتا ہے یا ہاتھ سے سر پیٹتا ہے۔

(ب) بعض الفاظ صاف طور سے ادا کرتا ہے مانوس صورتوں کو دیکھ کر آواز سے خوشی کا اظہار کرتا ہے۔ خوشی کے موقعہ پر زور سے غوں غاں کرتا ہے۔

(ج) ہر چیز کو دیکھ کر لینے کے لئے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر اشارہ کیا جائے۔ تو میز پر سے چھوٹی شے اٹھا لیتا ہے۔ قریب قریب رکھی ہوئی چھوٹی چیز کو غور سے دیکھتا ہے۔

(د) اپنے اور پرایوں میں فرق کر سکتا ہے۔ غصے یا محبت کی نظر پر منہ بسورتا یا مسکراتا ہے۔ کھلونا چھیننے پر ناراضگی کا اظہار کرتا ہے

نواں مہینہ: (۱) اکیلا بیٹھ سکتا ہے۔ چھوٹا ٹکڑا انگوٹھے اور انگلی سے پکڑ سکتا ہے۔ پیٹ کے بل لیٹا ہو تو سرک سکتا ہے پیالے اور کسی ٹکڑے سے کھیل سکتا ہے اور ان کو مختلف طرح رکھتا ہے۔

(ب) دادا وغیرہ کہہ سکتا ہے۔ اگر مانوس الفاظ اس کے سامنے بولے جائیں تو خوش ہوتا ہے۔

(ج) تختے کے سوراخ میں لکڑی یا ٹکڑا رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ سلام وغیرہ کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے۔

(د) لوری وغیرہ سن کر ہم آواز ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ سلام وغیرہ کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے۔

بارھواں مہینہ: (۱) انگلی پکڑ کر یا سہارے سے چل سکتا ہے۔ سارے احکام کی تعمیل کر سکتا ہے۔ مثلاً ہاتھ اٹھاؤ۔ ایک مربع ٹکڑا پیالے کے اندر یا اوپر رکھ سکتا ہے (بغیر دوسرے کے بتائے ہوئے)

(ج) لکھنے کی نقل کرتا ہے۔ گول سوراخ میں گیند رکھ سکتا ہے ڈبے کو کھولنے کی کوشش کرتا ہے کسی مانوس شخص کے یکایک چلے جانے سے ناراضگی کا اظہار کرتا ہے۔

(د) کہنے سے معمولی کام کر سکتا ہے۔ (مثلاً اسے مت چھوؤ) جس بات سے بڑے خوش ہوں اُسے پھر کرتا ہے۔

پندرھواں مہینہ:۔ (۱) اکیلا کھڑا ہو سکتا ہے اور چل سکتا ہے

(ب) چار الفاظ ساتھ بول سکتا ہے اور مطلب ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

(ج) دو کیوب کے ساتھ تیسرا بھی ہاتھ میں لے سکتا ہے ایک کیوب پر دوسرا رکھ سکتا ہے۔

(د) کپڑے پہننے میں ہاتھ بٹاتا ہے۔

اٹھارھواں مہینہ:۔ (۱) نیچی سیڑھی یا کرسی پر چڑھ سکتا ہے بکس میں گیند پھینک سکتا ہے۔ قلم سے کیڑے مکوڑے بناتا ہے پیالے کو لکڑی کے ٹکڑوں سے بھر سکتا ہے۔ چار یا زیادہ ٹکڑے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ چمچے سے خود نکال سکتا ہے۔

(ب) پانچ یا زیادہ الفاظ بول سکتا ہے۔ پوچھنے پر اپنی ناک آنکھ، بال وغیرہ کی طرف اشارہ کر سکتا ہے۔

(ج) تین یا زیادہ ٹکڑوں سے مینار بنا لیتا ہے چاک سے صرف نقل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہنے سے کیوب پیالے یا رکابی میں رکھ دیتا ہے۔ جوتا پہننے کی کوشش کرتا ہے گو کامیاب مشکل سے ہوتا ہے۔

(د) کتاب کے ورق لوٹ سکتا ہے اور تصویریں دیکھتا ہے جوتا پہننے کی کوشش کرتا ہے۔ گو کامیاب مشکل سے ہوتا ہے۔

اکیسواں مہینہ:۔ (۱) اٹھا چل سکتا ہے۔ لکھنے میں دائرے یا لکیریں بنا سکتا ہے۔ دروازے کے دستے کو گھمانے کی کوشش کرتا ہے۔ (ب) دو لفظوں کا جملہ بناتا ہے۔ ایک تصویر کو بتا سکتا ہے اور چھوٹے جملے کو دھرا سکتا ہے۔

(ج) مربع سوراخ میں مربع ٹکڑے رکھ سکتا ہے ٹکڑوں کے پل اور مینار میں امتیاز کر سکتا ہے دیکھ کر کاغذ کو دوہرا کر سکتا ہے۔

(د) پاخانہ کہہ کر کرتا ہے۔ کھانے یا نہانے کے وقت کسی چیز کو خاص طور سے مانگ سکتا ہے۔ کسی دلچسپ چیز کو دکھانے کے لئے بڑوں کو بلا کر یا گھسیٹ کر متوجہ کرتا ہے۔

چوبیسواں مہینہ:۔ (۱) دوڑ سکتا ہے۔ چھ ٹکڑوں کا مینار بنا سکتا ہے۔ لمبی اور کھڑی لکیریں کھینچ سکتا ہے (اور سب کی طرح)

(ب) پانچ عام چیزوں میں سے تین کا نام بتا سکتا ہے۔ سادے جملے بول سکتا ہے۔

(ج) ٹکڑوں کو آگے پیچھے رکھ کر ریل بناتا ہے۔ نقل کے طور پر کاغذ پر شکنیں ڈال سکتا ہے۔ کپنے سے ٹکڑا پیالے، رکابی یا بکس میں ڈال سکتا ہے۔

(د) بڑوں کی نقل کرتا ہے۔ اپنے تجربات بیان کرتا ہے۔ کہانیاں اور لوریاں شوق سے سنتا ہے۔ سارے ڈراموں اور کھیل میں حصہ لیتا ہے۔ دن میں پیشاب کہہ کر کرتا ہے۔ لکڑی سوراخ میں ڈالتا ہے۔ اور برتن میں مٹی اور پانی بھرتا اور پھینکتا ہے

بعض اور باتیں

(۱) **چلنا اور بولنا:** (الف) بعض ذہین بچے معمولی بچوں کی نسبت جلد چلنا اور بولنا سیکھ لیتے ہیں۔

(ب) عام طور سے بچہ بولنے سے پہلے چلنا سیکھتا ہے۔

(ج) چلنے کی نسبت بولنے میں بچوں کی عمروں میں کافی اختلاف ہوتا ہے۔

(۲) **دوسرے سال میں بچہ** زیادہ وقت ان باتوں میں صرف کرتا ہے:۔ (الف) کھڑے ہونے، چلنے، دوڑنے اور چڑھنے میں توازن قائم رکھنا۔

(ب) کھینچنے، دھکیلنے، بھرنے، خالی کرنے، ڈھیر لگانے، پھینکنے، دراز اور بکس کھولنے بند کرنے میں ہاتھ اور بازوں کی حرکت پر قابو پانا۔

(ج) گفتگو میں نام لینا اور تکرار کرنا۔

(د) دوسرے سال کے آخری نصف حصہ میں ہاتھ اور نگاہ کی نسبت پیر زیادہ قابو حاصل ہوتا ہے۔

(ک) گردوپیش کی چیزوں کا معائنہ۔

(ل) جانوروں اور ریل وغیرہ کی آواز کی نقل کرنا۔

(۳) **سوشل اور جذباتی نشوونما۔** (الف) بچے پہلے سال کے اول نصف میں آخر نصف کی نسبت زیادہ روتے ہیں۔ پانچ مہینے تک وہ عام طور سے ان باتوں کی وجہ سے روتے ہیں:۔ جسمانی درد، زیادہ تیز روشنی، تیز یا ناگہانی شور، ٹمپریچر کی تبدیلی، بے ڈھب لیٹنے سے، تھکن یا بھوک سے،

پانچ مہینے کے بعد گو وہ کم روتے ہیں۔ لیکن اس کا سبب عام طور سے یہ ہوتا ہے:۔ حسب خواہش حرکت نہ کر سکنا، ماں یا انا کا نظر سے اوجھل ہو جانا، کھلونے کا کھو جانا، خوف، تنہائی، اور نو مہینے کے قریب کی وجہ سے بھی روتے ہیں۔ ایک برس کا بچہ، اگر اس کی اچھی طرح نگرانی ہو تو، سوائے تنہائی کے بہت کم روتا ہے۔

(ب) پہلے سال کے آخر اور دوسرے کے شروع میں بچہ ساتھی چاہتا ہے۔ عام طور سے بڑا آدمی۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ رہنا پسند کرتا ہے۔ اس کو کام کرتے دیکھتا ہے۔ اس سے بات کرتا ہے۔ اور جب چلنا سیکھ لیتا ہے۔ تو اس کے ساتھ گھر میں پھرتا اور اس کے کام میں شرکت کرتا ہے۔

(ج) آٹھویں سے بیسویں ہفتے تک مسکراتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر بچہ مسکراتا ہے۔ بیس سے چالیس ہفتے تک وہ صرف مانوس چہروں کو دیکھ کر مسکراتا ہے۔ اور غیروں کو خاموشی یا ناراضگی سے دیکھتا ہے۔ چالیسویں ہفتے کے بعد وہ ہمدرد اجنبیوں کو دیکھ کر بھی مسکراتا ہے۔ اگر وہ بلند آواز یا وحشی قسم کے نہ ہوں۔ اٹھارہ مہینے کے بعد پھر حجاب شروع ہو جاتا ہے۔ جو اکثر دو یا تین برس کی عمر تک رہتا ہے۔ (ماخوذ)

ساجد حسین قادری۔ ام اے بی ٹی

مالی کی بیٹی

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

ڈاکٹر سے یہ سن کر راج کماری کو یقین ہو گیا۔ کہ میرے دیر تک وہاں رہنے اور بھیا کے یہاں آنے سے ناراض ہو گئے اب ان کو خوش کرنے کی یہ ہی ترکیب ہو سکتی ہے کہ کیلاش کو خوش کیا جائے چنانچہ مسکرا کر کیلاش سے مخاطب ہو کر کہا۔

" استاد راجہ جی! اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو میں اس وقت حاضر ہوں۔ کچھ بتا دیجئے۔ میں وائلن لئے آتی ہوں" " بہت خوشی کے ساتھ، میں حاضر ہوں۔ اسی غرض سے اس وقت ٹھیرا رہا۔ آپ تکلیف نہ کریں۔ وائلن وغیرہ میں لاتا ہوں" یہ کہہ کر وہ کمرہ سے وائلن اور سارنگی اٹھا لائے۔ وہیں گھانس پر تینوں بیٹھ گئے۔ چند منٹ بعد ڈاکٹر صاحب یہ کہتے ہوئے کہ زمین ٹھنڈی ہے میں قالین بھجواتا ہوں۔ چلے گئے۔ آیا قالین لے آئی اور اطمینان کے ساتھ کیلاش صاحب نے پہلے سارنگی پر کوئی ہندی چیز بجائی۔ راجکماری بے حد تعریف کرتی رہی۔ پھر ان کو وائلن دیا۔ راجہ صاحب! اگر آپ معاف کریں اور اجازت دیں تو میں یہ عرض کروں کہ بجائے سبق دینے کے اس وقت تو آپ کچھ سناتے ہی چلے جائیں۔ دیکھئے کیسا اس وقت یہاں کا عجیب منظر ہے۔ یہ نکھری ہوئی چاندنی، بیلے کی مہک، یہ تو ایک افسانوی رات ہے۔ ہم نے تو قصے کہانیوں میں ہی پڑھا ہے شب ماہ اور باغ کی ایسی فضا کہاں نصیب ہوتی ہے"

اپنی پیشانی سے بال ہٹاتے ہوئے چاند کی طرف دیکھ کر جو ایک بڑے پام کے اوپر اپنی پوری آب و تاب سے چمکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ بولے" تب ہی تو میں اس جگہ آ کر بجائے گھر جانے کے یہیں ٹھیر رہا۔ گو بالکل تنہائی تھی۔ اور میرا شہر مردہ دل لیکن اس الف لیلیٰ والی راتوں میں سے ایک رات کی فضا نے مجھے مجبور کر دیا۔ اور یہاں سے قدم نہ اٹھے۔ اس پر آپ کا غصہ کہ آدھی رات تک ہمارے گھر میں ایک غیر شخص کیوں ٹھیرا رہا؟"

یہ سن کر شرمندہ اور محجوب سی ہو کر نگاہیں نیچی کئے راجکماری نے جواب دیا۔" یہ بات نہ تھی، آپ کا خیال غلط ہے۔ میں معافی مانگتی ہوں۔ اپنی اس قدر جسارت کی۔ مجھ کو رنج اس بات کا تھا کہ آپ نے میرے بھیا کے آنے پر اعتراض کیا تھا مسٹر کیلاش ایشور گواہ ہے۔ میں چھوٹے سیٹھ کو اپنا سگا بھائی خیال کرتی ہوں ان کی شادی ایک لڑکی سے ٹھیر رہی ہے وہ اس وقت اُن کے ہاں کھانے پر موجود تھی۔ بس اس سے باتوں میں وہاں دیر لگ گئی۔ معاف کریں۔ اب کوئی ایسی اچھی سی دلدوز چیز سنا دیں کہ دکھی دلوں کا خون ہو جائے۔ اُف مسٹر کیلاش میں بہت بدنصیب برگشتہ قسمت ہوں" اتنا کہہ کر راجکماری نے اپنی ساری کے آنچل سے آنکھیں خشک کیں۔ وہ رو رہی تھیں کیلاش صاحب یہ حالت دیکھ کر بے چین ہو گئے۔ ذرا اور قریب ہو کر بولے" راجکماری اس وقت اتنا رنج نہ کرو۔ گو میں ناواقف ہوں۔ تاہم آپ کی مردہ دلی کا اندازہ کر کے خیال کرتا ہوں کہ ضرور آپ نے کوئی بڑا صدمہ برداشت کیا ہے۔ خدا مدد کرے اور آپ کو شانتی دے" پھر سر جھکا لیا۔ راجکماری نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے بھی اشک رواں ہیں۔ پھر اسی جگہ زمین پر کہنی ٹیک کر وہ نیم دراز سے ہو گئے۔ ان کی طرف سے رخ پھیر لیا۔ کیلاش کی ایسی غمگین حالت کا راجکماری پر بہت اثر ہوا۔ مگر وہ کچھ سمجھ نہ سکتی تھی کہ وجہ کیا ہے۔ انہوں نے پہلے کوئی غم اٹھایا ہوا ہے، یا میری وجہ سے یہ حال ہے اگر ایسا ہے تو غضب ہے۔ ایک مصیبت سے جان بچانے پاتی ہوں۔ اب دوسری آفت آئی۔ ڈاکٹر صاحب کیا کہیں گے۔ ما تا کہ وہ ان کو شریف اور نیک خیال راجکمار سمجھ کر مجھ

سے بے تکلفی سے ملنے کو ناپسند نہیں کرتے۔ تاہم حد سے تجاوز کر جانا غضب ہوگا۔ غرضکہ وہ انہیں خیالات میں غرق تھیں۔ آدھا گھنٹہ خاموشی طاری رہی۔ پھر خود ہی آگے بڑھ کر کیلاش صاحب کا سر اٹھا جو گھاس پر رکھا تھا۔ اپنے ہاتھ میں لے کر ان کے بہت قریب دوزانو ہو کر کہنے لگیں "مسٹر کیلاش آپ اس قدر غمزدہ کیوں ہیں اب ہمیں ایک عرصہ ہوگیا ساتھ رہتے۔ ایک دوسرے کے کچھ حالات سے آگاہ ہونا چاہئے۔ شاید ہمیں کچھ مدد کر سکوں؟" ان کی اس قدر مہربانی والتفات سے کیلاش بے حد متاثر ہوئے جس کی ان کو کسی طرح راجکماری کی طرف سے امید نہ تھی سنبھل کر بیٹھے اور دونوں ہاتھ جوڑ کر جو اظہار نیازمندی کا قدیم ہندو طریقہ ہے۔ سرنگوں زمین کی طرف نگاہیں کئے بولے "میری قابل قدر و مہربان راجکماری! میں اس ہمدردی کا تہ دل سے شکر گزار ہوں مگر میں ڈرتا ہوں کہ ذرا سا بھی اپنا حال سنایا تو آپ ملنا پسند نہ کریں گی۔ مجھ کو خدا جانے کس قدر ذلیل اور بُرے کیرکٹر کا انسان سمجھیں گی۔ بس اس لئے زبان بند ہے، میری بربادئ دل کا راز میرے ہی سینے میں سربستہ رہے تو بہتر ہے۔ آہ میں تو اپنے مخلص دوست ڈاکٹر صاحب سے بھی نہیں کہہ سکتا۔ ممکن ہے۔ وہ مجھ کو پھر اس کوٹھی میں قدم نہ رکھنے دیں۔ جانے دیجئے کہئے کوئی غزل سناؤں؟ اردو کی۔ غالب کے چند شعر یاد آگئے۔ سنئے سارنگی اٹھالی۔ برائے نام تاروں کو چھیڑتے رہے۔ خود ہی عجیب والہانہ انداز میں یہ غزل شروع کی۔ قدرت سے ان کو گلا بھی اچھا ملا تھا اور پھر سالہا سال تک استادوں سے گانا سیکھا تھا۔ راجکماری اس وقت مدہوش ہو رہی تھی۔ غزل کا یہ شعر کیلاش نے کئی بار دوہرایا

نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے
کھیل سمجھا ہے کہیں چھوڑ نہ دے بھول نہ جائے
کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے

تقریباً ۲۰ منٹ تک اس غزل کے چند اشعار گائے پھر سارنگی دور کو پھینک دی اور آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کر لیٹ گئے

راجکماری بھی اس وقت ہچکیوں سے رو رہی تھیں خوب روئیں اور بہت دیر بعد اٹھ کر کیلاش کو زمین سے اٹھا کر کہا چلئے ڈاکٹر صاحب کے کمرے میں۔ تین بجے ہوں گے وہیں ذرا آرام کرلیں۔"

کیلاش صاحب نے بہت ہی منت کے ساتھ شرماتے ہوئے کہا "ڈاکٹر صاحب کے نہیں اگر آپ اپنے پاس تھوڑی دیر اور بیٹھنے دیں تو احسان ہوگا۔ پھر میں ۴ بجے تک گھر چلا جاؤں گا اب صبح ہوتی ہے۔"

"چلئے خوشی سے میرے برآمدے کے آگے جو چوکیاں پڑی ہیں وہیں بیٹھیں گے۔" دونوں اس طرف آئے اور آرام کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"آپ کو نیند آرہی ہوگی؟ راجکماری صاحبہ تکلیف تو نہ ہوگی"

"بالکل نہیں، میں نہ سوؤں گی، آپ تشریف لے جائیں گے تب بھی تھوڑی دیر بیٹھ کر چاء منگوالوں گی۔ مگر آپ ضرور دو گھنٹے کے لئے آرام کریں۔ تقریباً تمام رات نہیں سو سکے۔"

"سونا کیسا؟ میں کئی راتوں سے جاگ رہا تھا طبیعت بہت اداس ہے چاہتا ہوں کہ انگلستان چلا جاؤں۔ ریاست میں تو اب جی نہ لگے گا۔" "آپ شادی کیوں نہیں کرلیتے۔ دل بہل جائے گا" یہ تجویز سنکر کیلاش صاحب ہنسے اور کہا۔ "شادی کا نسخہ آپ ہر ایک غم زدہ کے لئے تجویز کرتی ہیں۔ بیچارے سیٹھ کو بھی یہی رائے دی ہے۔ معاف کرنا راجکماری! اگر ایسی ہی رائے کوئی آپ کو دے تو کیا کہیں؟" "مجھ کو؟ مجھ کو کوئی یہ رائے دے ہی نہیں سکتا۔ کیلاش صاحب میں آج آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میری شادی ہو چکی ہے۔ اور شادی ہی میری بربادی کا باعث ہے۔ میں بے قدردان میں بیاہی ہوئی ہوں۔" (باقی آئندہ)

نذر سجاد حیدر

لباس کی حفاظت

یوں تو تمام کپڑے حفاظت و احتیاط سے پہننے اور رکھنے چاہئیں۔ لیکن خاص کر ریشمی اور گرم کپڑوں کے لئے بہت ہی زیادہ حفاظت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ دُھل نہیں سکتے اور اگر دھل بھی جائیں تو پہلی سی بات نہیں رہتی۔ خراب ہو جاتے ہیں۔ ہاں البتہ خشک دُھلائی ہو سکتی ہے لیکن وہ بھی اس وقت کہ پہلے زمانہ کا ریشم ہو۔ آج کل کا ریشمی کپڑا مثلاً زرتار کپڑا۔ ہوائی اور بنارسی ساریاں وغیرہ ان کی تو خشک دھلائی بھی نہیں کی جا سکتی۔ اور نہ استری ہو سکتی ہے۔ اس لئے ایسے ملبوسات میلے نہ ہونے دیئے جائیں۔ خاص موقعوں پر بہت ہی احتیاط سے استعمال کیا جائے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قیمتی و ریشمی کپڑے جسم سے اُتار کر ویسے ہی بکس میں بند کر دیتے ہیں۔ یہ بہت بُری عادت ہے۔ ایسا کرنے سے تمام کپڑوں میں بُو ہو جاتی ہے۔ اور جراثیم بھی پیدا ہوتے ہیں۔ کپڑوں کو اتار کر تھوڑی دیر دھوپ دے کر اور استری کر کے (یا صرف دھوپ ہی دے کر) رکھا جائے تو بُو وغیرہ پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور کپڑے حفاظت سے رہتے ہیں۔

اسی طرح بی بیاں گرم کپڑے، مردانہ کوٹ۔ سوٹ، گرم شیروانیاں اور خود اپنے گرم کپڑے جاڑے گزرنے پر موسم بھر خوب استعمال کر کے ویسے ہی میلے صرف برش کر کے صندوقوں میں بند کر دیتی ہیں۔ اس سے یہ نقصان ہوتا ہے کہ میل سے کپڑا بہت جلد گل جاتا ہے۔ اور جو کپڑا کئی برس تک پہن سکتے ہیں۔ وہ ایک دو برس میں ہی گل کر پھٹ جاتا ہے۔ اور گرم کپڑا تو بہت ہی قیمتی ہوتا ہے۔ خصوصاً اس زمانہ میں تو بہت ہی مہنگا ہے۔ اس کے یوں بیکار ہو جانے سے بعد میں پچھتانا پڑتا ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ کپڑوں کو رکھتے وقت ہی اس بات کا خیال رکھا جائے کہ کوئی کپڑا میلا تو نہیں ہے اگر میلا ہے اور دھوبی کے یہاں دھلوانے سے خراب ہو جائے گا۔ تو اس کی دھلائی خشک کی جائے کسی ایسی اچھی دکان سے جہاں خشک دھلائی ہوتی ہو یا آپ ہی خود چائے اور پٹرول ہلکا ہلکا برش پر لگا کر میل وغیرہ کے داغ دُور کر دیں اور دن بھر تیز دھوپ دیں ذرا گھس کر خوب اچھی طرح برش کرنے کے بعد تہہ کر کے صندوق یا بکس کو بھی دھوپ دے کر صاف جھاڑ لیا جائے۔ تاکہ جھینگر اور دوسرے کیڑے رہنے نہ پائیں۔ پھر بکس میں کوئی پرانا لیکن صاف کپڑا بچھا کر اس میں گرم کپڑوں کو فنائل کی گولیاں یا کافور ڈال کر سلیقے سے رکھنا چاہیئے۔

فنائل اور کافور ڈالنے سے کپڑا کیڑے لگنے سے بچ جاتا ہے۔ البتہ ان چیزوں کی کپڑوں میں تیز بُو ہو جاتی ہے لیکن یہ کوئی خراب یا نقصان دہ بُو نہیں ہوتی۔ کچھ دیر کپڑوں کو دھوپ میں رکھنے سے یہ بُو بھی جاتی رہتی ہے۔ اور اگلے جاڑے کا موسم آنے تک کپڑے بحفاظت رہیں گے۔

نیک دل

خالدہ شمیم

اگر زمین ناہموار ہو تو مضبوط پاؤں پھسل جاتا ہے عمر گزرنے پر سیدھی کمر جھک جاتی ہے۔ گھونگر والے بال رفتہ رفتہ خام ہو کر گنجا کر دیتے ہیں۔ روشن آنکھ ہمیشہ کے استعمال سے مدہم ہو جاتی ہے۔ خوبصورت چہرے پر جھریاں پڑ جاتی ہیں۔ طاقتور بازو کمزور ہو جاتے ہیں مگر نیک دل ہمیشہ یکساں رہتا ہے۔ نیک دل انسان طاقتور اور خوش ہوتا ہے اسے دنیا کی ہر ایک چیز خوبصورت اور رحمدل دکھائی دیتی ہے۔ نیک دل انسان بیشک کہ لباس کی تعریف کرنا کافی نہیں بلکہ انسانیت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ

حادثہ

گوشۂ مغرب میں پنہاں ہو چکا تھا آفتاب
آ رہی تھی شام رخ پہ ڈال کر شب کا نقاب

رفتہ رفتہ بڑھ رہی تھیں شام کی تاریکیاں
ہر طرف غم آفریں تھا نور و ظلمت کا سماں

مہر بر لب تھی صبا ہر سو فضائیں تھیں اداس
وسعتِ حدِ نظر تک اڑ رہی تھی گردِ یاس

پر سمیٹے چپ تھے اپنے آشیانوں میں طیور
موت کی سی خامشی چھائی ہوئی تھی دور دور

ماتمی ملبوس پہنے ہر شجر خاموش تھا
زندگی بہر نظارہ آنکھ سے روپوش تھا

گونج ہیبتناک سناٹے میں تھی یوں بار بار
جیسے چھیڑا ہو عروسِ مرگ نے اپنا ستار

اس غم آگیں وقت میں خاموش ناشاد و حزیں
جا رہا تھا اک ضروری کام سے شاعر کہیں

گامزن کچھ فاصلے پر اس سے اک مزدور تھا
چل نہ سکتا تھا مگر چلنے پہ وہ مجبور تھا

سر پہ تھا بارِ گراں اور ڈگمگاتے تھے قدم
راہ طے کرنے میں اکثر لڑکھڑاتے تھے قدم

پا برہنہ چیتھڑے پہنے پریشاں سر کے بال
نذرِ غم اٹھتی جوانی پیکرِ رنج و ملال

دل شکستہ، ضعف سے دہری کمر، نیچی نظر
آدمی کی شکل میں تہذیبِ نو کا جانور

جب سڑک سے موڑ پر پہنچا دوراہے کے قریب
کار کی آواز سے گھبرا گیا وہ بدنصیب

ہو گئیں ہمت شکن کمزوریاں رفتار کی
آ گیا افسوس صد افسوس زد میں کار کی

موت کی گاڑی کا پہیہ اُف گلے پر چل گیا
قصرِ ہستی دفعتاً بھڑکا بھڑک کر جل گیا

اک صدائے دل دوز گونج اٹھی فضا میں چار سو
موت کی آواز نے توڑا سکوتِ دشت ہو

جوشِ غم سے مضطرب ہو کر فضا رونے لگی
بیکسی بھی آنسوؤں سے اپنا منہ دھونے لگی

کار سے اترا رئیسِ نامور اک شہر کا
تند لہجے میں چبا کر ہونٹ یہ کہنے لگا

کیا مصیبت ہے کہ یہ مزدور و مفلس آدمی
کچھ سمجھتے ہی نہیں کیا ہے طریقِ رہروی

کوئی ان کا کیا کرے بے موت جو مرتے ہیں
دوسروں کو بھی پریشاں مفت میں کرتے ہیں

شان پھر اپنی رئیسانہ وہ دکھلانے لگا
اپنے خادم کو وہیں یہ حکم فرمانے لگا

اس کے خویش و اقربا کو شہر میں کر کے تلاش
سونپ دینا ان کو اس مزدورِ بدقسمت کی لاش

مطمئن وہ ہوں نہ مرگِ ناگہانی سے اگر
میں عوض میں اسکے انکو بخش دونگا مال و زر

کہہ کے اتنا کار پہ اپنی روانہ ہو گیا
یہ غم آگیں سانحہ گویا فسانہ ہو گیا

دیکھ کر یہ منظرِ جانکاہ ہو کر بے قرار
کہہ رہا تھا دل میں یہ شاعر کہ اے پروردگار

بیکسوں کا بھی خدا تو ہے امیروں کا بھی تو
ایک ہے تیرے لئے شاہ و گدا کی آبرو

پھر تری دنیا میں کیسا ہو گیا ہے یہ نظام
بیکسوں کی جان کا نعم البدل ہوتے ہیں دام

ہستیٔ مزدور کی یہ قدر و قیمت ہائے ہائے
خود غرض ہیں کس قدر یہ اہلِ دولت ہائے ہائے

روز ایسے کتنے ہی فاقہ زدہ ماؤں کے لال
مفلسی میں کثرتِ آلام سے ہو کر نڈھال

حادثوں کی نذر ہو کر توڑتے ہیں اپنا دم
سوگواری میں نہیں ہوتی کسی کی چشم نم

کیا نہ اِن کی پرورش خود کرتے ہونگے والدین؟
کیا نہ ان کی زندگی ہوگی کسی کے دل کا چین؟

کیا دلوں میں ان کے شوق و حسرتِ دنیا نہیں؟
کیا جہاں کی نعمتوں میں ان کا کچھ حصہ نہیں؟

اے خدا کیا تیرے بندوں میں نہیں انکا شمار؟
کیوں ہیں بیکس مبتلائے گردشِ لیل و نہار؟

کب تک ان کی حالتوں پہ تو کرم فرمائیگا
ظالموں کا ظلم ان کو تا بکے تڑپائے گا؟

کان میں کہنے لگا اسوقت شاعر کا ضمیر
کیوں پریشاں ہو رہا ہے دل میں اے غم کے اسیر

سن کہ دنیائے جفا میں انقلاب آنے کو ہے
بیکسوں کا دور دورہ کامیاب آنے کو ہے

خلیق برہانپوری

کراماتی تعویذ

رفیع ایسا مصیبت زدہ شخص تھا کہ اس کی قسمت بھی اس سے روٹھی ہوئی تھی۔ ایک عرصہ سے وہ بیکار تھا حصول معاش و ملازمت کی خاطر اس نے در در کی ٹھوکریں کھائیں مگر کامیابی کی صورت نظر نہ آئی۔ ایک روز اسی جدوجہد کے سلسلہ میں اس کی ملاقات اپنے دوست سلیم سے ہوئی۔ اس نے رفیع سے کاروبار کے متعلق استفسار کیا۔ رفیع نے کہا بھائی میں وہ بدقسمت انسان ہوں جس کے مصائب کا علاج قدرت کے پاس بھی نہیں ہے۔ میں نے سب کوششیں کرلیں۔ اب آپ ہی کچھ علاج بتایئے سلیم ایک ضعیف الاعتقاد شخص تھا۔ جب اس نے رفیع کی ناکامیوں کا حال سنا تو کہا۔ گھبراتے کیوں ہیں۔ پروفیسر رحمت علی صاحب بڑے زبردست عامل اور بزرگ ہیں۔ اس قسم کے مصائب کا علاج خوب جانتے ہیں اور اس غرض کے لئے انہوں نے علیحدہ علیحدہ تعویذات و طلسمات تیار رکھے ہیں۔ ایک اخبار کا پرچہ رفیع کو دیتے ہوئے۔ لیجئے اس اشتہار کا مطالعہ کیجئے۔ رفیع نے باآواز بلند اشتہار پڑھا۔ "ضرورت مند حضرات و بیگمات کے لئے خوشخبری"۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ آنے والے وقت سے پہلے آپ اس کے سربستہ راز سے آگاہ ہو جائیں؟ یا اپنی کسی تجارت کو فروغ دینا چاہتے ہیں؟ یا کسی مقدمہ میں فتحیابی حاصل کرنے کے آرزومند ہیں یا خدانخواستہ آپ کسی ایسی مصیبت میں مبتلا ہو چکے ہیں کہ جس سے نجات پانا ناممکن ہے؟ اگر آپ ایسے کسی معاملہ کا حل چاہتے ہیں تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ ہم مفید مشورہ کے علاوہ کراماتی تعویذ و طلسمات بھی دیتے ہیں جس کی تاثیر سے آپ بہت جلد عروج و کامیابی سے ہمکنار ہو جائیں گے۔ ایک بار ضرور آزمائش کر لیجئے۔ ہمارا یہ دعوے ہے کہ ہمارے تعویذات و طلسمات کبھی خطا نہیں کھاتے بڑے بڑے بیمار تعویذات کے معتقد ہیں پیشگی نذرانہ نہ صرف سوا سو روپیہ۔ پروفیسر رحمت علی"۔

رفیع۔ (پرنم آنکھوں سے) جناب اگرچہ میرا اعتقاد ان باتوں پر نہیں ہے، تاہم اپنی قسمت آزمائی کے لئے ایک بار تجربہ کر لینے سے گریز نہ کرتا۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ یہ آزمائش میرے جیسے شخص کے لئے کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ میرا حال آپ سے پوشیدہ تھوڑا ہی ہے سوا سو روپیہ کی رقم مجھ جیسے شخص کے لئے کوئی معمولی بات نہیں ہے میری حالت آپ سے پوشیدہ تھوڑی ہی ہے سوا سو روپیہ کی رقم مجھ جیسے تنگ دست انسان کے لئے بہت زیادہ ہے ایک موہوم امید کی بھینٹ کیلئے اتنی بڑی رقم کہاں سے لاؤں"۔

سلیم "اجی رقم وغیرہ کی فکر نہ کیجئے میں سب کچھ ٹھیک کرلوں گا"۔

رفیع نے کہا "میرے کرم فرما! میں آپ کی اس ذرہ نوازی کا ممنون ہوں لیکن آپ میری طبیعت سے بخوبی واقف ہیں مفلوک الحال ہونے پر بھی میں نے کسی کے آگے دست سوال نہیں پھیلایا ہے حتی الامکان اپنی محنت سے روزی پیدا کی ہے"۔ اس کے جواب میں سلیم نے کہا "ہاں ہاں میں اچھی طرح جانتا ہوں لیکن آپ اطمینان رکھئے۔ آپ کی خودداری کو ٹھیس نہ لگنے پائے گی۔ بات یہ ہے کہ مذکورہ پروفیسر میرے واقف کاروں میں سے ہیں ان سے میرے اچھے اور دوستانہ مراسم ہیں۔ میں ان سے ایک تعویذ مستعار مانگ لوں گا۔ اگر آپ کی قسمت چمک اٹھے تو آپ نذرانہ پیش کر دیجئے ورنہ دوسری صورت میں ہم ان کا تعویذ انہیں واپس کر دیں گے۔ کیا آپ کو اس میں بھی اعتراض ہے؟"

رفیع "جی نہیں اعتراض کی کیا بات ہے لیکن کیا وہ ہمیں اپنی ایسی نایاب چیز مستعار دینے پر رضامند ہو جائیں گے؟"

سلیم۔ "وہ کیوں نہ راضی ہوں گے؟ بندہ لے کر ہی ٹلے گا"۔

اس گفتگو کے بعد سلیم نے شیروانی پہنی۔ سر پر ٹوپی رکھی اور رفیع کو اپنے ساتھ لے پروفیسر صاحب کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا

وہاں پہنچ کر یہ ابھی بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ ایک صاحب عدالتی قانون کے مطابق سرکاری آدمی کو لئے پروفیسر صاحب سے اپنے قرض کے مطالبہ کے لئے دروازے پر آکر کھڑے ہو گئے اور لگے شور و غل مچانے۔ ان کی صورت دیکھتے ہی پروفیسر صاحب بہت سٹ پٹائے۔ اس وقت وہ نہایت سراسیمہ و پریشان حال نظر آرہے تھے۔ انہوں نے حتی الامکان عذر و معقولات پیش کئے اور تاخیر کی وجوہ بیان کیں۔ مگر قرض خواہ نے ایک نہ سنی اور اپنے روپیہ کی ایک قسط لے کر ہی ٹلا۔

اس واقعہ نے رفیع کے خیالات میں ایک ہیجان بپا کر دیا وہ سوچنے لگا کہ کہیں یہ بھی میری ہی کم نصیبی کی کارفرمائی نہ ہو۔ کیا پروفیسر صاحب کی روحانی طاقت کی طرح میری بدقسمتی بھی دوسروں پر اثر انداز ہونے کی طاقت رکھتی ہے؟ اُف! یہ کیا ماجرا ہے؟ دوسروں کے مصائب کو ٹالنے کا دعوےٰ کرنے والا خود اپنے ذاتی معاملات میں عاجز و درماندہ نظر آرہا ہے جس وقت پروفیسر صاحب اپنے اس نامہربان کو رخصت کررہے تھے اس وقت رفیع نے سلیم سے کہا: "یہ کیا ماجرا ہے۔ ہم تعویذ وطلسمات کا یہ الٹا اثر کیا دیکھ رہے ہیں؟"

سلیم نے کہا "ذرا تحمل کیجئے۔ ممکن ہے۔ اس میں بھی پروفیسر صاحب کی کوئی حکمت عملی ہو۔ بلا سوچے سمجھے رائے پیش کردینا مجھے بالکل پسند نہیں۔ آپ نے یہ کیوں کر جان لیا کہ اس وقت پروفیسر صاحب کے پاس ضرور تعویذ ہونا چاہئے۔ اور یہ سب اسی کا الٹا اثر ہے۔"

رفیع۔ جناب جو دوسروں کو ہدایت کرتا ہو کہ میرے تعویذ کو اپنی جیب میں ضرور رکھ لیا کریں۔ کیا ان کی جیب ان چیزوں سے خالی رہ سکتی ہے۔"

رفیع کے اس جواب پر سلیم اپنا سا منہ لے کر خاموش رہ گیا۔ منہ سے کچھ کہا تو نہیں مگر اس کے دل نے اس معقول جواب کو تسلیم کرلیا۔

جب پروفیسر صاحب کے وہ نامہربان مہمان رفع ہوگئے تو آپ اپنے بے تکلف دوست کے پاس تشریف لائے۔ اور یوں فرمانے لگے۔ "اوفو! اس کمبخت نے میرا ناک میں دم کر رکھا ہے۔"

سلیم "(ہمدردی کے لہجہ میں افسوس ظاہر کرتے ہوئے) واقعی بڑا نامعقول شخص ہے۔ لیکن اس موقعہ پر آپ نے اپنی روحانی طاقت سے کیوں کام نہ لیا؟"

پروفیسر صاحب۔ "اجی گولی مارو روحانی طاقت کو۔ یہاں تو روح بھی فنا ہو رہی تھی۔"

سلیم۔ "جی! کیا کہا آپ نے؟ آپ جیسے باکرامت شخص کی زبانی یہ الفاظ سن کر مجھے سخت حیرت ہو رہی ہے۔ کیا آپ کے کراماتی تعویذات کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی نہیں ہے۔ جب ہزاروں بندگانِ خدا اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ آپ اپنی چیز سے فائدہ نہ اٹھائیں۔ اگر اس وقت آپ کے پاس عدالتی کاموں میں فتح دلانے والا ایک عدد تعویذ موجود رہتا تو آپ کو ان مشکلات سے کیوں سابقہ پڑتا؟"

سلیم کی اس ہمدردانہ گفتگو کو سن کر پروفیسر صاحب نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اور جیب سے تعویذات نکالتے ہوئے کہا "دیکھئے جناب میری جیبیں بھری پڑی ہیں۔ (میز کی درازیں کھولتے ہوئے) اور دیکھئے یہ تعویذات ہیں۔ اور یہ طلسمات ہیں۔ ایک کیا اس وقت ہزاروں نسخے موجود ہیں۔ لیکن اس کے اثرات سے کہیں ایسی بلائیں بھی ٹل سکتی ہیں؟ اس کے لئے تو روپیہ چاہئے روپیہ۔"

سلیم۔ "تو کیا آپ کے ان نسخوں میں وہ خاص دستِ غیب کا نسخہ نہیں ہے۔ جو غالباً سب سے زیادہ گرانقدر و قیمتی سمجھا جاتا ہے؟"

پروفیسر صاحب۔ (جھلا کر) "جی! وہ بھی موجود ہے۔ لیکن کہہ تو دیا کہ ان کے اثرات اپنی ذات کے لئے نہیں ہیں۔ یہ تمام چیزیں غیروں کے لئے ہیں۔ کچھ اپنے لئے تھوڑے ہی ہے۔"

سلیم۔ "یہ کیوں؟ اس کے کیا معنی۔ کچھ تفصیل سمجھائیے نا۔"

پروفیسر۔ "آپ تو حد سے زیادہ سیدھے ہیں اتنی سی بات نہیں سمجھا

سمجھ سکتے۔ کہہ تو رہا ہوں کہ لوگ میری خدمات کی جتنی چاہیئے اتنی قدر نہیں کرتے ہیں۔ اگر قدر ہوتا تو رونا ہی کس بات کا تھا؟ نہ آج اتنے تعویذ رہتے اور نہ یہ مصیبت آتی"۔

سلیم:۔ (تفکر آمیز لہجہ میں)۔ "اچھا تو یہ معاملہ ہے۔ ایک سے زیادہ تعویذ کا اپنے پاس رکھنا فائدے کے بجائے نقصان پہنچاتا ہے؟"

پروفیسر صاحب اس پر جھلا پڑے۔ رفیع خاموشی کے ساتھ تمام گفتگو سن رہا تھا۔ اور سلیم کے احمقانہ سوالات نے آخر اسے بولنے پر مجبور کردیا۔ "میاں سلیم! پروفیسر صاحب آپ کو مغالطہ میں رکھنا نہیں چاہتے ہیں۔ اس لئے تعویذات کی اصلی حقیقت کو وہ صاف صاف الفاظ میں ظاہر کررہے ہیں۔ مگر آپ ہیں کہ سیدھی سادی بات بھی نہیں سمجھ سکتے"۔

سلیم:۔ "ہیں! تو کیا یہ تعویذات اور طلسمات کے دعوے محض دھوکا اور فریب ہے؟"۔

پروفیسر:۔ اور نہیں تو کیا؟ اجی جناب یہ سب کچھ صرف بیکاروں کے لئے کمانے کا ایک سہل الاصول طریقہ ہے۔ غالباً آپ نے ریلوے اسٹیشنوں اور بڑے بڑے شہروں پر ایک یہ تماشا تو ضرور ہی دیکھا ہوگا کسی شخص کے ساتھ ایک لڑکا ہوتا ہے۔ جب لوگوں کا کافی ہجوم ہوجاتا ہے۔ تو وہ لڑکے کو زمین پر لٹا دیتا ہے۔ اور سر سے لے کر پیروں تک اس پر ایک چادر ڈال دیتا ہے۔ پھر تماش بینوں سے مخاطب ہوکر کہتا ہے آیئے صاحب۔ تشریف لائے جن صاحب کو کچھ سوال کرنا ہو وہ کچھ پیسے نذرانہ کے طور پر دیں۔ اور سوال کریں۔ یہ لڑکا آپ کو ٹھیک ٹھیک بات بتلادے گا۔ پھر جب کوئی شخص پیسے دیتا ہے۔ تو وہ کہتا ہے۔ دیکھئے صاحب آپ نے جو کچھ نذرانہ میرے ہاتھ میں دیا ہے۔ وہ لڑکا چادر کے اندر سے بتلادے گا۔ اس طرح پر وہ لڑکے سے مخاطب ہوکر پوچھتا ہے "فلاں صاحب نے کیا نذرانہ عطا فرمایا۔ لڑکا اس کا جواب ٹھیک دیدیتا ہے"

سلیم (قطع کلام کرتے ہوئے) "جب وہ لڑکا چادر کے اندر سے ٹھیک سا جواب دیتا ہے۔ تو یقیناً یہ دھوکا نہیں ہوسکتا ہے۔

پروفیسر:۔ "اجی صاحب! سنئے تو سہی۔ ابھی پوری بات نہیں سنی کہ جھٹ ایمان لے آئے۔ اور لگے رائے دینے"۔

سلیم۔ "خیر معاف کیجئے اب نہ بولوں گا"۔

پروفیسر:۔ "لڑکے سے صحیح جواب پاکر ہر ایک کو حیرت ہوتی ہے لیکن سننے والوں نے کبھی اس شخص کے فقروں پر غور نہ کیا ہوگا کہ وہ کن الفاظ میں لڑکے سے سوال کرتا ہے۔ لیجئے میں اس راز کو بتاتا ہوں۔ اگر کوئی شخص ۵ پیسے دیتا ہے تو وہ کہتا ہو کہ بیٹا پر کھ "صاحب نے کیا نذرانہ دیا اگر ۶ دیتا ہو تو "سچ سچ" کا فقرہ استعمال کرتا ہے۔ اس طرح ہر رقم کے لئے مختلف فقرے مقرر ہوتے ہیں۔ جو لڑکے کو ازبر کروا دیئے جاتے ہیں کہ وہ صحیح جواب دینے میں خطا نہ کرے۔

سلیم:۔ ارے میاں رفیع! ہم آئے تو تھے تعویذ مستعار طلب کرنے۔ مگر تمہاری معاش کا مسئلہ بھی تو حل ہوگیا۔ پروفیسر صاحب نے بڑی حکمت کی بات بتائی ہے۔ ملازمت نہ ملتی ہے تو نہ ملے۔ اس حکمت عملی سے کافی روپیہ پیدا ہوسکتا ہے"۔

رفیع:۔ "نا صاحب! مجھے معاف ہی رکھیں۔ میرا بھروسہ اللہ پر ہے۔ جو سب کو روزی دیتا ہے۔ وہ مجھے بھی دے گا کبھی نہ کبھی میری حالت پر اسے رحم آہی جائے گا۔ دیر آید درست آید کا مقولہ غلط نہیں ہے۔ مجھے ایمانداری اور محنت سے روپیہ کمانا ہے۔ اور اللہ کی مدد کا مجھے یقین ہے"۔

غرضکہ دونوں دوست پروفیسر صاحب کے واقعہ سے ایک درس لے کر رخصت ہوئے۔ سلیم کے اعتقادات کی اصلاح ہوگئی۔ اور رفیع کو صبر اور سکون کا اجر مل گیا۔

شیریں گل بمبئی

خواتین حیدر آباد کی کھانے پکانے میں دلچسپی

ہماری قدیم تہذیب میں کھانے پکانے میں مہارت عورت کی زندگی کا لازمی جز تھی۔ عام طور پر تعلیم کے بجائے کھانے پکانے اور سینے پرونے میں لڑکیوں کو ماہر کیا جاتا تھا۔ جدید تعلیم نے عورتوں کی اس خصوصیت کو بڑی حد تک مٹا دیا ہے۔ اعلیٰ طبقہ کے قطع نظر متوسط طبقہ بھی اس سے بیگانہ ہوتا جارہا ہے۔ اگرچہ مدارس میں دومشک سائنس میں کھانے پکانے کی تعلیم بھی شامل ہے، لیکن اس کی جانب پوری طرح توجہ نہیں ہوتی۔ بعض مرتبہ علانیہ تعلیم یافتہ خواتین اپنی اس خامی کا اظہار ندامت سے کرتی ہیں۔

عورت گھر کی ملکہ ہے، جب تک گھر کے ہر قسم کے کام کاج سے وہ خود واقف نہ ہو اس وقت تک وہ سلیقہ کے ساتھ اپنے گھر کا کام انجام نہیں دے سکتی، اور نہ ملازمین سے کام لے سکتی ہے۔ انسان کی زندگی کے لئے کھانا پینا لازمی ہے جب تک پیٹ کی ضیافت نہ ہو اس وقت تک وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ بہرحال جس طرح زندگی کے لئے کھانے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح سے پکوان میں مہارت پیدا کرنا عورت کے لئے لازمی ہے۔ ہماری موجودہ معاشرت ایسی نہیں ہے کہ گھر کے بجائے ہوٹل کے بن جائیں۔ یہ امر باعث مسرت ہے کہ حیدر آباد دکن کے اعلیٰ طبقہ کی خواتین میں کھانے پکانے کا شوق موجود ہے۔

حیدر آباد نہ صرف مختلف تمدنوں کا مرکز ہے، بلکہ یہاں دنیا کے اکثر ممالک کے لوگ بستے ہیں، اس لئے یہاں کے کھانوں میں مختلف ملک کے کھانے شامل ہیں۔ یہاں یورپین طرز کے کھانوں میں انگلستان، فرانس، اٹلی وغیرہ کے کھانے اچھی طرح تیار ہوتے ہیں۔ اسلامی طرز میں ترکی، عربی، مصری، عراقی، ایرانی اور افغانی کھانے پکائے جاتے ہیں، اس کے علاوہ خود ہندوستان کے ہر حصہ ملک شمالی پنجاب، بنگال شمالی ہند، مدراس اور گجرات وغیرہ کے کھانوں کا رواج ہے۔ "انجمن خواتین دکن" کی جانب سے اکثر کھانے پکانے کی نمائش ہوتی اور تمغے اور کپ انعام میں دیئے جاتے ہیں۔ بعض مدارس میں کھانے پکانے کی معلمہ کا خاص انتظام ہے۔ اس وجہ سے اعلیٰ طبقہ میں بھی کھانے پکانے کا شوق پایا جاتا ہے۔

اگر حیدر آباد کی ان خواتین کا حال لکھا جائے جو کھانے پکانے میں مہارت رکھتی ہیں۔ تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہوسکتی ہے، ہم اس موقع پر صرف چند خواتین کا تعارف کراتے ہیں جن کی کھانے پکانے کی دلچسپی ہمارے علم میں ہے۔

پہلے ہم ان خواتین کا تذکرہ کرتے ہیں جو اپنے سن و سال کے لحاظ سے مقدم ہیں۔

اس عنوان میں سب سے پہلے صغرا بیگم ہمایوں مرزا کا تذکرہ کرنا چاہیے، آپ کو نہ صرف حیدر آبادی نمکین اور شیریں کھانے پکانے کی مہارت حاصل ہے۔ بلکہ ترکی، ایرانی، اور انگریزی کھانے پکانے میں بھی اچھی مہارت رکھتی ہیں، انجمن خواتین دکن کی صدر کی حیثیت سے آپ کھانے کی نمائش میں پوری دلچسپی لیتی ہیں، آپ کی مہارت کا ثبوت مہمانوں کی ضیافت پر اکثر ملتا ہے۔

بیگم خورشید مرزا جو خان بہادر رضا علی صاحب سابق کلکٹر مدراس کی دختر ہیں۔ مختلف اقسام کے کھانے پکانے میں پوری مہارت رکھتی ہیں۔ مدراسی کھانے تمام ہندوستان میں جو شہرت رکھتے ہیں۔ وہ پوشیدہ نہیں ہے بیگم صاحبہ موصوفہ کو اچھی طرح اس فن میں ملکہ ہے۔

بیگم مہدی نواز جنگ کو جو نواب عقیل جنگ بہادر کی صاحبزادی ہیں کھانے پکانے کا بڑا شوق ہے، اب بھی نئے نئے شیریں اور نمکین کھانوں کے طریقے معلوم کرنے کی

جو یہاں رہتی ہیں۔

بیگم ابو رضا جو جہاں بانو بیگم نقوی کی والدہ ہیں ایرانی اور بنگالی پکوان میں اچھی دست گاہ ہے۔ آپ کے والد نواب دولت یار جنگ مرحوم ایران سے حیدرآباد آئے تھے اور آپ کے خسر مولوی دلیل الدین احزم جنگ صوبہ بنگال کے باشندہ تھے اس طرح آپ کو ان دونوں جگہ کے کھانوں میں مہارت ہو گئی اور آپ کا مقابلہ مشکل سے کیا جا سکتا ہے۔

بیگم سراج یار جنگ، اور بیگم داؤد جنگ بھی ماہرین پکوان کی حیثیت سے پیش ہو سکتی ہیں۔ جو کئی اقسام کے کھانے پکانے میں کامل دست گاہ رکھتی ہیں۔

قیصری بیگم جو مولانا نذیر احمد کی نواسی ہیں کئی فنون کی مہارت کے ساتھ ساتھ کھانے پکانے میں بہت اچھا سلیقہ ہے نہ صرف شمالی ہند بلکہ دکن کے کھانے پکانے کا آپ کو جو ملکہ حاصل ہے وہ شاید بہت کم خواتین کو ہوگا۔

میری والدہ بھی مدراس کے شیریں اور نمکین کھانے تیار کرنے میں ید طولیٰ رکھتی ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ خاندان میں ان کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔

بیگم احمد مرزا (سابق چیف انجینیر) بیگم سید علی اکبر (پرنسپل نظام کالج) بیگم سید محمد تقی، مسز سید محمود، سیدہ احمد النساء بیگم (ادیب فاضل) وغیرہ اس عنوان میں نظر انداز نہیں کی جا سکتیں جو کھانے پکانے میں ہر لحاظ سے امتیاز رکھتی ہیں۔

مسز پلے، مسز برکت رائے مزے مزے کے کھانے پکاتی ہیں۔ مسز پلے مدراسی نمکین اشیاء خوب تیار کرتی ہیں۔

بیگم ڈاکٹر نواب سعید یار جنگ کو جو نواب معود نواز جنگ مرحوم کی بڑی دختر ہیں۔ مدراسی شیریں اور نمکین کھانے تیار کرنے کی مہارت حاصل ہے۔ آپ کی تیار کی ہوئی مٹھائیاں اعلیٰ شیریں دسترخوان پر پسندیدگی کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

اس تفصیل کے بعد اب ہم چند ایسی خواتین کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جو اپنے سن و سال کے لحاظ سے مذکورہ بالا خواتین سے کم عمر ہیں۔

اس فہرست میں سب سے پہلے بیگم رکن الدین احمد صاحب (نائب صدر ناظم حسابات) کا تذکرہ مقدم ہے، آپ نواب معود نواز جنگ کی چھوٹی دختر ہیں، اپنی بڑی بہن بیگم ڈاکٹر نواب سعید یار جنگ کی طرح شیریں اور نمکین کھانے نہایت عمدہ اور نفیس پکاتی ہیں، نہ صرف مدراسی اور حیدرآبادی پکوان بلکہ انگریزی کھانے پکانے کا بھی آپ کو خوب سلیقہ اور مہارت تامہ حاصل ہے۔ کھانے پکانے میں آپ کی نظیر مشکل سے دستیاب ہوگی۔ آپ نہ صرف عمدہ اور نفیس کھانے پکاتی ہیں۔ بلکہ جس قدر جلد تیار کرتی ہیں وہ قابل تعجب اور حیرت انگیز بھی ہے۔

سکینہ بیگم جو نواب عماد الملک مرحوم کی نواسی ہیں۔ محبوبیہ اسکول کی ممتاز ترین طالبات میں شامل تھیں اور دیگر فنون کی طرح مشرقی اور مغربی کھانے پکانے میں بھی امتیاز حاصل کیا ہے۔ کامل عبور رکھتی ہیں۔

بیگم فیاض الدین (ارکیٹکٹ) بھی ان خواتین میں شامل ہیں۔ جن کو کھانا پکانا بہت اچھا آتا ہے۔ اسی طرح بیگم سرور حسن (صدر مہتمم تعمیرات) کا تذکرہ ضروری ہے آپ کی والدہ بیگم ابو رضا کا تذکرہ قبل ازیں ہو چکا ہے۔

عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جو خواتین اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرتی ہیں۔ ان کو کھانے پکانے سے دلچسپی نہیں ہوتی۔ مگر ہم حیدرآباد کی ایسی خواتین کو بھی پیش کر سکتے ہیں جنہیں اعلیٰ ڈگریوں کے ساتھ کھانے پکانے سے بھی بہت دلچسپی ہے۔

محبوب النساء بیگم۔ ایم۔ ایس۔ سی (عثمانیہ) آپ کی والدہ سیدہ احمد النساء بیگم کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ محبوب النساء بیگم سائنس کی اعلیٰ ڈگری رکھتی ہیں۔ اور زنانہ کالج میں لکچرار ہیں آپ بھی اچھے اچھے کھانے کی تیار کی ہیں آپکا تعلق مدراس

سے ہے۔ اس لئے مدراسی کھانوں کی زیادہ ماہر ہیں۔

افسر النساء بیگم ایم۔ اے (عثمانیہ) لکچرار انگریزی زنانہ کالج بھی بہت اچھے میٹھے بناتی ہیں۔

مس خورشید ویکاجی۔ بی۔ ایس۔ سی (عثمانیہ) زنانہ کالج میں ڈومسٹک سائنس کی لکچرار ہیں۔ آپ مشرقی اور مغربی کھانے خوب تیار کرتی ہیں۔

بیگم مرزا محی الدین بیگ (مددگار ناظم زراعت) بس پلومن بس جیتو پا (دیا) وغیرہ بھی اس عنوان میں قابل تذکرہ ہیں۔ جو مختلف قسم کے کھانے پکانے کا اچھا شعور رکھتی ہیں

اب ہم چند ایسی خواتین کا تعارف کراتے ہیں جو مدارس میں ملازم ہیں۔

اس تفصیل میں سب سے پہلے طیبہ بیگم مسز باقر علی خاں کا تذکرہ ضروری ہے۔ آپ صنعتی مدارس نسواں کی مہتمہ ہیں۔ ڈومسٹک سائنس اور مختلف گھریلو صنعت کی ماہر ہیں۔ کھانے پکانے کے حق میں بھی آپ ماہر ہیں مشرقی اور مغربی نمکین اور شیریں کھانے تیار کرنے میں آپ امتیازی درجہ رکھتی ہیں۔ اور اپنے فن کی مہارت سے بیسوں خواتین کو تعلیم دے کر ماہر فن کرا دیا ہے۔

مسز فخر الدین، محبوبیہ اسکول میں کھانے پکانے کی معلمہ ہیں۔ مقابلہ کے امتحان میں اول آکر آپ نے یہ مدت حاصل کی ہے۔ مشرقی اور مغربی کھانوں خصوصاً مدراسی میٹھے نہایت صفائی اور خوبی سے تیار کرتی ہیں۔

امیر بیگم اور کریم النساء بیگم جو مدرسہ فوقانیہ نسواں نام پلی میں معلمہ ہیں۔ بہت اچھے کھانے پکانے جانتی ہیں

آخر پر ہم کچھ ان کی نمائش میں انعام حاصل کرنیوالی خواتین کے نام بھی لکھتے ہیں۔

(۱) دختر خاں فضل محمد خاں، اور دختر امیر علی صاحب کو انگریزی کھانوں پر تمغہ ملا ہے۔

(۲) بیگم سید یاد حسین کو عربی کھانوں پر اور

(۳) بیگم آقا محمد علی کو ایرانی کھانوں پر۔ اور

(۴) شمس النساء بیگم کو ہندوستانی پکوان پر۔ اور

(۵) سعید النساء بیگم کو مدراسی کھانوں پر تمغے دیئے گئے ہیں۔

حیدر آباد میں اعلیٰ طبقہ اکثر و بیشتر میز کرسی پر کھانا کھاتا ہے۔ لیکن فرش اور دسترخوان پر کھانے کا بھی رواج ہے۔ بڑی بڑی ضیافتوں کے موقعہ پر دسترخوان ہی چنے جاتے ہیں۔ البتہ اب ضیافتوں کے موقعہ پر فرش پر بیٹھ کر ایک اونچی چوکی پر کھانے کا رواج زیادہ ہوتا جا رہا ہے مگر آج کل تو جنگ کی وجہ سے بڑی بڑی ضیافتیں بہت کم ہو گئی ہیں۔

حیدر آباد میں انگریزی ڈنر میں بھی بریانی اکثر و بیشتر ہوتی ہے۔ عام طور سے چاء کا رواج بہت ہو گیا ہے صبح اور سہ پہر کو چاء پی جاتی ہے۔

بہر حال حیدر آباد کے اعلیٰ طبقہ کی خواتین میں کھانے پکانے کا رواج موجود ہے۔ اور دلچسپی لی جاتی ہے۔

نصیر الدین ہاشمی

جادُو

ہماری محترمہ بہن شیریں گل صاحبہ نے رسالہ عصمت مجریہ نومبر ۱۹۴۴ء میں جادو کی ہلاکت آفرینی کے متعلق میرے خیالات معلوم کرنے کے لئے مجھ سے استفسار فرمایا ہے میں چاہتا تھا کہ اس سلسلہ کو ابھی اور دیکھوں مگر میں محترمہ بہن کے ارشاد کی تعمیل کرتا ہوں تاکہ وہ یہ خیال نہ کریں کہ میں نے پرواہ نہ کی۔

قرآن شریف میں سب سے پہلے سورہ بقرہ میں سحر کا ذکر حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں صرف اتنا ہی ہے کہ :-

(۱) شیاطین لوگوں کو سحر سکھاتے تھے یعلمون الناس السحر۔ اسی مقام پر ذرا آگے ہاروت اور ماروت کا قصہ درج ہے کہ لوگ ان سے وہ سیکھتے تھے جس سے میاں بیوی میں جدائی ہو سکے فیتعلمون منھما ما یفرقون بہ بین المرء و زوجہ

اور ان ہر دو امور کا ذکر فرما کر ارشاد ہوا کہ وما ھم بضآرین بہ من احد الا باذن اللہ اور وہ (شیاطین اور ہاروت و ماروت اور ان سے سیکھنے والے) سب اس (جادو وغیرہ) کے ذریعہ سے کسی کو بھی بغیر اللہ کے حکم کے ضرر نہیں پہنچا سکتے۔

ان آیتوں سے تین باتوں کا علم ہوتا ہے۔ (۱) سحر کوئی چیز ضرور ہے (۲) سحر سے ضرر پہنچ سکتا ہے (۳) سحر اللہ تعالیٰ کی مشیت پر غالب نہیں آسکتا۔ اور بغیر اس کے حکم کے کچھ نہیں کر سکتا۔

اب ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ سحر سے کس قسم کا ضرر پہنچنے کا امکان ہو سکتا ہے۔ ضرر معمولی نقصان کو کہا جاتا ہے۔ اور نقصان ضائع شے کے لئے آتا ہے۔ جیسا کہ ونقص من الاموالِ والانفس والثمرات سے ثابت ہو رہا ہے۔ ہمارے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے جادوگروں کا قصہ ہے۔ ان جادوگروں نے جن کو فرعون نے اپنے سارے ملک سے جمع کیا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کوئی ایسا جادو نہیں کیا جس سے حضرت کی صحت پر اثر پڑتا یا جان جاتی۔ حالانکہ مملکت فرعون کے چوٹی کے جادوگر جمع تھے اور بڑے فخر زعم اور یقین کے ساتھ فرعون سے کہا تھا کہ اگر ہم غالب آئے تو ہم کو کیا انعام ملے گا۔ ان لنا لاجراً ان کنا نحن الغالبین۔ اس کے بعد مقابلہ شروع ہوا اور فرعون کے جادوگروں نے بڑے زور سے دعویٰ کیا کہ بعزۃ فرعون انا لنحن الغالبون۔ فرعون کے اقبال سے ہم ہی غالب رہے۔

اللہ تعالیٰ اس زبردست جادو (سحر عظیم) کی حقیقت یہ فرماتا ہے کہ سحروا اعین الناس۔ لوگوں کی آنکھوں کو مسحور کر دیا (کہ ان کو وہ لکڑیاں اور رسیاں دوڑتے ہوئے سانپ دکھائی دینے لگے) اس سے زیادہ اور کچھ نہ کر سکے اس سے ضرر صرف یہ ہوا کہ واسترھبوھم لوگوں کو دہشت میں ڈال دیا۔ اب اس دہشت سے کوئی مر جائے یا بیمار پڑ جائے تو اس کی اپنی طبیعت کی کمزوری اور ضعیف الاعتقادی ہے نہ کہ جادو کا اثر۔ فرعون نے بڑے بڑے جادوگر ملک سے جمع کئے مگر کوئی ایسا جادو جاننے والا نہ نکلا۔ جو حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی صحت پر اثر ڈال سکتا یا فرعون پر ہلاکت خیز جادوگر کے اپنی جان بچا سکتا۔

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ (انی لاظنک یا موسیٰ مسحوراً) اے موسیٰ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ تم جادو کے اثر میں آئے ہوئے ہو۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی لوگ جادو کا اثر یہی سمجھتے تھے کہ جادو سے دماغ پر اثر پڑتا ہے جس سے سہو یا نسیان یا منتشر خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سحر کیا گیا تھا اس سے بھی آپ کو نسیان ہی ہو گیا تھا۔ اس سے زیادہ کچھ نہ تھا۔

سورۂ فلق میں ومن شر النفّٰثٰت فی العقد (گرہوں پر پھونکنے والیوں کے شر سے) یہ اور پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ایسی عورتیں تھیں جو ساحرہ تھیں مگر کسی آیت قرآنی یا حدیث النبی صلعم یا اثر صحابی رض یا تابعی [illegible] سے یہ

نہیں چلتا کہ سحر سے کسی کی جان کے لالے پڑ گئے ہوں یا کوئی بیمار
پڑ گیا ہو۔ ہاں کفار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن وجوہ
سے ساحر کہا کرتے تھے۔ ان پر نظر ڈالنے سے یہی معلوم ہوتا ہے
کہ پہلی وجہ حضور کی تبلیغ کا دلوں پر اثر ہا تھی۔ اور دوسری وجہ معجزات
حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ بعض بیان (گفتگو یا تقریر) سحر ہوتے
ہیں (ان من البیان لسحرا) یعنی دل پر اثر کر کے ذہنیت بدل دینے
والے مبہوت اور لاجواب کر دینے والے عقل و تمیز کو کھو دینے
والے بس سحر کا اثر قرآن مجید اور احادیث شریف کی رو سے اتنا
ہی معلوم ہوتا ہے جتنا مذکور ہوا۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی اور
حکم کے تابع ہے۔ اگر اللہ جل وعلیٰ کی مرضی یا حکم نہیں ہے تو بے
اثر ہے۔ قرآن کریم میں موجود ہے کہ جب کسی چیز کا وقت آپہنچتا
ہے۔ تو نہ ایک لحظہ بڑھتا ہے اور نہ گھٹتا ہے۔ (اذا جاء اجلهم
لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون)

میرے گھر میں کسی صاحب نے سیہہ کا کانٹا ڈلوایا۔ مگر
بفضلہ تعالیٰ کچھ نہ ہوا۔ اور مجھ کو مل گیا۔ میں نے اس کو باہر پھینک دیا
میرے دوست نے یہ وار خالی دیکھا۔ تو چند دنوں کے بعد ایک
کالی مرغی ذبح کی ہوئی میرے گھر کی ڈیوڑھی کے بیچ میں ڈلوا دی
میں نے اس کو بھنگن کے حوالہ کیا کہ ہنڈیا پکا۔ وہ لے گئی اور کھا
گئی۔ الحمد للہ ہمارا کچھ نہ بگڑا۔ کرنے والے کے دس پانچ روپے
ضرور بگڑ گئے۔ میں تو یہی کہوں گا کہ اللہ کے یہاں وہ تکلیف میرے
لئے مقدر نہ تھی جس کے لئے یہ دونوں باتیں کی گئیں۔ اگر کوئی
تکلیف اس وقت کے لئے مقدر ہوتی تو ضرور نام سیہہ کے کانٹے
یا مرغی کا ہو جاتا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک مسجد میں تین
آدمی نماز ظہر ادا کر رہے تھے کہ بجلی گری۔ ادھر ادھر جو دو کھڑے نماز
پڑھ رہے تھے مر گئے۔ اور بیچ میں جو صاحب تھے صحیح و سلامت
رہے۔ عقل اس کو تسلیم کرنے میں ہچکچاتی ہے لیکن ایک مسلم کی
زبان سے نکلتا ہے کہ "ان اللہ علیٰ کل شئی قدیر" (= اللہ ہر چیز
پر قدرت رکھتا ہے)۔ وہی یحیی (زندگی عطا کرنے والا) ہے
اور وہی یمیت (مارنے والا) ہے۔ یہ قدرت سوائے اللہ تعالیٰ
کے کسی کو حاصل نہیں۔ حکیم و ڈاکٹر جس کو قطعی جواب دیدیں اس
کو تندرست ہوتے دیکھا۔ اور جس کو کوئی بیماری نہ ہو اس کو مرتے
سنا۔ "سبحان اللہ عالیشی کون"

اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبیعت میں متاثر ہونے کا مادہ رکھا ہے
اگر دس بارہ آدمی کسی تندرست ہٹے کٹے آدمی کو یکے بعد دیگرے کہیں کہ
بھائی کیا بات ہے آج چہرہ اترا ہوا ہے کچھ بیمار معلوم ہوتے ہو تو اس
کا دل کمزور ہو جائیگا اور وہ یقیناً بیمار ہونے لگے گا جن کا اعتقاد جادو کی
ہلاکت آفرینی پر ہے ان کے لئے وہ بلکہ اس کا شبہ اور احتمال بھی مہلک
ثابت ہو سکتا ہے بشرطیکہ وقت آپہنچا ہو ورنہ برسوں کی تکلیف کا
وقت سمجھ لو کہ آگیا۔ اللہ تعالیٰ کو قہار اور قادر مطلق دل سے ماننا اور پورا
یقین کرنا کہ اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا۔ دل کو قوی اور
ضعیف الاعتقادی کو دور کرتا ہے۔

تعزیرات ہند یا ضابطہ دیوانی کو شروع سے آخر تک دیکھ جایئے۔
جادو سحر کے متعلق ایک دفعہ بھی نہ ملے گی۔ اس کو جرم قرار دینا تو درکنار
اس کا نام بھی نہ ملے گا۔ تلوار سے مارنا۔ بندوق سے مارنا۔ چھری یا لٹھ
سے یا زہر سے مارنا وغیرہ سب جرم مگر جادو سے مارنے کا پتہ قانون
حکومت میں بھی نہیں ملتا۔ نہ ہندو راج کے زمانہ میں نہ مسلمانوں کی
سلطنت میں اور نہ آج کل۔ خیر قصہ مختصر یہ کہ ہمارے ایمان میں
داخل ہے کہ اللہ کی مرضی کے خلاف نہ کچھ ہو سکتا ہے اور نہ کوئی کچھ
کر سکتا ہے۔ اس کے حکم کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ جن باتوں میں اللہ تعالیٰ
نے اپنے بندوں کو اس دنیا میں اختیار دیا ہے ان میں زندگی میں جو
چاہے کرلیں مگر زندگی اور موت تو ایسی ہیں کہ غیر اللہ کی قدرت اور اختیار
سے بالکل باہر۔ مرنے والے کو حکیم، ڈاکٹر، پیر فقیر، عالم، دولتمند، بادشاہ
جادوگر غرض کوئی بھی بچا نہیں سکتا۔ اسی طرح جس کی زندگی باقی ہو
اس کو کوئی مار نہیں سکتا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہی قبضہ اور اختیار
میں رکھا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث شریف سے جو کچھ میں سمجھا ہوں
وہی پیش کر دیا ہے۔ جس کا جی چاہے اپنا عقیدہ اسکے موافق رکھے۔
اور قائم کرے اور جس کا جی چاہے نہ کرے۔ وما علینا الا البلاغ المبین

محمد عبد الغفار الخیری

صبح خیزی

صبح خیزی تیری کیا تعریف ہو
ہے سراسر وصف کیا توصیف ہو

رات کا سونا اگر مرغوب ہے
صبح کا سونا بہت معیوب ہے

لوگ ناحق دن چڑھے تک سوتے ہیں
وقت اپنا مفت میں وہ کھوتے ہیں

میں بھی پہلے، دن چڑھے سویا کیا
کاہلی میں وقت سب کھویا کیا

جب فوائد پر پڑی میری نظر
اور سمجھا راستہ کو پرخطر

صبح کا اٹھنا کیا پھر اختیار
نیند کا کچھ دن رہا مجھ پر خمار

پر جو عادت پڑ گئی اس کام کی
چاٹ مجھ کو لگ گئی اس جام کی

لطف سا آنے لگا اس ذوق میں
نو بہار آئی جہانِ شوق میں

غور کرتا ہوں کہ اتنے دن بھلا
دن کا بہتر حصہ کیوں ضائع کیا

کیسی پیاری صبح کی ٹھنڈی ہوا
روح بخش و مشک بیز و لطف زا

خود بخود پیدا ہو دل میں حوصلا
طاعتِ حق صدق دل سے ہو ادا

جسم میں ہو تازگی، دل میں خوشی
پھولتی پھلتی ہے جس سے زندگی

دل کی فرحت دم بدم بڑھتی رہے
رفتہ رفتہ کاہلی گھٹتی رہے

صبح کا وہ منظرِ انوار خیز
وہ ہوائے پُر بہار و عطر بیز

کھل پڑا کرتی ہیں کلیاں شوق سے
پھول بھی ہنستے ہیں کس کس ذوق سے

چڑیاں سب نغمے سناتی پھرتی ہیں
لحنِ داؤدی سے گاتی پھرتی ہیں

ہے دماغ اور قلب کی فرحت کا وقت
ہے نزولِ رحمتِ فطرت کا وقت

تھوڑے عرصے میں بہت ہوتا ہے کام
دیر کو اٹھو رہے گا ناتمام

کھول کر تاریخ دیکھو تم ذرا
جن کا رتبہ تھا زمانے میں بڑا

جن کی تصنیفات سے ہو فیض یاب
ذرہ ہستی کا ہر اک جوں آفتاب

تھے دماغ اُن کے تعجب کا مقام
تندرستی بھی رہی اُن کی مدام

چاہیئے ان کا تتبع ہم کریں
نیند اپنی کچھ نہ کچھ ہم کم کریں

جاگتے تم گر رہے تا دیرِ شب
پھر سویرے آنکھ کھل سکتی ہے کب

جلد سوؤ جلد اٹھو اے سلیم
بہرِ صحت مستعد ہو اے سلیم

سلیم فہمی

بیوی کے آنسو

شوہر کے آنسو کے بعد دوسرا رُخ

تمہیں ہو گیا آج کیا؟ کچھ تو بولو
ہوئی کیا مجھ سے کوئی خطا؟ کچھ تو بولو
یہ کس جرم کی ہے سزا؟ کچھ تو بولو
وفا ہی وفا تھے، جفا ہو گئے کیوں
مرے پیارے مجھ سے خفا ہو گئے کیوں

شکایت ہے لب پر نہ شکوہ کسی کا
نہیں میرے دل میں گزر نا خوشی کا
سبب کچھ تو معلوم ہو بے رُخی کا
مرا جرم مجھ کو بتاؤ تو صاحب
مری سمت نظریں اٹھاؤ تو صاحب

کبھی تم نے یہ عہد مجھ سے کئے تھے
کہ تم عمر بھر ساتھ دیتے رہوگے
مگر بولتے بھی نہیں آج مجھ سے
بتاؤ مجھے، کیا مروت یہی ہے؟
مروت یہی ہے، محبت یہی ہے؟

الٰہی یہ کایا پلٹ ہو گئی کیوں؟
ہر اک سمت چھائی ہے یہ تیرگی کیوں؟
نہیں میری آنکھوں میں اب روشنی کیوں؟
مجھے ہو گیا کس لئے بار جینا؟
کہ محسوس ہوتا ہے بیکار جینا؟

امیدوں کی بالیدگی کو ہوا کیا؟
بتاؤ کہ آخر خوشی کو ہوا کیا؟
میں حیران ہوں زندگی کو ہوا کیا؟
جو انداز ہوں گے یہی بے رُخی کے
تو پھر کیا کروں گی بتاؤ میں جی کے

بجھاؤ ذرا آگ قلب و جگر کی
ہٹاؤ یہ تاریکیاں اب نظر کی
مری سمت دیکھو قسم میرے سر کی
بس اب مان جاؤ خفا ہو چکے تم
اب اٹھو اب اٹھو بہت سو چکے تم

نازش، پرتاب گڑھی

نئی دولھن

دوسرے صوبوں کے متعلق تو مجھے معلوم نہیں مگر ہمارے صوبہ متحدہ میں عام طور پر نئی دولھن کو شادی سے پہلے اور شادی کے بعد بعض سخت مضر صحت دقیانوسی رسموں کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ میں چند رسوم کی تشریح کرتی ہوں۔ اس امید پر کہ ہماری محترم بہنیں ٹھنڈے دل سے غور کریں گی کہ ان رسوم میں کس حد تک ترمیم ہونے کی ضرورت ہے۔ اور کون کون سی بیہودہ رسمیں یک لخت ترک کر دینی مناسب ہیں۔

کن چھیدن و نک چھیدن پیدائش کے تھوڑے دنوں بعد ناک میں موٹی سوئی سے سوراخ کے اس میں نیلا ڈورا ڈال دیا جاتا ہے اور نتھنوں کے درمیانی حصہ کو بھی چھید کر اس میں نیلا ڈورا ڈال دیا جاتا ہے۔ اور زخموں کے خشک ہو جانے پر ان سوراخوں میں نتھنی اور بلاق ڈال دیئے جاتے ہیں۔ مگر لڑکی کی بڑی عمر ہو جانے پر کنچھیدن کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ یعنی کانوں کے اوپر نیچے کے حصوں میں سوراخ کر کے ان میں کوارپن کے زمانہ تک چاندی کی مُریاں ڈال دی جاتی ہیں۔

پردہ۔ جب لڑکی سن شعور کو پہنچ جاتی ہے۔ اس کو غیر مردوں اور عزیزوں سے جن کے ساتھ نکاح شرعاً جائز ہے۔ پردہ کرایا جاتا ہے۔ اور اس کی آمد و رفت بھی گھر سے باہر بند کر دی جاتی ہے اور بالاخانہ پر چڑھنے سے روکا جاتا ہے۔ اور اس کو مکان کی چہار دیواری کے اندر ایک طرح سے مقید کر دیا جاتا ہے۔ وہ برادری کی کسی تقریب اور جلسہ میں شریک نہیں ہو سکتی۔

لباس۔ لڑکی اپنی پسند سے کپڑے استعمال نہیں کر سکتی اسے معمولی موٹی چھینٹ کا پاجامہ و موٹے کپڑے کے کرتے اور سنگین ململ کے دوپٹے استعمال کرائے جاتے ہیں۔ اور سر کے بالوں کا جوڑا گندھوا تیل ڈال کر بندھوایا جاتا ہے پھلیل ڈالنے اور مانگ نکالنے کی سخت ممانعت رہتی ہے۔ اور اس کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ بدن کا کوئی حصہ کھلا نہ رہنے پائے اور کسی نامحرم کی نگاہ اس پر نہ پڑنے پاوے۔

تعلیم۔ صرف قرآن شریف اور مذہبی کتابوں کی تعلیم بڑی عمر والی ملانیوں سے دلوائی جاتی ہے۔ اور تحریر و تقریر سے دور رکھا جاتا ہے۔

بلوغیت کا زمانہ۔ جب کواری لڑکی بالغ عمر کی ہو جاتی ہے۔ تو اس کی شادی کی فکر والدین کو دامنگیر ہو جاتی ہے اور پیاموں کی آمد شروع ہو جاتی ہے۔ مگر بر کے پسند کرنے میں لڑکی کو کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ دولھا اور دلھن کا اکثر بے میل جوڑ ہوتا ہے یعنی دلہن بہت کم عمر ہے اور دولھا اس سے تگنی اور چہارگنی عمر کا ہوتا ہے۔ یا دولھن خوبصورت ہے۔ اور تعلیم یافتہ ہے۔ مگر دولھا صاحب بدتمیز۔ بے پڑھے و بدصورت۔ لڑکی کو پردیس و دور دراز فاصلوں پر بیاہ دیا جاتا ہے۔ اس کو اپنے میکے میں جلد جلد آنے کا موقع نہیں ملتا۔ اور وہ اپنے بھائی بہنوں اور خاص رشتہ داروں کو دیکھنے کو ترپتی رہتی ہے۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ لڑکی کے پختہ مذہبی اعتقادات کو پس پشت ڈال کر ایک غیر عقیدہ والے لڑکے سے رشتہ کر دیا جاتا ہے۔ اور بوجہ اختلافات مذہبی آپس میں سخت کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ زمانۂ موجودہ میں نہ تو ذات پات کا لحاظ کیا جاتا ہے نہ بے جوڑ عمروں پر غور کیا جاتا ہے۔ اور نہ دیسی پردیسی کا خیال رکھا جاتا ہے۔ محض دولھا میاں کی ثروت دیکھی جاتی ہے اور صرف یہی خیال والدین کے دلوں میں جاگزیں ہوتا ہے کہ ہماری لڑکی کی آئندہ زندگی فارغ البالی میں بسر ہو۔ خواہ کیسے ہی خراب نتائج سے لڑکی کو مقابلہ کرنا پڑے۔

مائیوں بٹھانا۔ لڑکی کی شادی کی تاریخ طے ہو جانے کے بعد، ایک کوٹھری میں لڑکی کو رکھا جاتا ہے۔ اور یہ مدت بعض بعض حالتوں میں کئی ہفتوں تک رہتی ہے۔ روزانہ ابٹن ملا جاتا ہے۔ اور نئے کپڑے بھی تبدیل نہیں کئے جاتے ہیں اور اس کے پاس سوائے اس کی سہیلیوں کے کوئی نہیں جانے پاتا۔ اور حوائج ضروری کے لئے صرف رات کو کوٹھری سے باہر نکالا جاتا ہے۔

برات کا آنا۔ تاریخ مقررہ پر دولھا معہ برات کے جلوس کے دلہن کے گھر پر وارد ہوتا ہے۔ اور اس وقت یہ رسمیں عمل میں آتی ہیں۔

نکاح خوانی۔ لڑکی والوں کی طرف سے دو گواہ اور ایک وکیل مقرر کر دیئے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے ہاتھوں میں لڑکی کی ازدواجی زندگی کا فیصلہ سپرد کر دیا جاتا ہے۔ شرعی حکم یہ ہے کہ لڑکی بلند آواز سے اپنے نکاح کی رضامندی دے۔ مگر چونکہ کنواری لڑکیاں پرانی رسوم کی جکڑبندیوں سے اس قدر مجبور ہیں کہ کوئی کلمہ رضامندی یا نارضامندی کا اپنی زبان سے نہیں نکال سکتیں۔ اس لئے جب وکیل و گواہ مکان کے اندر لڑکی سے اجازت لینے کو آتے ہیں تو محض اس کے خاموش رہنے میں اس کی رضامندی تصور کر لیتے ہیں۔ اور نکاح خوانی کے وقت قاضی کے سوال کرنے پر یہ لوگ بہت جرأت کے ساتھ کہہ دیتے ہیں۔ کہ لڑکی رضامند ہے۔ اور اس کے بعد نکاح ہو جاتا ہے۔

نکاح کے بعد کی رسوم۔ دلہن کو شاہانہ پہنا کر ایک پلنگ پر سمدھنوں کے سامنے بٹھایا جاتا ہے۔ اور زیورات سے اس کو لاد دیا جاتا ہے۔ اور دولھا میاں ایک پیڑھی یا کرسی پر دولھن کے پلنگ کے پاس بٹھائے جاتے ہیں۔ اور اس وقت دولھا صاحب دولھن کا منہ دیکھتے ہیں۔ اور ایک طلائی انگوٹھی ہاتھ کی انگلی میں پہنا دیتے ہیں۔ اس رسم کے ادا ہو جانے پر دولھا کے چہرے کی افسردگی یا مسکراہٹ سے پاس کی عورتیں پتہ چلا لیتی ہیں کہ دولھا کو اپنی دولھن پسند آئی ہے یا نہیں۔ اس فرض کے ادا ہو جانے پر سب سے زیادہ قابل اعتراض رواج دولھا کا اپنی دولھن کو پالکی میں خود لے جا کر بٹھانے کا ہے۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ دولھا میاں نحیف الجثہ ہوتے ہیں۔ اور دولھن صاحبہ بھاری جسم کی ہوتی ہیں۔ یہ غیر مناسبت دولھا اور دولھن کے لئے بہت تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے۔ جب ایسا دولھا اپنی دولھن کو اٹھانے کی کوشش کرتا ہے تو یہ کام اس کے قابو سے باہر ہوتا ہے۔ اور اگر بہزار وقت وہ دلہن کو اٹھا بھی لے تو پالکی تک لے جانے میں اس کو بہت مصیبت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مجبوراً دوسری قریبی رشتہ دار عورتیں دولھن کو پالکی تک لے جانے میں اپنا سہارا دیتی ہیں۔ اور بھری محفل میں اس پر خوب قہقہے اڑتے ہیں۔

جب دولھن رخصت ہو کر سسرال میں آتی ہے۔ تو اس کو عجیب عجیب مضحکہ خیز رسوم کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ اول تو بھاری زیورات سے اس کے اعضاء جکڑ دیتے جاتے ہیں۔ ناک میں ایک بڑی سی طلائی نتھ پہنائی جاتی ہے۔ اور ماتھے کو سراسری سے ڈھک دیا جاتا ہے۔ اور اسی پر بس نہیں کیا جاتا۔ بلکہ بیچاری کو مہینوں سسرال میں انگلی پکڑ کر اور گھسٹ کر چلنا پڑتا ہے۔ اور ہفتوں دو ایک لقمہ سے زیادہ شرم کی وجہ سے نہیں کھا سکتی۔ اور دوسروں کے سامنے اپنی گردن جھکائے اور چہرے پر گھونگھٹ ڈالے ہوئے گھنٹوں بیٹھی رہتی ہے۔ سراسری اور نتھ کے بارے اس کی جان مصیبت میں پڑ جاتی ہے۔ اور کسی سے آزادی کے ساتھ بول نہیں سکتی اور سسرال والوں کی طرف سے جب منہ دکھائی کی رسم ادا ہوتی ہے۔ تو بار بار گھونگھٹ سے اس کا چہرہ زبردستی کھلوایا جاتا ہے۔ اور یہ ایک نووارد اور اجنبی دولھن کے لئے سخت پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔

شمیم جہاں آرا (بدایوں)

موسمِ سرما کے لئے سندھی تحفے

حلوائے گاجر۔ ایک سیر گاجر کدوکش کریں۔ پھر تھوڑا سا پانی ڈال کر پکائیں۔ جب گاجر تھوڑی سی گل جائے۔ تب ڈیڑھ سیر دودھ خالص۔ گائے کا اس میں ڈالیں جب گاجریں بالکل حل ہوجائیں اور پانی بالکل نہ رہے۔ تب پاؤ بھر گھی کو دوسری دیگچی یا کڑاہی میں خوب گرم کریں اور پھر وہ تیار شدہ دودھ کی گاجریں گھی میں ڈال کر خوب بھونیں۔ اس کے بعد صاف شدہ الائچی۔ بادام۔ پستہ وگری۔ باریک کتر کر اس میں شامل کیجئے۔ ۵ منٹ بعد اتار لیجئے۔ اور برنیوں یا مرتبان میں رکھ دیجئے۔ بوقتِ ضرورت تھوڑا سا استعمال کیجئے۔

گلاب جامنیں۔ ایک سیر کھویا لیجئے اور اس میں پاؤ بھر میدہ یا سنگھاڑے کا آٹا ملا کر یک جان کیجئے۔ بعد ازاں پستہ باریک کتر کر شامل کیجئے۔ اور لمبوتری یا گول گلاب جامنیں بنا کر گھی میں تل لیں۔ جب بالکل سرخ ہوجائیں تب نکال لیں۔ اور تین تار کی چاشنی میں ڈبو دیں لیجئے گلاب جامن تیار ہے۔ نوش فرمائیے۔

نشاستے کے لڈو۔ نشاستہ اور سوجی ہر ایک ڈیڑھ سیر۔ گھی تین سیر۔ گوند کیکر۔ گوند ببری ایک ایک پاؤ۔ مغز بادام ایک پاؤ۔ چار مغز ایک پاؤ۔ گری ایک چھٹانک۔ الائچی خورد ایک چھٹانک۔ کشمش آدھ پاؤ۔ پستہ دو چھٹانک۔ کھانڈ چار سیر۔ کھویا ایک سیر۔

ترکیب:۔ سب سے پہلے گھی کو گرم کیجئے اور پھر گوند کیکر ڈال دیں۔ جب پھول جائے۔ تب نکال لیجئے اور اب گوند ببری ڈال دیجئے۔ یہ ڈالتے ہی پھول جاتا ہے۔ فوراً نکال لیجئے۔ اس کے بعد سوائے میوے کے مندرجہ بالا سب چیزیں کوٹ کر دیکھ لیجئے۔ اب نشاستہ اور سوجی بھونیں۔ اور کھانڈ کی بہت گاڑھی چاشنی تیار کرکے اس میں سوجی۔ نشاستہ اور میوے اور دیگر کوٹی ہوئی سب چیزیں ملا لیں۔ جب اچھی طرح مل جائیں تب لڈو بنا کر رکھ دیجئے۔ سردیوں میں استعمال کے لئے یہ لڈو بہت لذیذ و طاقت ور ہوتے ہیں۔ خاص کر کمر کے لئے نہایت ہی فائدہ مند ہیں۔

مندرجہ بالا دو چیزوں میں کھویا بازار سے دستیاب نہ ہوسکے تو کھویا تو کھویا بھی گھر میں بنا لیجئے۔ ترکیب یہ ہے بقدرِ ضرورت بھینس کا دودھ لے کر اسے کڑاہی میں ڈال لیجئے۔ اور چمچے سے ملاتے جائیے۔ جب بہت ہی گاڑھا ہوجائے اور سوکھنے پہ آجائے۔ تب اسے نیچے اتار لیجئے اور رنگ برنگ کی چیزیں تیار کیجئے۔

اصغری بی بی مس سید الطاف حسین شاہ حیدرآباد سندھ

دوشالہ کے متعلق رسالہ تہنیان لکھتا ہے:۔ محترمہ آمنہ نازلی کے ۱۳ ڈراموں کا مجموعہ جو عصمت بکڈپو دلی سے چھپا قیمت ؏

محترمہ آمنہ نازلی عورتوں میں مشہور لکھنے والی ہیں اور اپنے مخصوص اندازِ بیان کے باعث منفرد بھی۔ ان کے مختصر ڈراموں کا مجموعہ ہے جن میں دوشالہ، دوسرا خیال دولہن۔ دو رخ اور داستانی جی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ عورتوں میں اول تو لکھنے والیاں ویسے ہی انگلیوں پہ گنی جاتی ہیں اور پھر تہذیب زندگی بخش، اور عام سطح سے ابھر کر تخلیق کرنیوالی بہنوں کی تو بہت ہی کمی ہے اگر سختی سے احتساب کیا جائے تو شاید وہ ایک ہی کسوٹی پر پوری اتریں نقالی کی ایک وبا ہے جو اس سرے سے اُس سرے تک چلی گئی ہے اور بس کوئی نئی بات کہنی تو مرد لکھنے والوں میں بھی کسی کسی کی تحریر میں ہوگی ورنہ ایک روش ہے جس میں سب گرتے پڑتے بہے جا رہے ہیں۔ محترمہ آمنہ نازلی ان مخصوص لکھنے والیوں میں سے ہیں جو کوئی نہ کوئی جدت اپنی تحریریں لئے ہوئے ہے اور وہ زمانہ جو عنقریب آنیوالا ہے جب صرف زندہ رہنے والی چیزیں زندہ رہیں گی اور سب اپنی موت مر جائینگی ہر زمانہ کا ادب اپنے ماحول کے پہلوں پر اثر کرتا ہے اور یہی زیادہ سے زیادہ محترمہ آمنہ نازلی کی تحریر میں نمایاں ہے۔"

خانہ داری

(جس میں سنگھار اور آرائش بھی شامل ہے)

اخروٹ کے فوائد۔ اخروٹ کا درخت کوہ ہمالیہ کے دامنوں
چین۔ کابل اور ایران میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ شمالی ہند میں بھی
بعض جگہ یہ دیکھا گیا ہے۔ جہاں اس کا قد ۵۰ فٹ تک جا پہنچتا ہے
لگائے جانے کے کئی سال بعد درخت میں پھل آتا ہے جو بیر سے
مشابہ معلوم ہوتا ہے۔ جب وہ کچے ہونے کی وجہ سے سخت ہوتے
ہیں۔ ان کا اچار ڈالا جاتا ہے۔ اس کا تیل بھی نکالا جاتا ہے۔
مگر گھٹیا پڑتا ہے۔ یہ سرسوں اور زیتون کے تیلوں کی طرح کھانے
پکانے میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اس کا چھلکا سخت ہوتا ہے۔ اندر روغن دار مغز ہوتا ہے
جو کھانے میں مزے دار ہوتا ہے۔ اس کے پتے پانچ سے سات
فٹ تک لمبے اور نوکدار بیضوی ہوتے ہیں۔ جب مینگ خشک
ہو جاتی ہے۔ اس وقت تیل نکالا جاتا ہے۔ چھلکا جلا کے منجن کے
طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ دانتوں کی رادھ اور پیپ (پائیریا)
اور مسوڑھوں کی خرابی میں بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ دانتوں کو
درست کر کے مضبوط کر دیتا ہے۔ اس کی مینگ اعصاب کو مضبوط
کرتی۔ اور جسم کو طاقت بخشتی ہے۔ دل کو طاقت دیتی ہے۔ بچوں
کے قبض میں مفید ہے۔ اس کا تیل قبض کشا ہے۔ کچے اخروٹ کا چھلکا
ابال کے پینے سے جسم کی صفائی ہوتی ہے۔ بواسیر میں مفید ہے روئی
کا پھاہا یا تیل سے تر کر کے بواسیر کے بیرونی مسّوں پر رکھ دیا جائے۔
تسکین معلوم ہوتی ہے۔ اخروٹ کا مغز یا تیل خالص شہد میں ملا کے
کھانے سے بہت طاقت آتی ہے۔

درست ہنسی۔ کیا آپ کو ہنسنا آتا ہے۔ آپ کو اس سوال پر ہی
ہنسی آ جائے گی۔ اور فوراً آپ جواب دیں گی۔ کیوں نہیں۔ ہر شخص
ہنسنا جانتا ہے۔ لیکن سوال ہے تو یہی کہ کیا واقعی انہیں ہنسنا آتا
ہے؟ ہنسی، ہاں اصلی ہنسی اس حرکت کا نام نہیں ہے جس سے
چہرہ پر بل پڑ جائیں۔ جو ہر شخص وقت بے وقت چہرہ پر ڈال سکتا ہے
اصلی بل اسی وقت چہرہ پر نمودار ہوتے ہیں جب ہنسی دل سے آئے
اور سرسری اور بیرونی نہ ہو۔ یوں تو اکثر دیکھا جاتا ہے کہ باتوں باتوں
میں آدمی نے ہنسی کی آواز زور سے منہ سے نکالی۔ چلئے ہنسی ہو گئی
اصلی ہنسی کے آثار کچھ اور ہی ہوتے ہیں۔ اس سے دل کلی کی طرح
کھل جاتا ہے۔ جی باغ باغ ہو جاتا ہے۔ مخاطب پر بھی اس کا اثر پڑتا
ہے۔ اور اس کا دل بھی شگفتہ ہو جاتا ہے۔ سرسری ہنسی میں سچی
ہنسی کی سی گرمجوشی نہیں ہوتی۔ دوسرے کو فوراً معلوم ہو جاتا ہے
کہ یہ ہنسی فضول ہنسی ہے۔

ہنسنا ایک فن ہے۔ لیکن چند ہی آدمی اس کی طرف توجہ کرتے ہیں
مغرب میں تو درست ہنسنے کا طریقہ ایک پیشہ ور فرض بن گیا ہے۔ جیسے
دوکانوں اور دفتروں میں کام کرنے والی لڑکیوں کو جاننا نہایت ضروری
ہے۔ یورپ میں بعض بڑی بڑی دوکانوں کے ساتھ ان دوکانوں میں کام
کرنے والی لڑکیوں کو صحیح ہنسی سکھانے کے مدرسے جاری ہیں۔
کیونکہ ان کے خیال کے مطابق آب و تاب سے پُر مسرت ایماندار
ہنسی گاہک کو دوکان کی طرف کھینچتی ہے۔ برعکس ازیں زبردستی کی
پھیکی ہنسی اسے بھگا دیتی ہے۔

اس لئے اے خانہ داری کے ناظر! زندگی کے ہر شعبہ میں اصلی
ہنسی بمنزلہ ایک برکت ہے۔ اور جو ہنسی دل پر قبضہ کر لیتی ہے صرف
وہی ہے۔ جو سیدھی دل سے نکلتی ہے!

والدین کی ذمہ داری۔ آج کل والدین بچوں کی نگرانی سے
مستغنی ہوتے نظر آتے ہیں۔ ان کا مقولہ ہے کہ دوسروں کی نگرانی اُن
کی دیکھ بھال سے زیادہ بہتر ہے۔ امیروں میں بچے دایہ وغیرہ کے سپرد
کر دیئے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ والدین کا فرض ہے کہ وہ اپنے
بچوں کی خوب دیکھ بھال رکھیں۔ اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ تعداد اموات

کے روکنے میں والدین کے مقابلہ میں اوروں کی نگرانی ضرور کارگر ثابت ہوئی ہے۔ برطانیہ اور ہندوستان میں پانچ سال سے کم عمر کے پانچ بچے روزانہ حادثات سے مرجاتے ہیں۔ دوسرے ملکوں کا بھی یہی حال پایا گیا بچوں کی زندگی میں سے سات سال تک کی درمیانی عمر کے بچوں میں حادثات سے زیادہ اموات ہوئی ہیں۔

آٹھ اور پندرہ سال کا درمیانہ زمانہ عمر مدرسہ سے تعلق رکھتا ہے اس حصۂ زندگی میں حادثات سے اموات کم پائی گئیں۔ بالخصوص دس اور گیارہ سال کی عمر کے بچے کم مارے گئے۔ اس کامیابی کا سہرا استادوں اور مدرسوں کے سر بندھتا ہے۔ جو حتی الامکان بہتر طریقوں سے بچوں کو تعلیم دینے کے ساتھ ان کی احتیاط کرتے ہیں۔

پندرہ اور پچیس سال کے درمیان کی عمر کے زمانہ میں مہلک حادثات کی تعداد اچانک بڑھی ہوئی پائی گئی ہے۔ یہ زمانہ مدرسہ سے نکل جانے کا ہے۔ ان میں بائیسکل اور موٹر سائیکل کے حادثوں کی تعداد زیادہ ہے۔ پیدل چلنے والوں کے لئے تین اور سات سال کے درمیان عمر کا زمانہ زیادہ مخدوش ہے۔ اور سائیکل کے لئے چودہ اور اٹھارہ کی درمیانی عمر کا زمانہ اور موٹر سائیکل کے بارہ میں ۲۱ اور ۲۵ سال کی درمیانی عمر کا زمانہ۔ ان اعداد سے یہ نتیجہ نکلا کہ جن بچوں کو احتیاط سے پیدل چلنے کی تربیت دی گئی۔ ان میں حادثات بہت کم ہوئے۔ نہ صرف بچوں کو درست طور سے سائیکل چلانے کی تعلیم نہیں دی جاتی۔ بلکہ نوجوانوں کو بھی موٹر وغیرہ ٹھیک طرح چلانا نہیں بتایا جاتا۔ اس کی ذمہ داری والدین کے سر ہے۔

سڑکوں کے مقابلے میں گھروں میں حادثات آدھے ہوتے ہیں اسی فیصدی سے زیادہ اموات گرم پانی سے جل جانے کی وجہ سے زیادہ تر ان بچوں میں واقع ہوئی جن کی عمر پانچ سال سے کم تھی۔ اسی عمر کے بچوں میں اور طرح جل مرنے کی تعداد ۵۲ فیصدی ہے۔ بچوں میں چالیس فیصدی کے قریب اموات ڈوب جانے سے ہوئیں ان میں ایک تہائی ۵ سال سے کم عمر کے تھے باقی ۱۰ سال سے کم کے تھے۔

اگر والدین زیادہ احتیاط کریں تو اموات کم واقع ہوں سڑک کے حادثات روکنے کے لئے ذیل کا دستور العمل مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) ۷ سال سے کم عمر کے بچوں کو کسی کام بازار یا مدرسہ یا کھیل کود کے میدان میں تنہا نہ بھیجا جائے۔ ان کے ساتھ کوئی ذمہ دار شخص ضرور ساتھ رکھا جائے۔

(۲) سودا سلف خریدتے وقت بڑے بوڑھے بچوں کو ساتھ ساتھ لئے نہ پھریں۔ ایسا اکثر ہو جاتا ہے کہ ان کی توجہ بٹی اور بچہ ادھر سے ادھر ہو کے خطرہ کی جھپیٹ میں آگیا۔

(۳) بچوں کو سڑک یا گزرگاہ میں ہرگز نہ کھیلنے دیا جائے۔

(۴) مدرسے کے اوقات سے پہلے بچوں کو کسی کام سے نہ بھیجا جائے دیر ہو جانے کی صورت میں بچے اندھا دھند مدرسہ کو بھاگتے ہیں کہ کسی طرح حاضری سے پہلے پہنچ جائیں۔ اسی میں حادثے ہو جایا کرتے ہیں۔

درست رہنے کی ورزشیں۔ کیا آپ کا مزاج درست ہے اور آپ خوش و خرم ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو آئیے مندرجۂ ذیل ورزشیں کیجئے۔ صبح پلنگ سے اٹھنے کے جلد سے جلد بعد اور رات کو سونے سے پہلے انہیں کیا کیجئے۔ (۱) نرم دری یا فرش پر لیٹ جائیں اور ہاتھ پاؤں اور ٹانگیں خوب پھیلالیں۔ بائیں طرف کو مڑیں بیٹھ جائیں گھٹنوں کو چھاتی سے ملائیں اور پاؤں زمین پر رہیں۔ پھر پہلی حالت پر لیٹ جائیں ۴ سے ۶ مرتبہ ایسا کریں۔

(۲) فرش پر گھٹنے ٹیک کر کھڑی ہو جائیں پھیلی ہوئی بانہہ کے فاصلہ پر ایک رومال لٹکا کے پکڑ لیں۔ جہاں تک ممکن ہو آگے جھکیں پھر اوپر کو ہو جائیں پھر پیچھے کو جھکیں اور اپنی اصلی حالت پر آجائیں۔ سر بانہوں کے متوازی رکھیں ۶ سے ۸ مرتبہ ایسا کریں۔ (۳) ایک کتاب اور کرسی لیں۔ کتاب کرسی پر اس طرح رکھیں کہ آدھی کرسی پر رہے۔ کرسی کے سامنے کھڑی ہو کے گھٹنے جھکائیں۔ کتاب اٹھالیں اور فرش پر گر پڑیں اور پھر جھٹک کے سیدھی ہو جائیں۔ اب کی دفعہ اس کے برعکس کریں۔ کتاب کرسی پر رکھ دیں اور بالکل سیدھی کھڑی ہو جائیں۔ اور پہلی ورزش کا الٹا کریں یہ ایک ورزش ہے۔ اور ایک تیز اور صاف حرکت سے انجام دینی چاہئے۔ اس میں جھٹکے نہ دیں۔ کتاب جتنی بھاری ہوگی۔ اتنی ہی ورزش فائدہ پہنچائے گی۔ ۸ سے ۱۰ مرتبہ تک یہ ورزش کریں۔

خانگی ٹوٹکے۔ تازہ پیاز کچی گاجریں یا ایک ایک کتر کے توس کے بیچ میں رکھدیں اور مکھن کے ساتھ کھایا کریں روزانہ کھلاتے رہنے سے

سیر بین

روس کی طاقت۔ ۱۹۳۹ء میں جنگ شروع ہونے سے پہلے روس کی طاقت کا جو اندازہ تھا جرمنی سے اس کے بھڑ جانے کے بعد ان کی بخوبی تصدیق ہوگئی۔ سرخ سپاہ کی بنیاد ۱۹۱۸ء میں زار کی طاقت معدوم ہو جانے کے بعد رکھی گئی۔ اس میں سرخ چوکیدار جماعت اور زار کی فوج کے انقلاب پسند سپاہی شامل ہو گئے۔ جنگی خدمت لازمی کردی گئی۔ مزدوروں کسانوں اور دیگر تمدنی کاروباری جماعتوں پر یہ خدمت عادی تھی۔ ۱۹ سال کی عمر سے فوجی تربیت شروع ہوتی ہے۔ پیدل سپاہ کے لئے دو سال۔ ہوائی بیڑہ کے لئے تین سال، اور بحری فوج کے لئے ۵ سال مدت ہے۔ تمام موزوں اور قابل لوگوں میں سے ایک ثلث فوج کے لئے لیا جاتا ہے۔ باقی تربیت پا کے اپنے کاموں میں لگ جاتے ہیں۔ اور وقت مقررہ پر تربیت کے لئے چند ہفتوں کی حاضری دیتے ہیں۔ یہ فوجی جبری خدمت غیر مقبول نہیں ہے۔ اس کی وجہ موزوں تلقین و تعلیم ہے۔ مختلف گروہ گاؤں میں پھر کے فوائد بتاتے پھرتے ہیں۔ سپہ سالار سپاہیوں کا ادب لحاظ کرتے ہیں۔ ورزش اور فوجی کام کے وقت فوری تعمیل کا سخت حکم ہے۔ اس کے بعد سب کا برابر کا برتاؤ ہے۔ سب کو چھوٹے سے لے کر بڑے تک فوج میں تعلیم دی جاتی ہے۔ فوج کے علیحدہ کلب مدرسے تھیٹر اور کتب خانے ہیں۔ ان میں کتابوں کی تعداد دو کروڑ ہے سپاہیوں کو حساب، جغرافیہ، تاریخ اور اشتراکیت کے اصولوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔ کھانا اور پیشہ وری کا کام بھی سکھایا جاتا ہے۔ فوج سے زراعت و صنعت و حرفت میں مدد لی جاتی ہے۔ سڑکیں، پل، ریل اور پشتے ان کی مدد کے محتاج رہتے ہیں۔ ہر سال پانچ لاکھ فوجی تربیت دو تین سال حاصل کر کے اپنے گھروں کو واپس ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے ذاتی کام شروع کر دیتے ہیں۔ مملکت روس میں ۶ لاکھ شہر، گاؤں وغیرہ ہیں۔ باقاعدہ فوج ۱۳ لاکھ ہے۔ ستر اسی لاکھ اس کے علاوہ اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔ اور وقت ضرورت موجود ہو جاتے ہیں۔ ایک کروڑ ۲۵ لاکھ محفوظ فوج ہے۔ گویا دو کروڑ سے زیادہ فوج روس کے پاس ۱۹۳۹ء میں موجود تھی۔ اور مشین گنیں ۵۰ ہزار، ۴۰ ہزار توپیں اور دس ہزار ٹینک اس کے پاس موجود تھے۔ ۸ سے ۱۰ ہزار تک بہترین ہوائی جہاز بڑی تعداد میں اس وقت اس کے قبضہ میں تھے ۱۹۳۳ء میں ہی سرخ سپاہ فرانسیسی امریکی اور برطانوی ... سے بہ لحاظ سے بڑھ چکی تھی۔ اس کے بعد تو اور بھی زیادہ فوقیت حاصل ہو گئی ہوگی۔ یورپی اور مشرقی سرحدوں پر مستحکم قلعوں کے سلسلہ سے ملک کی حفاظت کی گئی ہے۔ سڑکیں بالکل درست ہیں۔ ۴۷ ریل کی سڑکیں ہیں جن میں سے ۱۳ کی دوہری پٹڑی ہے۔ ۶۵ ریلیں جاری ہیں۔ جن کا جا بجا جال بچھا ہوا ہے۔ بہت کم وقت میں فوجیں ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجی جا سکتی ہیں۔

روس کی عورت۔ حکومت ہر لڑکے لڑکی کو بلا امتیاز اپنی نگرانی میں لے لیتی ہے۔ ۱۰ سے ۱۷ سال کی عمر تک انہیں اپنے خرچ پر تعلیم دیتی ہے۔ حکومت بچوں کو میوہ کا درخت قرار دے کر پرورش کرتی ہے۔ جولائی اور اگست میں سارے بچوں کے مدرسے بند ہوتے ہیں۔ ان مہینوں میں بچوں کو باہر لے جایا جاتا ہے۔ وہ لکڑی کی ہوادار اور روشن جھونپڑیوں میں رہتے سہتے ہیں۔ بچے اپنا وقت تیرنے ناچنے اور سیر تفریح کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ بچوں کو رات کے وقت کسی تماشہ میں جانے نہیں دیا جاتا۔ نو بجے ان کا سو جانا ضروری ہے تاکہ ان کی صحت درست رہے۔ لیکن لیاقت جن کی اچھی ہوتی ہے۔ ان کو کالج میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ کسی کام سے لگ جاتے ہیں۔ لڑکیوں کے لئے ۱۷ سال کی عمر تک تعلیم لازمی ہے۔ لڑکیاں اس کے بعد بھی تعلیم جاری رکھ سکتی ہیں۔ چنانچہ بہت سی ڈاکٹر نرسیں۔ انجنیر۔ اخبار نویس اور انتظامی افسر ہیں۔ الگزینڈرا کولن طائی سٹاک ہالم میں روس کی سفیر ہے۔ وہ دنیا کی پہلی عورت ہے جو سفیر بنی ہے۔ وار ورا وزیر مال ہے۔ عورتوں کو ایسی تعلیم دی جاتی ہے جس سے حسن و خوبی کا خاص نقش ان کے دل پر بیٹھ جاتا ہے۔ چنانچہ وہ

وہ دنیاوی زندگی میں جو کام بھی کرتی ہیں اس میں حسن و خوبی کو پیش نظر رکھتی ہیں۔

زار کے زمانہ میں شادی شدہ عورت کسی کام کی تلاش میں گھر سے باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ خاندان کے بزرگ کی اجازت کے بغیر وہ اپنے شوہر کی کم آمدنی میں اضافہ کے لئے کوئی کام نہ کرسکتی تھی۔ اب بچہ والی ماں تک کے لئے سہولتیں مہیا ہیں۔ کارخانوں، سٹیشنوں وغیرہ کے نزدیک دایہ خانہ قائم کردیئے گئے ہیں۔ ماں دو ماہ کا بچہ اُن کے حوالے کردیتی ہے۔ تین یا پانچ سال کی عمر تک ان کی پرورش تربیت یافتہ اعلیٰ دایائیں کرتی ہیں۔ ماں سے بہتر ان کی نگہداشت ہوجاتی ہے۔ کارخانوں میں کام کرنے کے اوقات میں بچے اپنی دایہ خانوں کے سپرد رہتے ہیں۔ بیچ بیچ میں بچوں کو دودھ پلا جاتی ہیں۔ یہ وقت تنخواہ کے وقت نہیں کٹتا۔ شہروں اور گاؤں میں ہر وقت یہ دایہ خانہ کھلے رہتے ہیں۔ ریلوں تک میں یہ مہیا کردیئے گئے ہیں۔ حکومت ان سب کا خرچ خود برداشت کرتی ہے۔ حاملہ عورت کی حکومت خاص خبرگیری کرتی ہے۔ ہر ضلع میں دو تین زچہ خانے ہیں۔ عورتوں کا وقتاً فوقتاً وہاں معائنہ کیا جاتا ہے اور انہیں غذا وغیرہ کے متعلق ہدایات دی جاتی ہیں۔ جنگ سے پہلے روس میں ۵ ہزار زچاؤں کے لئے پلنگ مہیا تھے۔ ۱۹۳۹ء کی پہلی ششماہی میں ایک لاکھ ۴ ہزار بچے پیدا ہوچکے تھے۔ حکومت کے خرچ کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ کوئی بچہ گھر پر پیدا نہیں ہونے دیا جاتا۔ بچہ ماں باپ کے نام پر صحیح رجسٹر کیا جاتا ہے۔ جس طرح ماں چاہے۔ وہاں جائز ناجائز کا پتہ نہیں چلتا۔ طلاق تھوڑے خرچ کے بعد ملتی ہے۔ بچہ کی نگرانی ماں کے سپرد ہوجاتی ہے۔ اس کا خرچ عدالت شوہر سے وصول کرکے مطلوقہ کو دلواتی رہتی ہے۔ باپ کی آمدنی ناکافی ہو تو ماں کو بھی اپنی آمدنی کا کچھ حصہ بچہ کے لئے علیحدہ کرنا پڑتا ہے۔ یورپ و امریکہ میں شادی کرتے ہی عورتوں کو کاروبار سے علیحدہ کردیا جاتا ہے۔ روس میں یہ کاوش نہیں۔ عورت کو جو کام موزوں معلوم ہو دیا جاتا ہے۔

دنیا کی پہنائی

دنیا نہایت ہی وسیع چیز ہے اور اس وسعت میں بیشمار دنیائیں ہیں۔ ہر ذرہ ایک دنیا ہے اور ہر دنیا ایک ذرہ ہے اور ہر ذرہ اتنا چھوٹا ہے کہ اس کا قطر ایک انچ کا ایک ارب واں حصہ ہے اور ہر ذرہ بھی ننھے ننھے ذروں سے مرکب ہے جن میں ایک اصل ذرہ سے ایک کھرواں حصہ چھوٹا ہے۔ انہی ذروں سے دنیا بنی ہے اور اس کی ترکیب ہر جگہ ایک ہی مادہ سے ہے۔ اس میں تارے سیارے غیر مکمل تاروں کے کہکشاں کی صورت کے جھمگھٹ اور دُم دار تارے بکھرے پڑے ہیں۔ ہر تارہ بڑی تیزی سے اپنے محور میں گھومتا ہے جن کے زمین سے تکرانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ دوسرے تارے آپس میں ٹکرا کے بعض دفعہ بکھر جاتے ہیں اور بعض دفعہ گڈمڈ ہو کے ایک ہوجاتے ہیں۔ ہر تارہ سورج ہے اور سورج تارہ ہے۔ ہمارا سورج زمین سے قریب تر تارہ ہے۔ یہ سب تارے جو تسما کے ناپیدا کنار بحر ذخار کے چھوٹے چھوٹے جزیرے ہیں۔ زمین سے ان کا فاصلہ ناپنا بے حد مشکل ہے کیونکہ ہماری گنتی ہمارا ساتھ نہیں دیتی۔ ہیئت والوں نے اس کا علاج یہ سوچا کہ روشنی کی رفتار کے اندازہ پر میل قائم کئے اس طریقہ سے کچھ سہولت پیدا ہوگئی۔ روشنی ایک سکنڈ میں ۱۸۶۲۸۵ میل سفر طے کرتی ہے۔ اس حساب سے سال بھر میں روشنی .... ۵۸۷۵ میل سفر طے کرلیتی ہے۔ ایک روشن سال ۵۸ کھرب ۷۵ کھرب میل کے برابر ہے چنانچہ ان فاصلوں کے ناپنے میں ایک روشن سال کو اکائی قرار دے دیا گیا۔

آج کل کی زبردست سے زبردست دوربین صرف ۳۰ کروڑ روشن سال کا نظارہ کرسکتی ہے یعنی ۰۰ ۴۳ ۷۶۳ ۱ سنکھ میل تک ہم نہایت زبردست دوربین کی مدد سے آسمان کی سیر کرسکتے ہیں۔ اگر بندوق کی گولی تین ہزار میل فی منٹ کی رفتار سے بخط مستقیم شبانہ روز چلتی رہے تو اسے ایک کھرب ۸۶ ارب سال فاصلہ تک پہنچنے میں لگیں۔ اس مقام پر انتہائی سردی ہے یہ مقام دنیا کے مرکز سے بہت پیچھے ہے جس سے دنیا کی وسعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

جو تسما ہمیشہ پھیلتا رہتا ہے اور اس کا موجودہ قطر اس قدر وسیع ہے کہ اگر ہم ۱۸۶۲۸۵ میل فی سکنڈ سے دن رات چلتے رہیں تو ۲۱۔ ارب سالوں میں اس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ سکیں یہ قطر ڈیڑھ ارب سالوں میں دگنا ہوجاتا ہے۔ ہماری زمین کی مقدار ۲۶۰ پدم مکعب میل ہے اس کے مقابلہ میں دنیا کی وسعت .... ۴۸۴ کھرب کھرب کھرب مکعب میل ہے۔ زمین کی مقدار زمین کے برابر کے پانی سے ۵½ گنا زیادہ ہے اور پانی کی مقدار ۱۵۹۱۹۵۶۰ ٹن ہے۔ دنیا کی مقدار تقریباً .... ۴۰ ٹن ہے۔ زمین کے ہندسے کے ساتھ ۸۰ صفر آتے ہیں ہماری گنتی صرف ۱۸ تک جاتی ہے (جس میں صرف ۱۸ ... صفر آسکتے ہیں) ہماری زمین کی عمر دو ارب سال ہے۔ دنیا میں ۱۰۰ کہکشاں یعنی تاروں کے جھرمٹ ہیں۔ جو چلتے چلتے زمین سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ ان کی رفتار ایک ہزار سے ۱۸ ہزار میل فی سکنڈ ہے۔ اس حساب سے ۴ ایک زمانہ ایسا آتا نظر آتا ہے جب ہماری موجودہ دوربینیں ان کو مطلق نہ دیکھ سکیں گی۔

محمد ظفر

بزمِ عصمت

(۱) بزم عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جس میں خریداری نمبر کا حوالہ ہو (۲) خط بہت مختصر ہو۔ (۳) وہ استفسار نہ ہو جس کے جواب عصمت میں پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ (۴) رسالے کے انتظامی امور یا مضامین کے بارے میں کوئی بات نہ ہو (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔ (ایڈیٹر)

عصمتی بہنوں کو یہ سن کر نہایت خوشی ہوگی کہ گلزار درخشاں کی مولفہ اور میری عزیز ترین دوست آر کے درخشاں آف بجنور کی شادی خانہ آبادی مسٹر فریدالدین احمد آف دہلی کے ساتھ ۹۔ دسمبر کی مبارک شام کو انجام پائی۔ اللہ پاک میری پیاری درخشاں باجی اور فرید بھائی کو نیا دورِ زندگی مبارک کرے۔ اور ہمیشہ خوش وخورم رہیں۔ اس خوشی میں عصمت کو ایک خریدار دے رہی ہوں۔

آنسہ بلقیس یار محمد صدیقی لکھنوی بجنور

نہایت مسرت وشادمانی کے ساتھ یہ خبر عصمتی بہنوں کو دیتی ہوں کہ خدائے پاک نے اپنے کرم سے ۱۷ ستمبر ۴۴ء کو مجھے چاند سی بھتیجی عنایت فرمائی ہے بہنیں دعا فرمائیں کہ خدائے تعالیٰ اس کو ماں باپ کے زیر سایہ پرورش کرائے اور اسے اقبال مند کرے اور عمر دراز کرے آمین۔ اس خوشی میں پانچ روپئے کی حقیر رقم نادار فنڈ کے لئے بھیج رہی ہوں کوئی بہن تاریخی نام نکال کر ممنون فرمائیں۔

مسز احمد رؤف خاں صاحب شیروانی علیگڑھ

انتہائی رنج والم کے عالم میں اطلاع دے رہا ہوں کہ میری عزیز بہن بیگم رضی الدین حیدر پندرہ یوم درد سینہ اور کھانسی میں مبتلا رہ کر ۷ دسمبر ۴۴ء بروز جمعرات بوقت ۱۱ بجے دن ۲۲ سال کی عمر میں ہم سب خصوصاً والدین اور شوہر کو تنہا چھوڑ کر دائمی داغ مفارقت دے گئیں۔ میری مرحومہ بہن ملکہ مہر جمال نے اپنی پیاری اور عزیز ترین نشانی ساڑھے چار سال کی ایک معصوم بچی چھوڑی ہے۔ خدا اس کی عمر میں برکت دے مرحومہ رسالہ عصمت کی خریدار تھیں۔ اور عصمت کا مطالعہ نہایت ذوق وشوق سے کرتی تھیں۔

میری استدعا ہے کہ عصمتی بہنیں اپنی جوان مرگ اور اس قدر جلد بچھڑنے والی بہن کے لئے دعائے مغفرت کریں۔ دو روپیہ کی حقیر رقم ارسال ہے۔ نادار فنڈ یا کسی اور کار خیر میں صرف کر کے مرحومہ کی روح کو ثواب پہنچائیں۔

جمیل نذیری

بجواب محترمہ بیگم سید ہاشمی صاحبہ عرض ہے کہ مرکلائزڈ ویکس (Mercolized Wax) تلوں اور خصوصاً چھائیوں کے داغ کے لئے بہترین چیز ہے۔ اگر مل سکے تو (آزمودہ ہے) نیز تلوں کے لئے ویسلین کریم بھی مفید ہے۔ محترمہ م رب خریدار نمبر ۱۶۷۶۴ بھی یہی چیز استعمال کر کے دیکھیں۔

محترمہ مہر النساء چودھری صاحبہ کی خدمت میں عرض ہے کہ انہوں نے جو کاجل آنکھوں کے لئے مضمون "حسن تندرستی" میں لکھا ہے۔ اس کے بنانے کی مفصل ترکیب اور استعمال کرنے کا طریقہ "بزم عصمت" میں روانہ فرمائیں۔ کیا سلائی سے آنکھوں کے اندر لگانا پڑتا ہے یا صرف پلکوں پر اور اس کے استعمال سے بینائی میں تو کوئی فرق نہیں آتا۔ ضرور لکھیں نیز Cocoa اور Macassar oil Red (سرخ مکاسر آئیل) کا صحیح پتہ اور ترکیب استعمال بھی ضرور بذریعہ عصمت تحریر فرمائیں۔ یہ بھی بتائیں کہ کتنے عرصہ میں فائدہ ہوتا ہے۔ میری ایک بہن کو ان دو چیزوں کی اشد ضرورت ہے دھیان فرمائیں۔ مسعود عباسی خریداری ۲۱۵۳۶

عصمت ماہ دسمبر ۴۴ء کے بزم عصمت صفحہ ۴۰۸ کالم ۲ میں ایک ضرورت مند بہن کے لئے خارش کے نئے نسخہ کی ضرورت ہے۔ سو مندرجہ ذیل ہے۔

مردار سنگ ڈھائی تولہ۔ املہ سار گندھک ڈھائی تولہ۔

کافور سوا تولہ۔ ناریل کا تیل آدھا رطل۔ پہلے مندرجہ بالا تینوں چیزوں کو باریک پیس کر کسی بغیر قلعی کے طبق میں لیں اور اس میں تیل ڈال کر خوب آمیزش کریں۔ بعد ازاں کسی بغیر قلعی کے برتن کے پیندے سے اس آمیزش کو خوب گھونٹیں۔ یہاں تک کہ وہ آمیزش سیاہ ہو جائے۔ اب وہ مرکب استعمال کے قابل ہو گیا خارش پر وہ لگانے سے انشا اللہ آرام ہو گا۔

دسمبر ۴۴ء کے ہی رسالہ میں بہن مہر النسا صاحبہ کا ایک مضمون بعنوان حسن و تندرستی ہے۔ اس میں انہوں نے بال بڑھنے کے لئے یہ نسخہ تحریر فرمایا ہے کہ "ٹاٹا کمپنی کے سادہ" ناریل کے تیل میں سرخ مکاسر آئیل ملا کر استعمال کریں۔ بہن موصوفہ سے بذریعہ عصمت یہ امر دریافت طلب ہے کہ ناریل کا تیل اور سرخ مکاسر آئیل کس نسبت سے ملائیں۔

بیگم عبدالرزاق خریداری نمبر ۲۹۶۴

جنوری کے پرچہ میں ایک سخت ضرورت مند بہن نے موٹاپا دور کرنے کا اور بالوں کے بڑھانے کا نسخہ دریافت کیا ہے ان بہن صاحبہ کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ بڑی بڑی سخت ورزشیں کریں۔ یہاں میں ایک آزمودہ ورزش کا طریقہ لکھتی ہوں۔ جسے ملتانی زبان میں ڈنڈ کہتے ہیں۔ وہ حسب ذیل ہے ہر صبح بغیر خوراک کے ایک بند کمرے میں الٹا اس طرح سوئیں کہ پیٹ زمین کو نہ لگے اور بازوؤں کو کان کی سیدھ میں پھیلائیں پھر اس طرح اٹھیں کوئی اعضا اپنی جگہ سے نہ ہلے بلکہ صرف پیٹ ہی حرکت کرے۔ ہر بار لمبا سانس لیں۔ اور پیٹ کو سکیڑ دیں اسی طرح پہلے روز چالیس بار کریں اور ہر روز دس بڑھاتے جائیں انشاء اللہ ضرور ہی فائدہ ہو گا۔ مگر پسینہ آ جائے تو تولئے سے خوب خشک کریں۔ اور پھر باہر نکلیں۔ روٹی پانی ایک گھنٹہ کے بعد ہی کھائیں۔

اور بالوں کے بڑھانے اور گرنے سے بچانے کا یہ آزمودہ ہے کہ ہر روز رات کو سوتے وقت آدھ چھٹانک یا اس سے کم ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ خالص سرسوں کا تیل سر میں ڈالیں اور پھر اوپر سے ہاتھ کے ساتھ ملیں۔ انشا اللہ ضرور فائدہ ہو گا۔ اگر بستر وغیرہ خراب ہونے کا احتمال ہو تو سر پر کوئی پرانا موٹا کپڑا باندھ دیں

مس محمد ابراہیم برق۔ علی پور۔ نمبر خریداری ۱۳۱۵

چھ سات ماہ گزرے مجھے ٹائیفائڈ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے میرے بال بالکل جھڑ گئے۔

کئی دوائیں اور تیل استعمال کئے لیکن کسی سے کوئی خاص فائدہ نہ معلوم ہوا۔ عصمتی بہنوں سے گزارش ہے کہ وہ کوئی ایسا مجرب اور آزمودہ نسخہ تحریر فرمائیں جس سے بال گھنے اور لمبے ہو جائیں۔

نزہت جہاں۔ فیض آباد

میرے دانتوں میں عرصہ سے خون آتا ہے جس کے سبب مسوڑھے کمزور ہو کر دانت علیحدہ ہو رہے ہیں۔ نیز بعض دانت ہلتے ہیں۔ کئی ڈینٹسٹ کو بھی دکھلایا۔ دانت کئی مرتبہ صاف کرائے۔ عکس رے بھی کرایا۔ لیکن خاص فائدہ نہیں ہوا۔ انجکشن بھی لئے۔ آخر بعد میں کئی ہندوستانی منجن بھی استعمال کئے۔ میں کسی بہن کے تجربہ پر دیکھ کر ماحدی منجن بھی برابر دو سال سے استعمال کر رہی ہوں۔ پھر بھی خون بند نہیں ہوتا۔ نہ دانتوں کا ہلنا۔ زیادہ ہی بڑھتا جاتا ہے۔ عصمتی تجربہ کار بہنوں سے خصوصاً بیگم حکیم محمد خاں جاورہ سے استدعا ہے کہ کوئی آزمودہ نسخہ خون بند ہونے کا۔ نیز مسوڑھوں کے پھولنے۔ دانتوں کے ہلنے کا تجویز کر کے بذریعہ عصمت اطلاع دیں۔ بیحد شکر گزار ہوں گی نسخہ آزمودہ ہو تاکہ دانت اور مسوڑھے سی نازک چیز کو نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔

راقمہ ضرورت مند عصمتی بہن

میری ایک عزیز بہن کے چہرے پر بارتنگ تل تھے اس نے ان کو مٹانے کے لئے ان پر سک دہی میں گھس کر لیپ کیا متواتر آٹھ دن لیپ کرنے سے جگہ سیاہی مائل ہو گئی۔ پیلی سرسوں دودھ میں گھونٹ کر بھی لیپ کیا لیکن چنے کی دال برابر جگہ گندمی رنگ کی ہو گئی۔ کوئی بہن براہ نوازش آزمودہ نسخہ بتلائیے داغوں کی جگہ ہموار ہے۔ صرف رنگت گندمی ہو گئی ہے۔ نسخہ ایسا ہو جس سے چہرے کی دوسری رنگت پر برا اثر نہ پڑے یعنی رنگت گوری ہو جائے داغوں پر

دُوربین

جاپانی شکست ٹسکتا لینے کے بعد اگست سے دسمبر تک پانچ ماہ میں انگریزی فوجوں نے برما کا ۲۷۰ میل کا علاقہ فتح کیا۔ اب تک کل تین ہزار مربع میل شمالی برما جاپانیوں سے فتح کیا جا چکا ہے۔ بڑے بڑے اہم مقامات پر قبضہ ہوتا جا رہا ہے۔ بھامو کے بعد اب شویبو پر قبضہ ہو چکا ہے، اور مانڈلے اب قریب تر رہ گیا ہے۔ خیال ہے کہ جاپانی شائد اس جگہ اور رنگون پر کچھ جم کر لڑیں۔ اکیاب میں تقریباً تین سال کے بعد انگریزی فوجیں بلا مقابلہ داخل ہوئیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جاپانی اپنی کمزور حالت کا اندازہ کر کے انگریزی فوجوں کے پہنچنے سے پہلے ہی بندرگاہ خالی کر کے چلتے بنے۔ اکیاب پر مکرر قبضہ اتحادیوں کی اہم جیت ہے اس طرح اراکان کی جنگ ختم ہو گئی۔ ہندوستانی بحری بیڑا اس بندرگاہ میں واپس آ گیا ہے۔ یہ آئندہ جنگی کارروائیوں کے لئے نہایت عمدہ اڈا ثابت ہوگا۔ جاپانی یہیں سے اڑ کر بنگالہ پر گولے برسا جاتے تھے۔ انگریزی فوجیں اکیاب سے ۳۲ میل کے فاصلہ پر ساحل پر کامیابی سے اتر کر بڑھ رہی ہیں۔

اب جاپانی کمزوری اس قدر بڑھ گئی ہے کہ ٹوکیو اور جاپان کے دیگر اہم شہروں پر امریکی ہوائی جہاز برابر گولے برساتے رہے۔ فلپائن میں لیٹے کے جزیرہ کے بعد منڈورو پر تقریباً پورا قبضہ کر لیا۔ اب لوزان پر امریکی فوجیں اتر گئی ہیں اور بڑھ رہی ہیں چین میں بھی جاپانی پیش دستی رک گئی ہے۔ ترکی نے بھی جاپان سے سیاسی تعلقات توڑ دیئے ہیں، اور اس کے سیاسی مدبروں کو نظر بند کر دیا ہے۔

ہوائی جنگ جرمنی کے دو نئے ہتھیاروں وی ون اور وی ٹو نے شمالی اور جنوبی انگلستان کو کافی نقصان پہنچایا ۱۹۴۴ء کے گیارہ ماہ میں ہوائی حملوں سے اموات ۱۹۴۳ء کے مقابلہ میں پانچ گنی زیادہ ہوئیں، یعنی ۲۹ ہزار، بمقابلہ ۶ ہزار ۱۹۴۲ء میں، ۷ ہزار ۱۹۴۰ء میں جو بدترین سال تھا - ۵۰ ہزار سے زیادہ اور ۱۹۴۱ء میں ۴۳ ہزار سے زیادہ اموات ہوئیں۔ لندن ان حملوں کا زیادہ آماجگاہ رہا اور یہیں زیادہ نقصانات ہوئے ۱۹۴۴ء کے مقابلہ میں ۱۹۴۳ء کے حملے بہت تباہ کن ثابت ہوئے کیونکہ مسلسل رہے۔ لندن میں ۱۵ ستمبر سے پہلے تک ایک لاکھ ۴۰ ہزار گھروں کو لندن میں نقصانات پہنچے اور ۲۳ ہزار بالکل برباد ہو گئے۔ شمالی فرانس اور بلجیم کے آزاد ہو جانے سے امید تھی کہ جرمنوں کو ان بموں کے بھیجنے میں دشواریاں پیش آ جائیں گی تو ذرا بھی نئی قسم کا وی ون بم ہوائی جہازوں کے ذریعہ آنے لگا۔ اور وی ٹو نہایت خوفناک ہوائی بھی جاری ہو گئی۔ تاریخ میں یہ بدترین وحشیانہ اور سفاکانہ ہتھیار کے طور پر یاد کیا جائے گا۔

اتحادی ہوائی جہازوں نے برابر جرمنی کے اہم مقامات پر زبردست گولہ اندازی جاری رکھی جس سے جرمنی کو سخت نقصانات پہنچے۔ پہلے پہلے بھی انہی گولہ باریوں نے یہ ظالمانہ ہتھیار جرمنوں کو جلد استعمال کرنے کا موقع نہیں دیا۔ ورنہ یورپ کے اہم ممالک کے قبضہ کے زمانہ میں ان خلاف انسانیت ہتھیاروں سے ہنگامہ رستخیز برپا ہو سکتا تھا۔

اتحادیوں کو ہوائی غلبہ حاصل ہے، جب اس ماہ میں جرمنی کے ہوائی دستوں نے اتحادی مقامات پر حملے کئے ان کے سینکڑوں جہاز برباد ہوگئے۔

یونان میں بغاوت مسٹر چرچل یونان گئے اور وہاں باغیوں کو بلا کے جلسہ کیا اور انہیں سمجھایا بجھایا مگر معلوم ہوتا ہے ان پر اثر نہیں ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ موافق مخالف سب سے بیک وقت ہتھیار لے لئے جائیں حکومت جو قائم ہو صحیح معنوں میں رعایا کی نائب و قائم مقام ہو۔ پادری دمسکی ناس کو نائب السلطنت مقرر کر دیا گیا ہے اور ایک نئی وزارت قائم ہو گئی ہے۔ باغیوں کو فوجی قوت سے اس قدر پسپا کیا گیا کہ وہ ایتھنز اور پائرس سے ہٹ گئے ہیں۔ دیگر مقامات میں ان کا مقابلہ جاری ہے مگر ان کی تعداد روز کے کشت و خون سے کم ہو [illegible] پلاسترا‌س گیارہ میل جلاوطن رہنے کے بعد ملک میں آ گیا ہے، اور اسی نے نئی وزارت قائم کی ہے۔ فوجی ہونے کی وجہ سے اس کی حکومت قوت و استقلال سے کام لے کے ملک میں امن قائم کرے گی۔ انگریزی فوجیں اس کی پشت پر رہیں گی۔ باغیوں نے صلح کی سلسلہ جنبانی شروع کر دی ہے۔

مغربی محاذ۔ مارشل رنسٹڈٹ نے اچانک جارحانہ حملہ کر کے امریکی فوجوں

"یہ روپیہ میرا اپنا روپیہ ہے۔ میں اسے جیسے چاہوں صرف کروں" بے شک آپ کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر یہ آپ کے گاڑھے پسینے کی کمائی ہے تو آپ اسے کھونا پسند نہیں کریں گے۔ مگر جب کبھی آپ بے ضرورت کوئی چیز چڑھے ہوئے داموں پر خریدیں تو بالکل یہی ہوتا ہے۔ اس سے کہیں بہتر ہے کہ آپ اپنی خریداریاں قیمتوں کے دوبارہ ٹھیک ہونے تک ملتوی کر دیں۔

آپ مستقبل کو کبھی نہ بھولئے۔ فتح کے بعد ہندوستان اپنی قوتوں اور ذرائع کو دوبارہ زمانۂ امن کی صنعتوں پر لگائے گا اور اس وقت ہمیں جنگ کے بعد کی ترقی کے لئے زیادہ سے زیادہ سرمائے کی ضرورت ہوگی۔ اس وقت آپ جو رقم بچائیں گے وہ آپ ہی کے مستقبل کی خوشحالی کے لئے ایک مضبوط بنیاد بن جائے گی۔

روپیہ بچائیے اور سمجھداری سے لگائیے

بیمہ پالیسی، سرکاری قرضے، نیشنل سیونگز سرٹیفکیٹس، ڈاکخانے کا سیونگ بینک، بینک کا سیونگ کھاتا، اور امداد باہمی کی انجمنیں روپیہ لگانے کی عمدہ مدیں ہیں۔ آپ کا روپیہ محفوظ رہتا ہے اور ان مدوں سے آپ کو معقول منافع بھی ملتا ہے۔

قوم کے لئے قومی جنگی محاذ کی اپیل

AAA 1716

کو کافی نقصان پہنچایا اور وہ تقریباً ۵ میل پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئیں جن حلقوں کو جرمنی کے جلد ترشکست کھا جانے کے آثار نظر آتے تھے وہ اس ہنگامی شدت کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور نکتہ چیں حلقوں نے اتحادی لاپروائی اور غلط خوش خیالی پر بڑی لے دے کی۔ ہٹلر نے اس موقعہ پر تقریر کی جس میں بتایا کہ قوم نے عزم مضبوط کر لیا ہے اور لڑائی ۱۹۴۶ء سے پہلے ختم ہونی مشکل ہے۔ فتح ہماری ہوگی۔ مبصروں کا خیال ہے کہ اس تقریر میں حسب معمول کا جوش و خروش نہ تھا بلکہ یہ ایک باجہ کا ریکارڈ معلوم ہوتا تھا۔ سوئی کی گھسر گھسر کئی دفعہ سنائی دی۔ اتحادیوں نے فوراً اپنے خیالات کا جائزہ لینے کے بعد مغربی محاذ کے شمالی حصہ کی بیشتر فوج کی کمان سپہ سالار منٹگمری کے سپرد کر دی۔ چنانچہ جرمن فوجیں اس علاقہ میں پیچھے ہٹ جانے پر مجبور ہو چکی ہیں۔ جرمنوں نے ایک خفیہ فوج بھی طیار کی ہے جو اتحادی فوجوں اور علاقوں میں ترکیبوں سے گھس کے مل جل کے اتحادی بڑے بڑے آدمیوں کو مارنے اور علاقوں میں بدامنی پھیلانے کا مقصد اپنے پیش نظر رکھتی ہے مگر اتحادی چوکنے ہو چکے ہیں اور یہ لوگ جگہ جگہ گرفتار ہو رہے ہیں۔ ان کا مقصد پورا ہونے نہیں پایا۔ ۱۲ سے ۱۷ برس کے لڑکے لڑکیاں اسلحہ جات وغیرہ لے کر چھوڑنے، موٹر بگاڑنے، تار کاٹنے کے جرموں میں پکڑے گئے ہیں۔ ۱۲ اور ۱۴ برس کے لڑکوں کی ایک جماعت کے قبضہ میں امریکی اسلحہ جات اور بارود کا پورا پورا ذخیرہ پایا گیا۔ ایک ۱۷ سالہ لڑکی تار کاٹتی ہوئی پکڑی گئی۔ جنرل ہٹیں اور جنرل منٹگمری کی فوجیں مل گئی ہیں۔ اور رنشٹڈٹ کے حملہ کو پسپائی میں بدل ڈالنے میں کامیاب ہو گئی ہیں۔ جنوب کی طرف اس محاذ میں ابھی جرمنوں کو غلبہ حاصل ہے اور سٹراس بورگ خطرہ میں ہے جنگی مبصروں کا خیال ہے کہ حملہ کی ابتدا ابھی جرمنوں کے ہی ہاتھ میں ہے ان کا مقصد اس حملہ سے یہ تھا کہ جو زبردست پیش قدمی اتحادی شروع کرنے والے تھے وہ رک جائے۔ چنانچہ جو انتشار اس حملہ سے پیدا ہو گیا ہے وہ اس ہفتہ سے پہلے دور نہ ہو سکے گا۔ اسی طرح ۱۸۰۰ اس عرصہ میں مشرق میں روسی حملہ کا مقابلہ کر سکیں گے اور ان کو اس طریقہ سے ایک ہی محاذ پر لڑنے کی ضرورت ہوگی جس وقت تک مغربی محاذ پر فوجیں حملہ کرنے کے قابل ہوں گی۔ اس وقت تک روسی محاذ پر برف پگھلنی شروع ہو جائے گی اور زمین دلدل ہو جانے کی وجہ سے لڑائی رک جائے گی۔ اور جرمن اس وقت مغرب میں پھر لڑنے بھڑنے کے لئے تیار ہوں گے۔ مغربی محاذ پر جنگ زور وشور سے جاری ہے۔

روسی محاذ۔ روس کی فوجیں اس مہینے میں بڈاپسٹ کے تسخیر کے درپے رہیں کیونکہ اس کے بعد آسٹریا کے دارالسلطنت ویانا کا راستہ کھل جائے گا۔ اور روسی یک لخت آسٹریا میں جا پہنچیں گے۔ جرمنی کی فوجیں بڈاپسٹ کے ایک خاص علاقہ میں گھر گئیں۔ بہت دیر میں بیرونی جرمن فوجوں کو ہوش آیا۔ اور وہ بڑی تیزی سے اس محصور فوج کی امداد کے لئے یلغار کرتی ہوئی بڑھیں مگر روسیوں نے شمال مغرب کی طرف ان کو روک کے ان سے سختی سے جنگ شروع کر دی۔ کئی روز گھمسان کی لڑائی جاری رہی۔ اس عرصہ میں محصورین فوج کا بڈاپسٹ میں حلقہ تنگ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

اسی اثناء میں روسیوں نے اپنا سردی کا متوقع جارحانہ حملہ شروع کر دیا۔ مشرقی پروشیا، پولینڈ اور زیکوسلاویکیہ میں تین مقامات پر حملے شروع کئے گئے اور جنگ تندی سے ہونے لگی۔ مشرقی پروشیا میں روسی فوجیں پیش قدمی کرنے لگیں، ان کا رخ کونگسبرگ کی طرف ہے۔ جرمن فوجوں میں خلفشار نمودار ہو گئی ہے۔ ابھی مغربی محاذ کی طرف سے ان کا اطمینان نہ ہوا تھا کہ یہ نیا خطرہ نمودار ہو گیا۔ پولینڈ میں روسی پیش قدمی زبردست سیلاب کی طرح جاری ہے۔ وارسا، کرکو، لوڈز اور بہت سے مقامات فتح کئے جا چکے ہیں۔ پروشیا میں ٹلسٹ کا اہم شہر روسیوں کے قبضہ میں آ گیا ہے

تاروں کا جھرمٹ

مس شانتی رنگاناتھن پرنسپل اندرپرستھ کالج دہلی۔ زنانہ امدادی دستہ (واگز ملیری کور) کی سکنڈ ڈپٹی چیف کمانڈر مقرر ہو گئی ہیں۔ ان کو براہ راست کمیشن کرنیل کے عہدہ کے ساتھ مل گیا ہے۔ وہ پہلی ہندوستانی عورت ہیں جن کو الیف آر جی الیس منتخب کیا گیا۔ انہوں نے مدراس یونیورسٹی سے اول درجہ میں بی اے کیا تھا۔ وہ کئی کالجوں میں پروفیسر رہیں اور ورزشی اور زنانہ رہبری کی تحریکات کی انچارج رہیں۔ یورپ سے واپس آکر انہوں نے مدراس کے کالج میں جغرافیہ کا شعبہ جاری کیا، ناگپور کے زنانہ کالج کی وہی بانی ہیں وہ یورپ میں کئی سال رہیں۔ جغرافیہ، علم نفسیات اور فن تعلیم کی وہ ماہر ہیں اور ان کے اسناد انہوں نے کیمبرج کی یونیورسٹی سے حاصل کیں۔ فرانس میں بھی وہ طالب علم رہیں۔ جنیوا میں زنانہ تحریک کے افسران کی مجلس میں انہوں نے ہندوستان کی نمائندگی کی۔

سال نو کے خطابات میں بیگم شمس النہار محمود صاحبہ پروفیسر لیڈی بریبورن کالج کلکتہ کو ایم۔بی۔ای (سول ڈویژن) کا خطاب عطا ہوا ہے۔ مسز گاندھی کی یادگار قائم کرنے کے لئے جو چندہ سارے ہندوستان میں جمع کیا جا رہا ہے اس میں صرف دہلی سے دسمبر کے آخری

یہ آپ کا فرض ہی کہ اسکی
قوت برقرار رہے!
The DALDA COOK BOOK
Price Re.1/-
DALDA VANASPATI
Dept. H127 P O. Box No. 353, Bombay
بچوں کی ماتاؤ! کیا آپ جانتی ہیں کہ ہر مرتبہ جب آپ اپنے بال بچوں کے لئے کھانا تیار کرتی ہیں تو آپ کی ذمہ داری کس قدر اہم ہوتی ہے۔ اپنے بچوں کی تندرستی اور توانائی کو بہتر بنانا یا انہیں سست کمزور اور ناکارہ کر دینے کا انحصار آپ کی کھانے پکانے کی ترکیب اور غذا کے انتخاب پر ہے۔ خیال فرمائیے آپ کا کھانا پکانا ایک اہم اور دلچسپ مشغلہ ہے یا نہیں؟
دیکھئے۔ ہر غذا میں قوت دہ اجزا کی مقدار مختلف ہوتی ہے۔ چند غذائیں بہت قوت بخش ہوتی ہیں۔ لیکن بعض اشیا صرف بھوک مٹانے او پیٹ بھرنے کے لئے تو کافی ہیں۔ مگر وہ قوت دہ نہیں ہوتیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ زیادہ خوراک کھانے کے باوجود بھی کمزور رہتے ہیں۔ البتہ ہر غذا کو انتہائی قوت بخش بنانے کی یہی ترکیب ہے یعنی کھانا ڈالڈا سے تیار کیجئے۔ ڈالڈا میں غذائیت کے ایسے زبردست اجزا شامل ہیں جو قدرتی طور پر قوت بڑھانے کی انتہائی تاثیر رکھتے ہیں۔ وہ غذائیت کے یہی وہ اجزا ہیں جن سے ہماری روزانہ کھانے کی غذائیں عموماً محروم ہوتی ہیں۔
ڈالڈا اس طرح غذا کو
زیادہ قوت بخش بناتا ہے
یہ ہم ثابت کر چکے ہیں
وٹامن آمیز ڈالڈا قوت کیلئے
THE HINDUSTAN VANASPATI MANUFACTURING CO., LTD.

February 1945 Ismat Delhi

فلم اسٹاروں کی طرح اپنی جلد کی حفاظت کیجئے!

حضرت علامہ راشد الخیری کے مضامین کے متفرق مجموعے

عروس مشرق — مغربی تہذیب کے زہرآلود اثرات سے خواتین کو محفوظ رکھنے کے لیے نہایت موثر مضامین
گدڑی میں لعل — عورتوں کو سگھڑ، ہنرمند، کفایت شعار اور منتظم بنانے کے لیے۔
مسلمان عورتوں کے حقوق — حقوق نسواں کی حمایت میں درد و اثر میں ڈوبے ہوئے مضامین۔
نالۂ زار — عورتوں کی مظلومیت کا مرقع، ان کے مصائب و آلام کی درد انگیز داستان
بلبل بیمار — لڑکیوں کی تربیت اور تعلیم اور بے بہا خیالات
ساجن موہنی — تسخیر شوہر کا راز۔ میاں بیوی کے تعلقات کی خوشگواری کا نسخہ۔
شادی کا انتخاب — اولاد کی شادی کے وقت کیا باتیں ضرور دیکھنی چاہئیں۔
فریب ہستی — مسلمان گھرانے اندر ہی اندر کس طرح کھوکھلے ہو رہے ہیں۔
بیکری کا آخری دن — اور دوسرے مضامین جنہیں پڑھ کر لڑکیاں کنوار پنے کی قدر کریں گی۔
پنہستان مغرب — خواتین کے مطالعے کے چند بہترین انگریزی مضامین کے عام فہم ترجمے۔
بکھری ہوئی پتیاں — مختلف موضوعوں پر متفرق مضامین کا دلکش مجموعہ۔

تصانیف محترمہ خاتون اکرم مرحومہ

جمال ہمنشین — فلسفیانہ و شاعرانہ مضامین مع دیباچہ علامہ راشد الخیری مرحوم۔
گلستان خاتون — زنانہ لٹریچر کے بلند پایہ غیر فانی افسانوں کا حسین مجموعہ آرٹ کاغذ بار سوم
پیکر وفا — ایک دلآویز سبق آموز نتیجہ خیز افسانہ بار چہارم
بچھڑی بیٹی — ایک مختصر افسانہ جسے پڑھ کر مرحومہ کے کمال افسانہ نگاری کا اعتراف کرنا پڑتا ہے بار چہارم

تصانیف محترمہ نذر سجاد حیدر صاحبہ

نجمہ — مصنفہ کا بہترین ناول جس کے صرف ایک اعلان پر پانچ سو درخواستیں آ گئی تھیں
جان باز — مصنفہ کا بہت مشہور اخلاقی اصلاحی ناول حد درجہ دلچسپ

تصانیف محترمہ صغرا ہمایوں مرزا ایم۔ آر۔ اے۔ ایس

مشیر نسواں یا زہرہ — ایک دلچسپ اخلاقی ناول جس سے لڑکیوں کو بہت سی مفید باتیں معلوم ہوتی ہیں
سرگذشت ہاجرہ — دلچسپ سبق آموز قصوں کے پیرایہ میں اصلاحی اخلاقی جواہرات کا ذخیرہ
تحریر النساء — مستورات کے لیے جدید طرز پر خطوط جن میں کام کی باتیں بتائی گئی ہیں
موہنی — اخلاقی معاشرتی افسانہ جس میں ایرانی معاشرت پر بھی دلچسپ معلومات ہیں

تصانیف محترمہ بلقیس بیگم (و۔ا) صاحبہ

خانہ داری کے تجربات — گھرداری کے متعلق بے بہا مشورے پھوہڑوں کو سگھڑ بنانے کے لیے
مفید نسواں — خانہ داری کے تجربات کا دوسرا حصہ تندرستی بیماری باورچی خانہ کے متعلق مضامین

تصانیف محترمہ حجاب امتیاز علی

ادب زریں — چھوٹے چھوٹے لطیف مضامین طرز بیان حد درجہ دلآویز
لمحات موت — شاعرانہ خیالات تخیل کی بلندی، عبارت کی رنگینی، ہر مضمون، دیں [illegible]

دیگر تصانیف محترمہ آمنہ نازلی ادیب فاضل

دولت پر قربانیاں — روپیہ کے لالچ میں تعلیم یافتہ روشن خیال لڑکیوں کی شادیوں کے عبرتناک نتائج
تاریخی لطیفے — دنیا کے نامور مصنفوں شاعروں بادشاہوں شہزادیوں کی بذلہ سنجی حاضر جوابی کے نمونے
ہنسی کی باتیں — عامیانہ اور بازاری لطیفے نہیں۔ مہذب ظرافت کی کتاب بار سوم
عقل کی باتیں — بڑے بڑے پیغمبروں بادشاہوں ادیبوں فلاسفروں کے زریں اقوال

تصانیف محترمہ سرور جہاں رعنا بی۔ اے

پھول پھلواری — پھولوں کی کاشت۔ اور باغیچہ کی نگہداشت موسموں اور بیجوں کا حال
شہزادی نیلوفر — اور دوسری کہانیاں، چھوٹے بچوں اور بچیوں کے مطلب کی نہایت دلچسپ

تصانیف منشی پریم چند

دودھ کی قیمت — منشی جی کی زندگی کے آخری ۲ سال کے بہترین افسانے
روحانی شادی — دلچسپ اور نتیجہ خیز عبرتناک اور تفریحی ڈرامہ

تصانیف مولانا رازق الخیری

سیدہ کی بیٹی — حضرت زینب کبریٰ کی مفصل و جامع سوانح عمری کربلا کا درد انگیز حال
وداع راشد — حضرت علامہ راشد الخیری کا دم واپسین ذاتی اوصاف اور مختلف انسانی حیثیتوں کا دردناک تذکرہ
عصمت کی کہانی — مشہور زنانہ رسالہ عصمت کی قریباً تہائی صدی کی تاریخ افسانے سے زیادہ دلچسپ

تصانیف مولوی عبدالغفار صاحب الخیری

بچوں کی تربیت — بھول سے بچوں کی پرورش اور تربیت پر عام فہم زبان میں بے نظیر مشورے
حلیمہ — ایک نیک لڑکی کی زندگی کے سبق آموز حالات دلچسپ پیرایہ میں

تالیفات سید رضا احمد صاحب جعفری

دہلی کی دستکاری — کارڈ بورڈ یا گتہ کے کام کی ماہر ہو کر عورتیں کس طرح مالی پریشانی دور کر سکتی ہیں
لکڑی کا باریک کام — یعنی فریٹ ورک۔ یہ کام سیکھ کر معقول آمدنی کی صورت نکل سکتی ہے

تصنیفات مولانا سیماب اکبرآبادی

زنانہ بستہ — بچیوں کے لیے دس مفید کتابیں بہت آسان زبان میں بار چہارم
آفتاب زندگی — ایک لڑکی کے کنوار پنے کے دلچسپ اور سبق آموز حالات
شباب زندگی — آفتاب زندگی کا دوسرا حصہ شادی کے بعد اسی عورت کے حالات

صاحبزادہ ولی احمد خاں صاحب ایم۔ اے۔ ایم۔ ایف

مختصر دنیا — بالشتیوں کی دنیا میں ایک سیاح جا نکلا اسے بالشتیے۔ دیو سمجھنے لگے۔ بار دوم
انشائے سلمیٰ — لڑکیوں کو خط و کتابت سکھانے کے لیے پسندیدہ کتاب
اچھوتا سفر — ایک مہاراجہ کے سفر انگلستان کے نہایت ہی دلچسپ حالات نصف صدی پہلے کے۔

علمی و ادبی تصانیف

دیہاتی گیت — ڈاکٹر اعظم کریوی نے بڑی محنت سے دیہاتی گیت جمع کر کے ان کا مطلب بیان کیا ہے
خیابان نسواں — مولوی نصیر الدین ہاشمی کے دلچسپ پیرایہ میں عورتوں کے لیے مفید مضامین معاشرتی و اخلاقی مسائل
دامن باغباں — ڈاکٹر سعید احمد بریلوی کے مختصر افسانے دلآویز پیرایہ میں
پردہ و تعلیم — ہندوستان کے دو مشہور ادیبوں کے خیالات اپنی نوعیت کی ایک ہی کتاب ہے
خواتین اندلس — سپین میں مسلمانوں کے عہد میں کیسی کیسی مدبر بذلہ سنج قابل خواتین گذری ہیں
افسانۂ حرم — دس کہانیاں لڑکیوں کے لیے جن سے اچھی اچھی باتیں معلوم ہوں گی
مثنوی عائشہ صدیقہؓ — ام المومنین کے منظوم حالات زندگی بیحد موثر از جناب وقار واثقی

بچوں اور بچیوں کے لیے مزیدار کتابیں

جاپانی کہانیاں — مسز فضل جاپان گئی تھیں وہاں سے بچوں کے لیے پسندیدہ تحفہ لائی ہیں
بچوں کی دنیا — روسی مصنف ٹالسٹائی نے بچوں کے لیے جو کہانیاں لکھی تھیں ان میں سب سے اچھی کہانیاں
مزیدار کہانیاں — واقعی ایسے مزے کی کہ ننھے بچے لطف لے کر بار بار پڑھیں با تصویر

زنانہ نظمیں

شمع خاموش — مرحومہ مجو بیگم لکھنوی کی درد انگیز موثر نظموں کا مجموعہ مرتبہ مولانا رازق الخیری
آئینہ جمال — دور حاضرہ کی مشہور شاعرہ محترمہ بلقیس جمال بریلوی کی ۴۰ نظموں کا مجموعہ

عورتوں کی خاص کتب

زچہ خانہ — از کپتان ڈاکٹر نصیر الدین احمد صاحب ہندوستانی عورتوں کے لیے اس سے بہتر کسی زبان میں کوئی کتاب نہیں چھپی با تصویر ہے۔ دو حصے ہیں۔ حاملہ، زچہ ہر دو حصے۔
سنگھار خانہ — عورتوں کے لیے سنگھار و آرائش اور خوبصورتی کے قابل قدر مشورے۔

نامور افسانہ نگار خواتین کے افسانے اور ناول

انوری بیگم — از مسز خدیو جنگ مرحومہ۔ زنانہ لٹریچر کا مشہور و مقبول بلند پایہ ناول بار سوم
غیرت کی پتلی — از محترمہ فاطمہ بیگم منشی فاضل تین مختلف الخیال عورتوں کا افسانہ
شہید وفا — محترمہ امت الوحی کے ۹ دلچسپ مختصر افسانے بار دوم
چار رخ — چار عورتوں کی آپ بیتی از محترمہ انیس فاطمہ
فیروزہ — از محترمہ جمیلہ بیگم۔ ایک دولت مند یتیم لڑکی کا درد بھرا مگر نتیجہ خیز افسانہ

نہایت کار آمد کتابیں

صنعت و حرفت — از محترمہ امتہ الحفیظ۔ مختلف چیزیں بنانے کی تجربہ شدہ ترکیبیں مفلسی دور کرنے کا علاج تجارت کر کے کس طرح مالی حالت اچھی بنائی جا سکتی ہے
تندرستی ہزار نعمت — از محترمہ زہرا نیفی صحت قائم رکھنے کے اصول پوپ و بچہ کے متعلق
کپڑے کی چھپائی — سائینٹفک طریقوں سے کپڑے کس طرح چھپتے ہیں رنگوں کے متعلق معلومات
آئینۂ موٹر — موٹر کی مشینری سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے اردو میں سب سے بہتر کتاب

محصول ڈاک ذمہ خریدار۔ ملنے کا پتہ: عصمت بکڈپو۔ کوچہ چیلان دہلی